Scanned with CamScanner

نام کتاب : خطباتِ بندیالوی (جلد چہارم)
مصنف : علامہ محمد عطاء اللہ بندیالوی
طبع اول : شعبان المعظم ۱۴۳۱ھ
صفحات : ۵۲۰
تعداد : گیارہ صد ۱۱۰۰
مطبع : یمانی پرنٹرز ۲۵ ہجویری پارک لاہور
کتابت : سید حسن دلاسطی فون : 048-3764705 موبائل : 0307-6719282
قیمت :
ناشر : شعبۂ نشر و اشاعت جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ
جامعہ ضیاء العلوم فاروقِ اعظمؓ روڈ سرگودھا

ملنے کے پتے :

1. کتب خانہ رشیدیہ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی
2. دفتر ماہنامہ نغمہ توحید جامع مسجد بخاری شاہ فیصل گیٹ گجرات
3. مکتبہ تنویر القرآن اردو بازار لاہور
4. دار القرآن پنج پیر صوابی
5. مکتبہ حُسینیہ جامع مسجد سیدنا معاویہ فاروق اعظم روڈ سرگودھا
6. مکتبہ جاجروی جامعہ اسلامیہ بدر العلوم حمادیہ رحیم یار خان
7. مکتبہ حقانیہ جامعہ حقانیہ ڈی سی روڈ گوجرانوالہ
8. **دار القرآن والسنۃ** ○ مسجد شہداء ○ ریگل چوک مال روڈ لاہور

انتساب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دنیا میں بہت کم لوگ ہوئے ہیں جو بہت ساری صفات سے متصف ہوں، ماہر مدرس بھی اور کامیاب مناظر بھی، لاجواب مفسر بھی اور بے مثال محدث بھی، اعلیٰ پائے کا فقیہ بھی اور کثیر التصنیف بھی۔

پھر ان تمام صفات اور خوبیوں سے مالا مال ہونے کے باوجود حد سے بڑھ کر منکسر المزاج، حلیم الطبع، تواضع اور عاجزی کا مجسمہ، تکبر جسے چھو کر بھی نہیں گزرا۔ بود و باش اور لباس میں سادگی ہی سادگی، نمود و نمائش سے نفور اور غرور و فخر سے دور ---- خود داری میں ابوذر غفاریؓ کا متبع، سنت کی پیروی میں ابن عمرؓ کا پیروکار ------ یقین جانیے ---- علم کی تمام تر خوبیاں اور عالم کے تمام تر اوصاف جس کے وجود میں سموئے گئے، تقویٰ، خود داری، عزتِ نفس، حیاء و غیرت، صدق و امانت، حق گوئی، انصاف ---- میرے والد مرحوم رحمۃ اللہ تعالیٰ کے معتمد علیہ اور میرے مشفق استاذ بھی اور مربی بھی۔ ------ اللہ انھیں جنت میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام سے نوازے۔

مولانا سید محمد حسین شاہ صاحب نیلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ

کے نام

خطبات بندیالوی جلد چہارم کے انتساب کرتے ہوئے فخر محسوس کر رہا ہوں۔

محمد عطاء اللہ بندیالوی

۱۰ر رجب ۱۴۳۱ھ

۲۳ر جون ۲۰۱۰ء

تقدیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چند ماہ قبل "خُطبات بندیالوی جلد سوم" شائع ہو کر آپ تک پہنچی۔ جس میں ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام تک دنیا میں تشریف لانے والے ان انبیاء کرامؑ کی سیرت و حالات کو بیان کیا گیا جنھیں قرآن نے اپنے اوراق میں جگہ دی ہے۔

اللہ کے فضل و کرم سے اور اسی کی توفیق سے میں اس قابل ہوا کہ صرف چار مہینے کے قلیل عرصہ میں خُطبات بندیالوی کی چوتھی جلد آپ کے ہاتھ میں ہے۔۔۔۔ اس میں آپ حضرت شُعیب علیہ السلام سے لے کر سیدنا امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تک کی سیرت و حالاتِ زندگی پر اٹھارہ تقریریں پڑھیں گے۔

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات زندگی (پیدائش سے لے کر وفات تک) کے چیدہ چیدہ اور مشہور و معروف اور اہم واقعات سے آپ روشناس ہوں گے۔

میں نے ان خُطبات میں کوشش کی ہے کہ انبیاء کے حالات و واقعات کو بیان کرتے ہوئے جس جس مقام پر عقیدۂ توحید کی کوئی بات آئے یا عقائد کی اصلاح کا کوئی موقع ملے۔۔۔۔ وہاں اس کی نشاندہی کروں۔

خُطبات کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ بات مدِ نظر رکھیے کہ یہ باقاعدہ کوئی تصنیف نہیں ہے، بلکہ تقاریر اور خُطبات کا مجموعہ ہے۔۔۔۔ انداز تصنیفانہ نہیں خطیبانہ ہے۔ اس لیے آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ کا ترجمہ کرتے ہوئے لفظی ترجمے کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔ بلکہ آیت اور حدیث کا مفہوم اور مراد بیان کر دی گئی ہے۔

آپ کی دعائیں شاملِ حال رہیں تو خُطبات بندیالوی پانچویں جلد نماز میں پڑھے گئے کلمات و الفاظ کا ترجمہ، تفسیر اور تشریح کے عنوان پر ہوگی۔ ان شاء اللہ بہت جلد آپ کے ہاتھ میں ہوگی۔ جس میں فاتحہ خلف الامام، رفع یدین، آمین بالجہر اور نماز میں احناف کے نظریے کی حقانیت پر بھی بحث ہوگی۔

ان شاء اللہ بہت جلد منظرعام پر آجائے گی۔

میں قارئین گرامی کی خدمت میں بڑی عاجزی کے ساتھ درخواست کروں گا کہ اپنی دعاؤں میں مجھ جیسے نالائق اور کم فہم کو ہمیشہ یاد رکھیں --- کہ اللہ رب العزت اپنے دین کی اور اشاعت التوحید و السنۃ کے مسلک کی خدمت کے لیے صحت کے ساتھ رکھے ---- تاکہ تقریراً اور تحریراً یہ ناچیز قرآن و سنت کی خدمت کرسکے --- اور اللہ رب العزت خاتمہ بالایمان فرمائے۔

محمد عطاء اللہ بندیالوی

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سیدنا شعیب علیہ السلام

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَ الصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلٰى خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ وَعَلٰٓى اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿ وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَ الْمِيْزَانَ اِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ﴾

(سورۂ ہود ۱۱ : ۸۴)

(صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ)

سامعینِ گرامی قدر ! کتابِ ہدیٰ قرآن مجید کی جو آیات مبارکہ میں نے خطبہ میں تلاوت کی ہیں --- یہ سُورۃ ہُود کی آیات ہیں۔ اِن آیاتِ مبارکہ میں اللہ ربُّ العزت نے اپنے ایک اُولوالعزم پیغمبر سیدنا حضرت شُعیب علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا ہے۔

ان آیاتِ کریمہ کے علاوہ حضرت شُعیبؑ کا تذکرہ ----- ان کی تبلیغ اور دعوت کا تذکرہ ----- قوم میں پائی جانے والی بُرائیوں کا تذکرہ ----- قوم کی کٹ حجتیاں اور انکار کا تذکرہ ---- پھر قوم پر آنے والے عذاب کا تذکرہ ----

سورۃ الاعراف کی آیات ۸۵ تا ۹۳ میں بھی کیا گیا---- پھر حضرت شعیبؑ کا تذکرہ سورۃ الشعراء کی آیات ۱۷۶ تا ۱۹۰ میں بھی ہوا------ ان کا کچھ تذکرہ سورۃ عنکبوت آیت ۳۶ و ۳۷ میں بھی ہوا۔

سیدنا شعیب علیہ السلام جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں---- انھیں مدین کی طرف پیغمبر بنا کر مبعوث کیا گیا--- وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا ---- مدین ایک قبیلے کا نام ہے۔ یہ قبیلہ سیدنا ابراہیمؑ کے ایک بیٹے مدین کی اولاد تھا--- مدین حضرت ابراہیمؑ کی تیسری بیوی قطورا کے بطن سے تھے---- جہاں یہ قبیلہ سکونت پذیر تھا اِس جگہ کا نام قبیلہ کی مناسبت سے مدین پڑ گیا۔

سورۃ الشعراء میں کہا تھا:

﴿ كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴾

جھٹلایا اصحابُ الاَیکہ نے رسُولوں کو جب اُن سے شُعیبؑ نے کہا کیا تم اللہ کی نافرمانیوں سے نہیں بچتے۔ (۲۶ : ۱۷۶-۱۷۷)

مدین اور اصحابُ الاَیکہ ایک قوم ہیں؟

کچھ مفسرین کا خیال ہے کہ مدین اور اصحاب الاَیکہ دونوں جُدا جُدا قبیلے ہیں----- مدین متمدّن اور شہری قبیلہ تھا اور اصحابِ ایکہ دیہاتی اور بدوی قبیلہ تھا جو جنگل اور جھاڑی دار درختوں کے جھنڈ میں آباد تھا۔

مشہور تابعی مفسّر حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ تعالٰی کا خیال ہے کہ:

حضرت شُعیبؑ زمرۂ انبیاء میں واحد ایسے پیغمبر ہیں جنھیں دو۲ مرتبہ---- الگ الگ قبیلوں کی جانب پیغمبر بنا کر بھیجا گیا--- ان کو ایک مرتبہ مدین کی طرف مبعوث کیا گیا--- مدین والوں نے اُن کی دعوت کو نہیں مانا اور سرکشی پر اتر آئے تو اللہ ربُ العزت نے انھیں ایک زبردست گرج دار آواز اور چیخ

سے ہلاکت کے گھاٹ اتار دیا۔

دُوسری دفعہ حضرت شُعیب علیہ السّلام کو اصحابِ اَیکہ (سرسبز درختوں والے) کی طرف بھیجا گیا۔۔۔۔ انھوں نے بھی اِنکار کِیا تو اُنھیں سائبان والے عذاب نے ہلاکت و تباہی کے گھاٹ اتار دیا۔

اور کچُھ علماء کا خیال یہ ہے کہ یہ ایک قبیلے کے ۲ دو نام ہیں۔۔۔۔۔ مدین انھیں اِس لِیے کہا جاتا ہے کہ وہ سیدنا ابراہیم علیہ السّلام کے پوتے مدین کی اولاد میں سے تھے۔۔۔۔ دادا کے نام پر قبیلہ مشہُور ہو گیا۔

اور اُنھیں اصحابِ اَیکہ اس لِیے کہا جاتا ہے کہ آب و ہوا کی لطافت، نہروں اور آبشاروں کی کثرت نے۔۔۔۔۔ میووں اور پھلوں اور خُوشبودار پھولوں کے باغات نے۔۔۔۔ سرسبز درختوں کی بہتات نے اِس مقام کو اِس قدر پُر فضا، شاداب اور سرسبز بنا دیا تھا کہ کوئی شخص آبادی سے باہر کھڑے ہو کر اس آبادی کا نظارہ کرتا تو اس کو یُوں معلُوم ہوتا کہ یہ اِنتہائی خُوبصُورت اور شاداب اور سرسبز درختوں کا ایک جھنڈ ہے۔۔۔۔ اِس لِیے قُرآنِ مقدس میں اُنھیں اصحابِ اَیکہ یعنی جھنڈ والے، جنگل والے کہا گیا ہے۔

مشہُور مُفسّر حافظ ابنِ کثیر رحمۃ اللہ تعالٰی کا خیال یہ ہے کہ:

مدین میں ایک درخت تھا جس کا نام اَیکہ تھا۔۔۔۔۔ مدین والے اس درخت کو متبرک سمجھ کر اس کی پرستش اور پُوجا کرتے تھے۔ اس لِیے انھیں اصحابِ اَیکہ کہا گیا۔

بہر حال راجح اور مُعتبر قول اور خیال یہی ہے کہ مدین اور اصحابِ اَیکہ ایک ہی قبیلے کے ۲ دو نام ہیں۔ وہ باپ کی نِسبت سے مدین کہلاتے اور زمین کی شادابی و خُوشحالی کی بنا پر اصحابِ اَیکہ کے لقب سے مشہُور ہُوئے۔

بعثتِ شعیبؑ اور دعوتِ حق

سیدنا شعیب علیہ السلام جس قوم میں مبعوث ہوئے ---- وہ قوم مجموعی اور اجتماعی لحاظ سے اللہ کی واضح نافرمانیوں میں مُبتلا اور گردابِ ہلاکت میں پھنسے ہوئے تھے ---- وہ اپنی بداعمالیوں میں اس قدر مست اور اس قدر سرشار تھے ---- وہ اس حد تک سیاہ دل اور مردہ ضمیر ہو چکے تھے کہ ایک لحظہ کے لیے بھی ان کو یہ احساس نہیں ہوتا تھا---- کہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں یہ گناہ ہے ------ یہ معصیت ہے ------ یہ اللہ کی نافرمانی ہے ----- بلکہ وہ بدبخت اپنے اعمال و افعال کو فخر کا باعث سمجھتے تھے۔

ان میں ایک بیماری اور سب سے بڑی بد عملی یہ تھی کہ وہ شرک جیسے منحوس اور غلیظ گناہ میں مُبتلا تھے ---- بت پرستی کے عادی ---- غیر اللہ کی پرستش و عبادت میں مصروف ---- مشرکانہ عقائد و رسُومات کے خوگر تھے۔

دوسری بیماری اور معاشرتی خرابی ان میں یہ تھی کہ جب کوئی شخص ان کے پاس بیچنے کے لیے آتا تو وہ تول میں اس سے اس چیز کو جتنا زیادہ لے سکتے اتنا لے لیتے ---- اور جب کوئی چیز خود فروخت کرتے تو ناپ اور تول میں کمی کرتے تھے ----- یعنی لینے کے باٹ اور تھے اور دینے کے باٹ اور ----- وہ خرید و فروخت دونوں میں دوسروں کو نقصان پُہنچاتے تھے۔

تیسری خرابی اور بیماری ان میں یہ تھی کہ وہ مُختلف راستوں پر بیٹھ کر مسافروں کو لوٹ لیا کرتے تھے۔

قوم کے لوگ شرک و بت پرستی میں، فِسق و فجور میں حد سے بڑھ گئے تو سنت اللہ کے مطابق ---- اس قوم کی اصلاح کے لیے ---- انھیں امین اور دیانت دار بنانے کے لیے ---- انھیں راہِ راست دکھانے کے لیے ---- اسی قوم میں سے ایک شخصیت کو نبوت و رسالت کے لیے منتخب فرمایا ----

حضرت شُعیبؑ نے اللہ کا پیغام سناتے ہوئے فرمایا:

﴿ یٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمۡ مِّنۡ اِلٰہٍ غَیۡرُہٗ ﴾ (سورۃ ہود ۱۱ : ۵۰)

اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تُمھارا کوئی معبُود نہیں ---- اس کے سوا کوئی نہیں جس کی عبادت کی جائے ---- اس کے سوا کوئی نہیں جو مسجُود ہو ---- اس کے سوا کوئی نہیں جو غائبانہ پکاریں سُننے والا ہو ---- اس کے سوا کوئی نہیں جو مُختارِ کُل ہو ---- حاجت روا ہو ---- مُشکل کُشا ہو ---- نافع و ضار ہو ---- مُعطی و مانع ہو ---- اس کے سوا کوئی بھی عالم الغیب نہیں --- حاضر و ناظر نہیں ---- اس کے سوا کوئی نہیں جو نذر و نیاز کے لائق ہو ---- اس کے سوا کوئی نہیں جس سے غائبانہ خَوف کھایا جائے یا جس سے امیدیں وابستہ کی جائیں یا جس پر توکّل کیا جائے ---- جب اس کے سوا کوئی اِلٰہ نہیں تو پھر غیر اللہ کی پرستش و عبادت چھوڑو اور اللہ ہی کی عبادت کرو۔

سب سے پہلے توحید کی دعوت

میں کئی دفعہ بیان کرچکا ہوں کہ انبیاء کرام علیہم السّلام کو سب سے پہلے یہ حکم دیا جاتا ہے کہ وہ اپنی قوم کو اللہ کی الوہیت و معبُودیت کی دعوت دیں اور غیر اللہ کی الوہیت سے روکیں ---- گویا کہ توحید کی دعوت اور شرک سے بیزاری کا اعتقاد اور نظریہ انبیاء کرامؑ کی تعلیم و تبلیغ اور دعوت کی مشترک بنیاد اور اصل ہے۔

اسی لیے سیدنا شُعیب علیہ السّلام نے بھی اپنے پیغام اور دعوت کی ابتداء اور آغاز اسی سے فرمایا۔ قرآں نے ایک مقام پر کہا:

﴿ وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا نُوۡحِیۡۤ اِلَیۡہِ اَنَّہٗ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدُوۡنِ ﴾ (سورۃ الانبیاء ۲۱ : ۲۵)

ہم نے آپ سے پہلے جِتنے نبی اور رسُول بھیجے تھے ان کی طرف یہی وحی

کرتے تھے کہ میرے سوا اِلٰہ کوئی نہیں اس لیے میری ہی عبادت کرو۔

پھر اصلاحِ اعمال

توحید کی دعوت دینے کے ساتھ ساتھ حضرت شُعیب علیہ السلام نے قوم میں پائی جانے والی دوسری بیماری اور خرابی کی طرف توجہ دی اور فرمایا:

﴿ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَ الْمِيْزَانَ وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ﴾ (سورۃ الاعراف ۷ : ۸۵)

تم ناپ اور تول پورا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم تول کر نہ دو اور زمین کی اصلاح کے بعد (اس طرح) فساد نہ کرو۔

قرآن مجید نے ایک اور مقام پر اس کو اس طرح بیان فرمایا:

﴿ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَ لَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ○ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ﴾ (سورۃ الشعراء ۲۶ : ۱۸۱۔۱۸۲)

ناپ پورا کرو اور نقصان دینے والے نہ بنو اور سیدھی ترازو سے تولو۔

حضرت شُعیب علیہ السلام نے قوم کو تبلیغ کی کہ ناپ اور تول میں ہمیشہ انصاف سے کام لو ----- ہمیشہ سیدھی اور درست ترازو سے تولو ---- ناپ اور تول میں ڈنڈی مار کر فسادی نہ بنو -----

﴿ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ (سورۃ ھود ۱۱ : ۸۶)

----- (جائز شدہ نفع) --- اللہ کا دیا ہوا جو تُمھارے پاس بچ رہے وہی تُمھارے لیے بہتر ہے اگر ہو تم ایمان والے۔

یعنی ایک ایماندار شخص کے لیے اللہ کا دیا ہوا (سارے حقوق ادا کرکے ---- صحیح طریقے سے تجارت کرکے) جو بچ جائے اگرچہ وہ قلیل اور تھوڑا ہی کیوں نہ ہو، وہ اس کثیر دولت سے بہتر ہے جو حرام طریقہ سے حاصل ہو یا جس میں لوگوں کے حقوق مارے جائیں ---- حلال کمائی میں جو ٹھیک ماپ تول کر

اور کسی کو نقصان پہنچائے بغیر حاصل ہو برکت بھی ہوتی ہے اور اللہ کے ہاں اجر و ثواب بھی ملتا ہے۔

ناپ تول میں کمی قبیح جرم

سامعینِ گرامی قدر! کم تولنا، کم ناپنا --- اور لوگوں کے حقوق کی ادائیگی میں کمی کرنا --- تولتے ہوئے ڈنڈی مارنا ----- اِتنا قبیح اور گھناؤنا جرم ہے ----- اور غلیظ گناہ ہے کہ اللہ ربُّ العزت نے ایک جلیل القدر پیغمبر کو اِسی جرم کے قلع قمع کے لیے مبعوث فرمایا ----- اور اُنھیں توحید کے بعد اِنہی اُمور کی اِصلاح کے لیے رسُول بنا کر بھیجا گیا۔

آج ہمارے معاشرے میں بھی یہ خرابی اور یہ بیماری ایک وبا کی صُورت اِختیار کر چکی ہے۔ اکثر تاجر اور بہت سے دکاندار ----- اور بہت سے پھل فروش اور اکثر کپڑا ماپنے والے ناپ اور تول میں کمی کرنے کا شکار ہیں ----- حالانکہ خرید و فروخت اور تجارت میں دوسروں کا حق پورا نہ دینا اور دوسرے کا حق مار لینا ----- انسانی معاشرے کا ایسا روگ ہے کہ یہ بد معاملگی اور یہ بد اخلاقی اور یہ ناسور بڑھتے بڑھتے تمام حقوق العباد میں حق تلفی کا باعث بن جاتا ہے اور رہیں انسانی شرافت، باہمی محبت و الفت ---- آپس میں پیار کے رشتے کو ختم کر کے لالچ، حرص، خُود غرضی ---- خساست و کمینگی جیسے رزائل پیدا کرنے کا موجب بنا دیتی ہے۔

اسی لیے اللہ ربُّ العزت نے ایک سورۃ خرید و فروخت میں کمی کرنے والوں کے لیے بطور وعید نازل فرمائی۔

﴿ وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ۝ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَو وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ﴾ (مُطففین ۸۳: ۱۔۳)

ہلاکت و عذاب ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے۔ وہ لوگ

جو دُوسروں سے جب لیتے ہیں تو پورے پیمانے سے لیتے ہیں اور جب اپنی چیز دُوسروں کو دیتے ہیں تو ناپ تول میں کمی کرتے ہیں اور کم تولتے ہیں۔

نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے بیچنے والوں کو حکم دیا ہے کہ جب وہ کوئی چیز تول کر فروخت کریں تو سودے والا پلڑا جھکتا ہوا رکھیں۔

ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ میرے پاس ایک آدمی ملازم تھا جو میرے مالِ تجارت کا وزن کرتا تھا---- نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس سے فرمایا ---- وزن کرو اور جھکتا ہوا دو۔ (ابوداؤد، ابنِ ماجہ)

ایک حدیث میں اِرشاد ہوتا ہے کہ:

جو قوم زکوٰۃ کی صحیح ادائگی نہیں کرتی اللہ ربُّ العزت اس قوم پر قحط مُسلط کردیتے ہیں---- اور جو لوگ ناپ تول میں کمی کرتے ہیں اللہ ربُّ العزت اس قوم سے بارشیں روک لیتا ہے۔

(آج ہمارے معاشرے میں یہ دونوں خرابیاں موجود ہیں---- کچھ لوگ تو سرے سے زکوٰۃ ادا ہی نہیں کرتے اور جو لوگ ادا کرتے ہیں وہ اپنے مال، زیور اور مال تجارت کا پورا پورا حساب لگا کر ادا نہیں کرتے ---- پھر نتیجہ ہمارے سامنے ہے کہ ملک میں قحط سالی، مہنگائی ناقابلِ برداشت مہنگائی کا سامنا ہے اور بروقت بارشوں کے لیے لوگوں کی آنکھیں آسمان کی طرف لگی ہوئی ہیں مگر ایک بوند بھی زمین پر نہیں آتی۔)

تجارت عظیم پیشہ

تجارت تمام پیشوں میں عظیم پیشہ ہے---- جس کی قرآن وحدیث میں بڑی فضیلت آئی ہے---- اور تاجر بڑی عظمتوں کا حامل ہے۔ احادیث میں تاجر کی عظمتوں کے تذکرے ہوئے ہیں۔

جو تجارت صدق وامانت کے ساتھ ہو---- جس تجارت میں جھوٹ اور

خیانت کا عنصر شامل نہ ہو --- جو تجارت شریعت کے تقاضوں کے مطابق ہو ---
ایسی تجارت باعثِ رحمت بھی ہے اور ایسی تجارت کو فضلِ الٰہی کہا گیا ہے۔
سورۃ الجمعہ کے آخری رکوع میں اِرشاد ہُوا :
﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَیْعَ ﴾ (سورۃ جمعہ ۶۲ : ۹)

اے ایمان والو ! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو تم اللہ کے ذکر (نمازِ جمعہ) کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت کو چھوڑ دو۔
﴿ فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَ ابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ﴾
(سورۃ الجمعہ ۶۲ : ۱۰)

پھر جب جمعہ کی نماز پڑھ چکو تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل (تجارت کے ذریعہ روزی) تلاش کرو۔
یہاں اللہ ربُّ العزت نے بیع و شراء یعنی خرید و فروخت (تجارت) کو اپنی رحمت اور اپنا فضل قرار دیا۔
سورۃ البقرہ میں حج بیت اللہ کے بیان میں --- کہا کہ حج کے دنوں میں --- حج کے لیے آنے والوں کو خرید و فروخت (تجارت کرنے) کی اجازت ہے --- تو اس بات کو ان الفاظ میں ذکر فرمایا :
﴿ لَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾ (۲ : ۱۹۸)
تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم (حج کے موقع پر) اپنے رب کا فضل تلاش کرو۔
ایک موقع پر نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے پُوچھا گیا کہ سب سے افضل اور اعلیٰ کمائی کون سی ہے؟ --- آپؐ نے فرمایا : بَیْعٌ مَبْرُوْرٌ وَ عَمَلُ الرَّجُلِ بِیَدِهٖ ---- سب سے افضل کمائی وہ تجارت ہے جو شریعت کے مطابق ہو --- اور دوسری اعلیٰ کمائی آدمی کا اپنے ہاتھ سے محنت کرنا اور کام کرنا ہے۔

ایک موقع پر امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے دریافت کیا گیا:
اَیُّ الْکَسْبِ اَطْیَبُ ----- کون سی کمائی زیادہ پاکیزہ ہے --- آپؐ نے اس کے جواب میں بھی یہی فرمایا: عَمَلُ الرَّجُلِ بِیَدِہٖ وَ کُلُّ بَیْعٍ مَبْرُوْرٍ ----- سب سے زیادہ پاکیزہ کمائی انسان کا اپنے ہاتھ سے کام کرنا ----- اور وہ تجارت ہے جو شریعت کے مطابق ہو۔

تاجر عظیم انسان ہے

یہ فضیلتیں اور عظمتیں تو تجارت کے پیشہ کی ہیں۔ اب ذرا سچے عادل اور امانت دار تاجر کی فضیلت اور عظمت بھی سنیئے۔

نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اِرشاد فرمایا:

اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِیْنُ مَعَ النَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ۔

سچا تاجر (جو سودا بیچتے ہوئے ہمیشہ سچ بولے، جھوٹی قسمیں نہ کھائے) امانت دار تاجر (جو گاہک کو دھوکا نہ دے) وہ قیامت کے دن انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔

سامعین گرامی قدر! اگر تجارت کی فضیلت میں تاجر کی عظمت میں اور تاجر کے مقام و مرتبہ میں دوسری کوئی آیت یا کوئی حدیث نہ ہو تو صرف یہی حدیث کافی ہے ---- اس حدیث سے اور اس اِرشادِ نبویؐ سے اندازہ لگائیے کہ تجارت کتنا عظیم پیشہ ہے ---- اور تاجر کتنی عظمتوں کا مالک ہے --- کہ جس مرتبے اور جس درجے کی تمنا میں اور جس مقام کی آرزو میں برسہا برس لوگ مجاہدے اور ریاضتیں کرتے ہیں ----- جس مرتبے کی آرزو میں لوگ عبادتیں کرتے ہیں ---- پھر بھی یقین نہیں کہ وہ مرتبہ ملے گا یا نہیں ----- وہ درجہ اور وہ مرتبہ ایسے تاجر کو عطا ہو رہا ہے جو اپنی تجارت شریعت کے اصولوں کے مطابق کرے ---- ہمیشہ سچ بولے اور امانت و دیانت کو برقرار رکھے۔

ایک اور موقع پر امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ تَحْتَ ظِلِّ الْعَرْشِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔

سچا تاجر قیامت کے دن عرش کے سایہ کے نیچے ہوگا۔

ذرا اندازہ لگائیے ---- قیامت کا ہولناک دن، نفس و نفسی کا عالم، زمین آگ کی طرح تپی ہوئی، سورج بہت قریب، تپش و تمازت کی بنا پر اور گھبراہٹ کی وجہ سے انسان کے جسم سے نکلنے والا پسینہ پہلے ستر گز زمین میں جذب ہوگا ----- اور پھر اپنے اپنے اعمال کے حساب سے کسی کا پسینہ ٹخنوں تک، کسی کا گھٹنوں تک ---- کسی کا پیٹ تک ---- کسی کا ہنسلی تک ---- کسی کا منہ تک اور کوئی بد نصیب اپنے جسم سے نکلنے والے پسینے میں ڈوب جائے گا ---- پیاس سے زبانیں خشک ہوں گی اور کوئی سایہ نہیں ہوگا ---- اس ہولناکی کے وقت نیک اور سچا تاجر جو تجارت میں بد دیانتی نہیں کرتا ---- سودا بیچتے ہوئے جھوٹ نہیں بولتا، کم نہیں تولتا ---- ہمیشہ سچ بولتا ہے ----- ایسا خوش نصیب تاجر عرشِ الٰہی کے سایہ کے نیچے ہوگا۔

بد دیانت تاجر کی سزا

اب تک آپ نے جو کچھ سنا ----- یہ قرآن و حدیث کے وہ ارشادات تھے جن میں صحیح تجارت کے فضائل اور نیک تاجر کے درجات اور عظمتوں کا ذکر تھا ----- اب آئیے تصویر کا دوسرا رُخ بھی دیکھیں کہ جو تاجر شریعت کے احکامات کے مطابق تجارت نہیں کرتا ---- تجارت میں بد دیانتی و خیانت کا مرتکب ہوتا ہے، اُس کا کیا حال ہوگا؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ بَاعَ عَیْبًا لَمْ یُبَیِّنْہُ لَمْ یَزَلْ فِیْ غَضَبِ اللّٰہِ وَلَمْ تَزَلِ الْمَلَآئِکَۃُ تَلْعَنُہٗ (ابن ماجہ)

جس شخص نے عیب دار چیز فروخت کی اور اس کا عیب خریدنے والے پر ظاہر نہیں کیا وہ شخص ہمیشہ اللہ کے غضب میں رہے گا اور ہمیشہ فرشتے اس پر لعنت کرتے رہیں گے۔

ایک حدیث میں اِرشاد ہوا :

لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ جَسَدٌ غُذِیَ بِالْحَرَامِ۔ (طبرانی)

جو جسم حرام کی کمائی سے پلا ہو وہ جسم جنت میں نہیں جائے گا۔

بات دُور نکل گئی ...... مَیں عرض کر رہا تھا کہ سیدنا شعیب علیہ السلام کی قوم شرک کی منحوس بیماری کے ساتھ کم تولنے اور کم ناپنے کے مرض میں بھی مُبتلا تھی ... سیدنا شُعیب علیہ السلام نے انھیں غیر اللہ کی عبادت و پکار سے منع کرنے کے ساتھ کم تولنے اور کم ناپنے سے بھی منع فرمایا۔

قوم کا جواب

سیدنا شُعیب علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ کے جواب میں قوم کے مُتکبر سرداروں نے کہا :

﴿ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ﴾ (اعراف ۷ : ۸۸)

اے شُعیب ہم تجھے اور تیرے ساتھ ایمان لانے والوں کو اپنی بستی سے نکال دیں گے یا پھر تم سب کے سب ہمارے دین میں لوٹ آؤ۔

(ہمارے دین میں پلٹ آؤ ... اس سے مراد العیاذ باللہ یہ ہرگز نہیں ہے کہ حضرت شُعیبؑ نبوت کے دعویٰ کرنے سے پہلے اُن کے مشرکانہ دین کو مانتے تھے ... ہرگز نہیں۔

بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ سیدنا شُعیبؑ کی نبوت کے ملنے سے پہلے شرک کی تردید نہ کرنا اور خاموشی اختیار کیے رکھنا .... مشرکین اس خاموشی سے سمجھتے کہ وہ بھی ہمارے دین کے ماننے والے ہیں۔)

اہلِ حق کے ساتھ ہمیشہ یہی سلوک ہُوا

جو سلوک اور جس طرح کی دھمکی قومِ شعیب نے حضرت شُعیب علیہ السلام اور ان کے ماننے والوں کو دی ---- مشرکین نے اس طرح کی دھمکی ہمیشہ توحید بیان کرنے والوں کو دی ---- رئیس المفسرین مولانا حسین علی رحمۃ اللہ تعالٰی نے جب واں بھچراں میں قرآن و سنت کے دلائل سے توحیدِ الٰہی کو واضح انداز میں بیان فرمایا ---- اور شرک کی پر زور مذمت کی اور مشرکین کی دکھتی رگیں پکڑیں تو واں بھچراں کے سرداروں نے بھی مولانا حسین علیؒ کو واں بھچراں سے نکال دیا اور مولانا حسین علیؒ واں بھچراں سے تقریباً پانچ کلومیٹر دور موسیٰ خیل روڈ پر اپنی زمینوں پر چلے گئے اور وہاں جنگل میں قرآن کا منگل لگا دیا۔

حضرت شُعیبؑ نے فرمایا:

﴿ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴾ (۷ : ۸۸)

خواہ ہم تمھارے دِین کو ناپسند اور بُرا سمجھنے والے ہوں۔ (پھر بھی تمھارے دِین میں آجائیں۔)

قوم کا ایک اور جواب

سیدنا شُعیب علیہ السلام کی دعوت کے جواب میں قوم کے مغرور سردار کبھی یُوں کہتے تھے:

﴿ يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ﴾ (ہود ۱۱ : ۸۷)

اے شُعیبؑ کیا تیری نماز تجھ کو یہی سکھاتی ہے (حکم دیتی ہے) کہ ہم ان کی عبادت کرنا چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے تھے یا ہم اپنے مالوں میں اپنی مرضی کرنا چھوڑ دیں یقیناً تم بڑے بردبار اور راست باز ہو۔

قوم کے جواب سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ سیدنا شُعیبؑ کی

شریعت میں بھی نماز کا حکم موجود تھا اور حضرت شعیبؑ بھی نماز پڑھتے تھے۔ (نماز ہمارے دین کا بھی اولین رکن ہے ---- قیامت کے دن اعمال میں سب سے پہلی پُوچھ نماز کی ہوگی، یہ ایسا فرض ہے جو زمین پر نہیں بلکہ امام الانبیاء کو عرش پر بلا کر فرض کیا گیا---- نماز کو اسی لیے معراج المومنین کہا گیا۔)

دُوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ قوم شُعیب اللہ کی الوہیت کے مُنکر نہیں تھی، بلکہ ان کا اِعتراض یہ تھا کہ ہمارے معبُودوں کی عبادت سے کیوں روکا جا رہا ہے؟۔

قوم کا ایک اور جواب

سیدنا شُعیب علیہ السلام کی پُر اثر دعوت کے جواب میں قوم کے لوگوں نے کہا:

﴿ يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَ لَوْ لَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۫ وَ مَاۤ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴾ (ہود ۱۱ : ۹۱)

اے شُعیبؑ تیری اکثر باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔

(حضرت شُعیب علیہ السلام اپنی قوم سے ان کی مادری زبان میں گفتگو فرما رہے تھے --- مگر اس کے باوجود قوم کے لوگ کہہ رہے ہیں کہ تیری بہت سی باتیں ہماری سمجھ سے بالا تر ہیں ----- یہ انھوں نے اس لیے کہا کہ وہ حضرت شُعیبؑ سے سخت مُتنفر تھے، اس لیے وہ حضرت شُعیبؑ کی باتیں غور سے نہیں سُنتے تھے۔ اس وجہ سے وہ باتیں ان کی سمجھ میں نہیں آتی تھیں ----- یا مطلب یہ ہے کہ قوم کے بدبخت لوگ حضرت شُعیبؑ کی باتوں کو اہمیت نہیں دیتے تھے اور توہین و تحقیر کی نیت سے کہتے تھے کہ ہم آپ کی باتوں کو نہیں سمجھتے ---- یا اس کا مطلب یہ ہے کہ توحید کے بیان میں اور کم تولنے کی تردید میں جو دلائل آپ دیتے ہیں وہ ناکافی ہیں ہم ان سے مطمئن نہیں ہیں۔)

﴿ وَ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ﴾ (ہود ۱۱ : ۹۱)

اور بلاشک وشبہ ہم سمجھتے ہیں کہ تم ہم میں کمزور آدمی ہو..... اے شُعیب ہمیں تیرے قبیلے، کنبے اور برادری کا بڑا لحاظ ہے.... اگر تُمھارے قبیلے کا لحاظ نہ ہوتا تو ہم تجھے سنگسار کردیتے۔

سیدنا شُعیب علیہ السلام نے قوم کے جواب میں فرمایا:

﴿ اَرَھْطِیْٓ اَعَزُّ عَلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ﴾ (۱۱ : ۹۲)

افسوس ہے تم پر اللہ ربُّ العزت کا لحاظ نہیں کرتے ہو اور میرے قبیلے کا لحاظ کرتے ہو) کیا تُمھارے نزدیک میرا قبیلہ اللّٰہ سے زیادہ طاقت ور ہے .... حالانکہ میرا رب وہ ہے جس نے تُمھارے تمام اعمال کا احاطہ کیا ہوا ہے۔

باطل کی شناخت

برادرانِ اسلام! آپ نے سنا کہ سیدنا شُعیب علیہ السلام کی پیار بھری تبلیغ اور نجات بخش دعوت اور توحید کے خُوبصُورت دلائل کے جواب میں..... قوم کے لوگوں نے کِتنا زہر بھرا جواب دیا.... کس طرح وطن سے نکالنے کی دھمکیاں دیں.... کس رعونت سے سنگسار کرنے کے ڈراوے دیے۔

باطل اور جھوٹ کی ایک بڑی شناخت اور نشانی یہ ہے کہ نہ اس کے پاس اپنے دعویٰ کے لیے دلائل کی روشنی ہوتی ہے .... نہ اخلاق کی دولت .... نہ بات کرنے کی تمیز.... نہ گفتگو کرنے کا سلیقہ..... اور پھر ستم بالائے ستم یہ کہ وہ بھاری اور واضح اور روشن دلائل کو برداشت بھی نہیں کرسکتا ..... بلکہ اس کے سامنے جب حق کی روشنی اور صداقت کا نُور پُہنچتا ہے تو وہ مُنہ پھیرلیتا اور آنکھیں بند کرلیتا ہے.... وہ دلائل کا جواب غُصّے سے دیتا.... بعض اوقات گالیاں بکنے سے بھی گریز نہیں کرتا..... قتل کی دھمکیاں دیتا ہے ..... اور بعض اوقات قتل کرنے پر بھی آمادہ ہوجاتا ہے۔

سارے واقعہ کا انجام

آخر وہی ہوا جو قانونِ الٰہی ہے -----
اور اللہ کا ابدی اور لازوال فیصلہ ہے
--- کہ براہن و دلائل کی روشنی آجانے کے بعد حق کی سچائی ظاہر ہوجانے کے بعد
--- حق واضح ہوجانے کے بعد جب باطل ضد اور عناد پر اڑجائے --- جھوٹ پر اصرار کرنے لگے --- حق و صداقت کا مذاق اڑانے لگے --- صادق و صالح افراد کا مُنھ چڑانے لگے --- صراطِ مستقیم میں روڑے اٹکانے لگے --- صداقت کے راستے میں کانٹے بچھانے لگے --- اہلِ حق کو نیست و نابود کرنے کے مشورے کرنے لگے ---- دیدہ دانستہ حق سے اِعراض کرنے لگے تو پھر غضبِ الٰہی باطل کو نیست و نابود کردیتا ہے ---- عذابِ الٰہی کا اِس طرح نزول ہوتا ہے کہ آنے والی قوموں کے لیے اِس عذاب کو عبرت اور نصیحت بنادیا جاتا ہے۔

قومِ شُعیبؑ عذاب کی زد میں

حضرت شُعیب علیہ السلام کی قوم نے جب ضد و عناد اور بغض و عداوت کی انتہاء کردی --- ہر طرح سے وقت کے پیغمبر کو جھٹلایا اور ستایا ---- انھیں دھمکایا اور ڈرایا ---- طعنے دیے --- طنز کے نشتر چلائے ---- مذاق اڑایا ---- ضد و انکار پر ڈٹے رہے ---- تو اللہ رَبُّ العزت کا وہ قانون حرکت میں آیا اور عذاب نے قومِ شُعیب کو ہر طرف سے گھیرلیا۔

﴿ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴾ (الاعراف ۷ : ۹۱)

پھر ان کو ایک ہولناک آواز (زلزلہ) نے پکڑ لیا۔ پھر صبح کو وہ اپنے گھروں میں اوندھے مُنھ مرے پڑے تھے۔

سورۃ الشعراء میں فرمایا:

﴿ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴾
(سورۃ الشعراء ۲۶ : ۱۸۹)

پس انھوں نے حضرت شُعیب علیہ السّلام کی تکذیب کی، پھر انھیں بادل والے عذاب نے (جس میں آگ تھی) آپکڑا۔ بلا شبہ وہ بڑے ہولناک دن کا عذاب تھا۔

مطلب یہ ہے کہ قومِ شُعیب پر عذاب کی صُورت یُوں بنی کہ پہلے زلزلہ آیا۔۔۔ اور پھر آگ کی بارش نے اس قوم کو تہس نہس کر کے رکھ دیا۔

مُفسّرینؒ نے لِکھا ہے کہ آگ کی بارش سے پہلے سخت گرمی نے انھیں گھیرے رکھا۔۔۔ گرمی اور حبس سے گھبرائے۔۔۔۔ دھوپ اتنی تیز کہ اللہ کی پناہ۔۔۔۔ لُو اتنی کہ کسی پل چین نہ آئے۔۔۔۔ زمین تپ کر تانبا بن جاتی۔۔۔۔ پھر ایک روز بادل آسمان پر نمودار ہوا۔۔۔۔ ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگیں۔۔۔۔ گرمی اور تپش کے مارے ہوئے لوگ بھاگے بھاگے بادل کے نیچے جمع ہونے لگے۔۔۔۔ کہ اللہ نے اسی بادل سے آگ کی بارش برسادی اور پھر قوم کے لوگوں کو اس طرح راکھ کا ڈھیر بنا دیا گویا وہ کبھی یہاں بسے ہی نہیں تھے۔

سیدنا شُعیب علیہ السّلام نے حسرت و افسوس کے لہجہ میں کہا:

﴿ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَ نَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَیْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِیْنَ ﴾ (سورۃ الاعراف ۷ : ۹۳)

اے میری قوم مَیں نے تمھیں اپنے رب کے پیغام پُہنچا دیے تھے اور مَیں نے تُمھاری خیر خواہی کی تھی (تھیں نصیحت کرتا رہا۔۔۔ سمجھاتا رہا اور ڈراتا رہا) تو اب میں کافروں (کے عذاب) پر افسوس کیونکر کروں۔۔۔۔

یا افسوس کیوں کروں۔۔۔۔ نافرمانوں اور حق و صداقت کے دشمنوں اور توحید کے مخالفین کا یہی انجام ہونا چاہیے تھا۔

وما علینا الا البلاغ المبین

سیّدنا ایّوب علیہ السّلام

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّیْ وَ نُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْاَمِیْنِ وَ عَلٰٓی اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿ وَ اَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗٓ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَکَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّ اٰتَیْنٰهُ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ ذِکْرٰی لِلْعٰبِدِیْنَ ﴾ (سورۃ الانبیاء ۲۱ : ۸۳-۸۴)

اور ایوبؑ کو یاد کیجیے جب اُس نے اپنے پروردگار کو پکارا تھا کہ میں دکھ میں مُبتلا ہو گیا ہُوں، اور مولا تُجھ سے بڑھ کر رحم کرنے والا کوئی نہیں پھر ہم نے اُس کی پکار سُن لی اور جس دکھ میں وہ مُبتلا تھا اُسے دُور کر دیا اور ہم نے اُن کو اپنی رحمت سے (پہلے سے) دُگنے اہل و عیال عطا فرمائے اور یہ عبادت کرنے والوں کے لیے نصیحت ہے۔

(صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ)

سامعینِ گرامی قدر! سورۃ الانبیاء کی جو دو آیتیں میں نے خطبے میں تلاوت کی ہیں یہ اللہ ربُّ العزت کی آخری کتابِ مقدس کا وہ حصہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے ایک برگزیدہ پیغمبر سیدنا ایوب علیہ السّلام کا تذکرہ ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں چار جگہوں پر اپنے شاکر و صابر پیغمبر

حضرت ایوب علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا ہے۔

سورۃ نساء اور انعام میں صرف اُن کا اسمِ گرامی ذکر فرمایا۔

سورۃ نساء کی آیت ۱۶۳ میں فرمایا:

﴿ وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَارُونَ وَسُلَيْمَانَ ﴾ (نساء ۴: ۱۶۳)

اور سورۃ الانعام کی آیت ۸۴ میں فرمایا:

﴿ وَمِن ذُرِّيَّتِهِ دَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَىٰ وَهَارُونَ ﴾

(انعام ۶: ۸۴)

دُوسرے دو مقامات (سورۃ الانبیاء اور سورۃ صاد) پر قدرے وضاحت اور کچھ تفصیل کے ساتھ ان کا تذکرہ فرمایا۔

سیدنا ایوب علیہ السلام کے بارے میں قرآن و حدیث میں کہیں بھی یہ ذکر نہیں ہُوا کہ وہ کن لوگوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجے گئے ----- انھوں نے کس طرح اور کس انداز میں قوم کے سامنے اللہ کا پیغام رکھا ---- کن الفاظ کے ساتھ دعوت دی ---- قوم نے جواب میں اُن سے کیسا سلوک کیا ---- اور پھر آخرِ کار نتیجہ کیا نکلا؟۔

ہاں قرآن سورۃ الانبیاء میں اور سورۃ ص میں ---- تذکرہ کرتا ہے ان کا ایک بیماری اور دکھ اور تکلیف میں مُبتلا ہوجانا ----- پھر انتہائی زاری اور عاجزی سے اپنے اللہ کو مدد کے لیے اور دکھ سے نجات کے لیے پکارنا ---- اللہ تعالیٰ کا دعا قبول فرما کر دکھ اور مُصیبت سے نجات عطا فرمانا ---- چھینی گئی نعمتیں پھر بخش دینا ---- اور بیوی کی کسی ناگوار بات پر ناراض ہو کر سو درے مارنے کی قسم اٹھا لینا اور پھر اس قسم کو پورا کرنے کا طریقہ ----

حافظ ابنِ کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ سیدنا ایوب علیہ السلام کا نسب چوتھی لڑی میں حضرت اسحاق علیہ السلام سے جا کر مل جاتا ہے (یعنی ان کے چوتھے دادا

اِسحاق علیہ السلام ہیں۔)

کچھ علماء کرام نے تحریر فرمایا کہ اُن کی زوجۂ محترمہ کا نام رحمت تھا اور وہ سیدنا یُوسف علیہ السلام کی پوتی تھیں۔

سیدنا ایوبؑ پر دونوں طرح کی نعمتیں

سیدنا ایوب علیہ السلام پر ایک عظیم نعمت یہ ہوئی کہ اللہ ربّ العزت نے انھیں نبوت و رسالت کے ساتھ دنیوی مال و متاع، دنیوی نعمتیں اور دولتِ دنیا سے بھی مالا مال ہوئے۔

دنیوی طور پر ہر قسم کا مال و متاع انھیں عطا ہوا ---- دولت و ثروت بھی، سونا و چاندی بھی ---- اہل و عیال بھی، زمینیں بھی، باغات بھی، بھیڑوں کے ریوڑ بھی، اونٹوں کے گلے بھی، نوکر چاکر بھی، بنگلے اور مکان بھی۔

کچھ مفسّرین نے تو یہاں تک لِکھا کہ ہزاروں کی تعداد میں بھیڑ بکریاں تھیں، اونٹ اور گھوڑے بھی ہزاروں کی تعداد میں تھے ---- زمینیں اتنی تھیں کہ کھیتی باڑی کے لیے ہل چلانے کے لیے بیلوں کی پانچ سو جوڑیاں تھیں اور ہر جوڑی کے ساتھ ایک نوکر اور ملازم تھا ---- اس کا مطلب یہ ہوا کہ پانچ سو نوکر تھے ----- رہنے کے لیے عالی شان محل اور مکان ---- وفاشعار بیوی اور سات لڑکے اور سات ہی لڑکیاں ----- غرضیکہ دنیوی وقار ---- اور عزت و وجاہت ---- شان و شوکت، جاہ و جلال ----- دنیا کا اور آرام کا تمام تر سامان اور مال اللہ نے عطا فرمایا تھا۔

سیدنا ایوب علیہ السلام اتنی دولت و ثروت کے با وجود ----- اتنے مال و متاع کے باوجود ---- اتنے مال و اسباب کے باوجود ---- اتنے نوکروں اور غلاموں کے باوجود ---- فخر و غرور اور تکبّر سے مبرا تھے اور اللہ کے اس عظیم انعام و احسان پر وہ ہمیشہ اللہ کے آگے شاکر رہے ---- وہ ہر وقت

اللہ کی نعمتوں پر اللہ کا شکر ادا کرتے رہتے تھے۔

کیا دُنیا کا مال بُرا ہے؟

دُنیا کی دَولت، اور دُنیا کا مال اور ساز و سامان فی نفسہٖ بُرا نہیں ہے ---- بلکہ دِین کی دَولت کے ساتھ اگر اللہ کسی کو دُنیا کی دَولت بھی عطا فرمادے تو یہ اُس کا فضل و کرم اور خُصُوصی رحمت ہے۔

امام الانبیاء سیدنا محمد رسُول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ

اچھا اور نیک مال اللہ نیک اور صالح بندے کو عطا فرماتے ہیں۔

آپؐ کے اس اِرشادِ گرامی سے اتنی بات تو واضح ہوگئی کہ دنیا کا ہر مال برا اور معیوب نہیں ہے ---- بلکہ دِین دار شخص کو مال اور دولتِ دنیا عطا ہو تو وہ مال اچھا اور اس کے لیے بہتر ہوتا ہے۔

ہاں اگر کوئی شخص دولتِ دنیا اور دنیا کے مال کو ناجائز طریقوں سے کماتا ہے ---- رشوت کے ذریعہ ---- سود کے ذریعہ ---- کم تول کر یا کم ماپ کر ---- گاہک کو دھوکا دے کر کماتا ہے ---- جھوٹی قسمیں اٹھا کر سودا بیچتا ہے ---- اپنی زمین کو ناجائز طریقے سے سیراب کرتا ہے ---- تو اس طرح کی جمع کی ہوئی دولت اور مال برا بھی ہے اور بندے کے لیے وبالِ جان بھی ہے۔

اور اسی طرح اگر کوئی شخص مال اور دولت کماتا تو جائز اور صحیح طریقوں سے ہے ---- مگر اپنے مال میں سے اللہ کے حقوق پورے نہیں کرتا ---- مال کی زکوٰۃ نہیں دیتا ---- زمین کی پیداوار سے عشر نہیں نکالتا ---- غریبوں ---- مِسکینوں پر خرچ نہیں کرتا ---- اپنے غریب اور مُستحق رشتے داروں کا لحاظ نہیں رکھتا ---- یا اپنے مال کو خلافِ شریعت کاموں میں خرچ کرتا ہے ---- اسراف اور فضول خرچی کرتا ہے ---- مال پر اتراتا اور تکبّر کرتا ہے اور غریبوں، مِسکینوں پر

ظلم کرتا ہے ---- تو پھر ایسا مال بُرا بھی ہے ---- اور لائقِ لعنت بھی اور قابلِ ملامت بھی ---- ایسا مال اس شخص کے لیے وبال بھی ہے اور موجبِ عذاب بھی ہے۔

خوب غور سے سنو! اگر کوئی شخص دولتِ دنیا جائز طریقوں سے کماتا ہے ---- اور پھر اپنے مال سے اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق بھی پورے کرتا ہے ---- اپنے کمائی کو خلافِ شریعت کاموں میں بھی خرچ نہیں کرتا ---- فضول خرچیاں اور اسراف بھی نہیں کرتا ---- یہ مال اور یہ دولت اس شخص کے لیے غرور اور تکبر کا باعث بھی نہیں بنتا ---- مال اور دولت کے بل بوتے پر برائیوں کی طرف مائل بھی نہیں ہوتا ---- تو پھر اس طرح کا مال اور دولت انسان کے لیے نعمت بھی ہے، اللہ کا فضل بھی ہے ---- اس کا کرم بھی ہے ---- اور ایسا مال باعثِ رحمت بھی ہے۔

سیدنا ایوبؑ آزمائش میں

سیدنا ایوب علیہ السلام اتنے مال و دولت کے ہوتے ہوئے اور اتنی خوش و خرم زندگی گزارتے ہوئے ---- اور طرح طرح کی نعمتوں سے لُطف اندوز ہونے کے باوجود اپنے پروردگار کی عبادت و پکار میں مگن رہتے ---- ایک لمحہ اور ایک لحظہ کے لیے بھی اللہ کے ذکر سے غافل نہ ہوتے ---- اور اس کے ساتھ ساتھ مخلوقِ الٰہی کی خدمت و خیر خواہی میں ہمیشہ سرگرم رہے۔

پھر بے نیاز اللہ نے انھیں امتحان و آزمائش کی بھٹیوں میں ڈال دیا ---- وہ بے نیاز ہے، اس کی بے نیازی سے ڈرنا چاہیے ---- وہ دنیا کی نعمتیں دیتا بھی ہے اور کبھی کبھی عطا کر کے چھین بھی لیتا ہے۔

سیدنا ایوب علیہ السلام پر بھی آزمائش آ گئی اور عطا کردہ نعمتیں ان سے واپس لے لی گئیں ---- زمینیں بنجر ہو گئیں، باغات اجڑ گئے، مکان گر گئے،

مویشی ہلاک ہو گئے، نوکر چاکر جاتے رہے اور سات بیٹے اور سات بیٹیاں بھی اکٹھے مَوت کی وادی میں چلے گئے ---- پھر آزمائشوں اور مصائب کے یہ زخم ایک ایک کر کے نہیں لگے کہ ایک زخم لگنے کے بعد سنبھلنے اور مرہم لگانے کی مُہلت مل ہو ---- بلکہ یہ سب زخم اور یہ ساری مُصیبتیں اور یہ سارے دُکھ اور یہ سارے غم یکے بعد دیگرے مسلسل ہی لگتے چلے گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے دُنیا کُچھ سے کُچھ ہوگئی ---- سکھ کی جگہ دُکھ نے لے لی ---- راحت کا خانہ غم سے بھر گیا ---- خُوشحالی کا دَور بدحالی میں بدل گیا۔

مگر سیدنا ایوب علیہ السلام عزم و عزیمت کے کیسے پہاڑ ثابت ہُوئے ---- صبر و استقلال کا بحرِ بے کنار بن گئے کہ اِس حالت میں بھی اُن کی زبان صبر و شکر کے ترانے گاتی رہی ---- وہ نعمت میں شاکر رہے اور مُصیبت میں صابر رہے۔

اس طرح صابر ---- کہ اِمتحان لینے والے کو کہنا پڑا

﴿اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ﴾ (سورۃ ص ۳۸ : ۴۴)

بلا شبہ ہم نے ایوبؑ کو صابر پایا، وہ بہترین بندہ تھا، اللّٰہ کی طرف رُجُوع کرنے والا تھا۔

سیدنا ایوبؑ کا صبر و شکر

یہ تمام نعمتیں جب سیدنا ایوب علیہ السلام سے واپس لے لی گئیں تو انھوں نے یہ کہہ کر شیطان کی کمر توڑ دی کہ میں وہی ہوں جو ماں کے پیٹ سے برہنہ پیدا ہوا تھا اور اسی طرح برہنہ دنیا سے جاؤں گا ---- اللّٰہ تعالیٰ نے یہ سب کُچھ مُجھے عطا فرمایا تھا اور اب اسی نے ہر چیز واپس لے لی ہے ---- تمام تر صفتیں اسی کے لیے ہیں اور ہر قسم کی پاکیزگیاں اسی کو سجتی ہیں۔

جب تمام اولاد کے اکٹھے مرنے کی خبر انھیں پُہنچائی گئی تو کہا ----

مولا میرا ایک دل ہے، اس میں تیری محبت بھی تھی اور دل کے کسی کونے کھدرے میں بشری تقاضوں کے مطابق اولاد کی محبت بھی تھی ---- اب اولاد کے مرنے کے بعد میرا دل ہر کسی کی محبت سے خالی ہو گیا ہے اب دل میرا ہے اور اس میں ڈیرا صرف تیرا ہے۔ ؎

ہر تمنا دِل سے رُخصت ہوگئی
اب تو آجا، اب تو خلوت ہوگئی

مال، اولاد، باغات، مویشی اور نوکر چاکر سب ختم ہو گئے ---- مگر سیدنا ایوب علیہ السلام ہر دُکھ اور مُصیبت پر صابر و شاکر رہے ---- تو اللہ نے آزمائش کی آخری وادی سے انھیں گزارا کہ جسمانی بیماری اور بدنی دُکھ میں مُبتلا ہوئے ---- جِسم کا گوشت ختم ہو گیا اور وہ ہڈیوں کا ڈھانچا ہو کر رہ گئے ---- بیماری نے طول پکڑا اور اٹھارہ سال پر مُحیط ہوگئی ---- پیغامِ الٰہی سنانے پر اور دعوتِ توحید دینے پر شہر میں مخالفت تو پہلے ہی زوروں پر تھی ---- مخالفت کا ایک طوفان اٹھا ہوا تھا ---- اس موقع پر لوگوں نے انھیں شہر سے نکال دیا ---- ان کی وفا شعار بیوی "رحمت" انھیں اٹھا کر شہر سے دور ایک ویرانے میں لے آئی ---- خدمت کرنے والی اولاد اللہ نے پہلے فوت کردی تھی ---- بیماری پر خرچ ہونے والا مال اللہ نے پہلے ہی برباد کردیا تھا ---- اب تو ایک بیمار پیغمبر ہے اور ایک صنفِ نازک اس کی بیوی ہے جو خاوند کی خدمت میں لگی ہوئی ہے۔

سیدنا ایوبؑ پر آزمائش کیوں؟

سیدنا ایوب علیہ السلام پر آنے والی مُصیبتوں، دُکھوں، تکالیف اور رنج و الم سے یہ حقیقت اور یہ بات واضح ہوگئی اور ثابت ہوگئی کہ اللہ کے بندوں میں سے جس بندے کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ جس قدر قرب، نزدیکی اور تعلق ہوتا ہے اسی نِسبت سے وہ بندہ آزمایا جاتا ہے اور مصائب و تکالیف کی بھٹی میں

تپایا جاتا ہے۔۔۔ اور جب وہ بندہ ان مصائب میں اور ان پریشانیوں میں صبر سے کام لیتا ہے اور استقامت دکھاتا ہے اور شکر کا جذبہ اپناتا ہے تو پھر وہی مصائب اس بندے کے درجات کی رفعت و بلندی اور عظمتوں کا ذریعہ اور سبب بن جاتے ہیں۔

اسی حقیقت ---- اور اسی مضمون کو امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان خوبصورت الفاظ میں بیان فرمایا جنھیں حضرت سعد بن وقاص رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ نے نقل فرمایا۔

آشَدُّ النَّاسِ بَلَاءِ الْاَنْبِیَآءِ ثُمَّ الصَّالِحُوْنَ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ۔ (ترمذی، مسند احمد جلد ا صفحہ ۱۷۲)

لوگوں میں سب سے زیادہ مصائب میں انبیاء کرام ؑ مُبتلا ہوتے ہیں، پھر صالحین پھر (حسبِ مراتب) جو ان کے قریب ہوا اور جو ان کے قریب ہوا۔

آگے فرمایا: ------ انسان اپنی دین داری کے اعتبار سے مصائب میں مُبتلا ہوتا ہے اگر انسان اپنے دین میں پختہ ہو تو اس پر مصائب بھی سخت آتے ہیں۔

نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ایک اور اِرشادِ گرامی اس سلسلہ میں سماعت فرمائیے۔۔۔ اس اِرشاد کو ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰہُ عنہا روایت کرتی ہیں۔

مُسلمان کو ایک کانٹا چبھے یا اس سے زیادہ کوئی تکلیف ہو۔۔۔ اللّٰہ تعالیٰ اس تکلیف کی وجہ سے اس بندے کا ایک گناہ مٹا دیتے ہیں اور اس کا ایک درجہ بلند کر دیتے ہیں۔ (بخاری، مُسلم، مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۴۲، ترمذی)

بیماری کون سی تھی؟

سیدنا ایوب علیہ السّلام جسمانی بیماری میں مُبتلا ضرور ہُوئے ---- قرآن نے اسے اِشارۃً ذکر بھی کیا مگر بیماری کی نوعیت سے قرآن بھی خاموش ہے اور حدیث بھی خاموش ہے --- نہ قرآن نے بتایا کہ بیماری کیا تھی ----

نہ نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے بیماری کی تفصیل بیان فرمائی ---- نہ اصحابِ رسولؐ نے بیماری کی نوعیت کے بارے لب کشائی کی ---- حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالٰی اور ابنِ عساکر نے بنی اِسرائیل کے علماء سے نقل کیا ہے اور ان دونوں کی دیکھا دیکھی بعد کے مفسّرین نے اپنی اپنی تفسیروں میں ذکر کر دیا کہ سیدنا ایوبؑ کے جسم میں کیڑے پڑ گئے تھے اور انھوں نے حضرت ایوبؑ کے بدن کو کھانا شروع کر دیا تھا۔

مگر ہمارے نزدیک یہ بات صحیح نہیں ---- ایک تو اس وجہ سے کہ قرآن و حدیث اور اصحابِ رسولؐ نے بیماری کی وضاحت نہیں کی، لہٰذا ہمیں بیماری کی نوعیت اور حقیقت کی جُستجو کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اور دوسرے اس بنا پر کہ اللّٰہ تعالٰی انبیاء کرام علیہم السّلام کو (جو اللّٰہ تعالٰی کے چنے ہوئے پیارے ہوتے ہیں) ایسے حال میں مُبتلا نہیں کرتا جس سے لوگوں کو نفرت ہو اور دیکھ کر گھن آئے۔

اللّٰہ تعالٰی انبیاء کرام علیہم السّلام کے مُتعلّق فرماتے ہیں:

﴿اِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ﴾ (۸ : ۴۷)

بے شک وہ ہمارے پسندیدہ اور نیک لوگ ہیں۔

اور تیسری دلیل یہ ہے کہ میرا اور میری جماعت جمعیّت اشاعت التوحید والسُّنّت کا مسلک یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السّلام کے اجسام وفات کے بعد بھی ان کی قبور میں محفوظ ہوتے ہیں ---- انھیں وفات کے بعد بھی کیڑے نہیں کھا سکتے ---- تو پھر حضرت ایوب علیہ السّلام کو زندگی میں کیڑے کیسے کھا سکتے ہیں؟

اصل حقیقت کیا ہے؟

صحیح ابنِ حبان نے اور مسند ابویعلیٰ نے اور مُستدرک حاکم نے حضرت انس بن مالک رضی اللّٰہ عنہٗ سے نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا یہ اِرشادِ گرامی نقل کیا ہے کہ

حضرت ایوب علیہ السلام اپنی بیماری میں اٹھارہ سال مُبتلا رہے ---- رشتے دار اور دوسرے لوگ ان سے دور ہوگئے ---- ان کی بیوی ان کی خدمت کرتی رہتی تھی۔ تفسیر روح المعانی نے ﴿ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّ عَذَابٍ ﴾ (۳۸ : ۴۱) (مجھے شیطان نے مُصیبت اور تکلیف میں مُبتلا کر دیا ہے۔)

اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ایک دن سیدنا ایوب علیہ السلام کی بیوی کسی کام سے جا رہی تھی کہ راستے میں اس نے ایک طبیب کو دیکھا جو درحقیقت شیطان تھا اور سیدنا ایوب علیہ السلام کے ایمان پر وار کرنے کی کوشش میں تھا ---- وہ انسانی صورت میں طبیب اور حکیم بن کر بیٹھا تھا ---- یہ اس کے قریب ہوئی اور اپنے خاوند کی طویل بیماری کا تذکرہ کیا اور علاج کی درخواست کی۔

شیطان نے کہا ایک شرط پر علاج کروں گا کہ جب تُمھارا خاوند تندرست ہوجائے تو غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کرو گی۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی چونکہ طویل بیماری سے انتہائی پریشان اور غمزدہ تھی اور صَاحِبُ الْغَرَضِ مَجْنُوْنٌ ---- اس لیے ان کے دل میں شیطان کے قول کی طرف اور شیطان کی اس بات کی طرف معمُولی میلان اور جھکاؤ ہو گیا۔

بیوی نے ساری بات حضرت ایوبؑ کے سامنے ذکر کی ---- تو وہ اسی وقت سمجھ گئے کہ وہ شیطان تھا اور میرے ایمان پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے۔

حضرت ایوبؑ نے بیوی کا قدرے رجحان طبیب (شیطان) کی طرف محسُوس کیا تو اللہ کے نام کی قسم کھا کر فرمایا کہ اگر اللہ نے مجھے صحت عطا فرمائی تو تجھے اس ادنیٰ رجحان اور معمُولی میلان کی سزا کے طور پر ایک سو چھڑی ماروں گا۔

حضرت ایوبؑ نے فرمایا ---- میری بدنی طاقت تو بیماری نے ختم کردی ہے اب تو میری ایمانی قُوّت بھی ختم کرنا چاہتی ہے؟۔

بیوی نے کہا: پھر اپنے مولا و مالک کے سامنے شفا کی درخواست پیش کیجیے نا؟

اس سے پہلے حضرت ایوبؑ شفا کی درخواست اس لیے نہیں کرتے تھے کہ کہیں بے صبری اور ناشکری کے زمرے میں نہ آجائے ---- اور اللہ میری درخواست اور دعا کے جواب میں فرمائیں ---- میرے پیارے پیغمبر! ابھی تم نے اتنے دُکھ تو نہیں دیکھے جتنے سکھ دیکھ چکے ہو ---- مگر آج تو حد ہوگئی کہ شیطان نے آخری جال بچھا دیا --- آج صابر و شاکر پیغمبر نے بڑے عجیب اور احسن انداز میں ---- بڑی عاجزی اور انکساری سے دعا کی:

﴿ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴾ (۲۱ : ۸۳)

مولا! مجھے دُکھ اور تکلیف پہنچی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔

سیدنا ایوبؑ کی دعا کی بلاغت اور حسن کو ذرا دیکھیے ---- کہ انھوں نے اپنے دُکھ، درد، تکلیف کا حوالہ تو دیا مگر حرفِ مدعا زبان پر نہیں لائے، بلکہ اسے اللہ کی رحمت کے سپرد کردیا۔

مولا! میں نے اپنا دُکھ تیرے آگے پیش کردیا ہے اور معاملہ تیری رحمت پر چھوڑ دیا ہے ---- تو جو کچھ کرے گا، اپنی شانِ رحیمی اور اپنی رحمت کے تقاضوں کے مطابق کرے گا ---- یہی وہ مقام ہے جس کو مقامِ رضا کہتے ہیں، جو اس عظیم مقام کو پالیتا ہے اسی کو کہا جاتا ہے ----

﴿ اِرْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ﴾ (فجر۹۸ : ۲۸)

سیدنا ایوبؑ کی دُعا --- سبق آموز دُعا

سیدنا ایوب علیہ السلام نے دُعا مانگتے ہُوئے کتنا پیارا اور تسلیم و رضا سے بھرپور جملہ ادا کیا۔

اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ ----- میں دُکھ میں مُبتلا ہو گیا ہوں --- یوں نہیں فرمایا کہ مولا تونے مجھے دُکھ میں ڈال دیا ہے --- حالانکہ حقیقت میں دیکھا جائے تو دُکھ اور سُکھ، راحت اور مُصیبت --- خوشی اور غمی سب اللہ ہی کی طرف سے مقدر ہوتا ہے --- مگر سیدنا ایوب علیہ السلام نے ادب و احترام اور تسلیم و رضا کے تقاضوں کو ملحوظ رکھا اور دُکھ اور مُصیبت کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی۔

ہم دُوسرے انبیاء علیہم السلام کو دیکھتے ہیں تو یہ حدِ ادب اُن میں بھی بدرجۂ اتم موجُود پاتے ہیں --- ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام نے دُعا کرتے ہُوئے کہا:

﴿ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا سکتۃ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾ (۷ : ۲۳)

اے ہمارے پالنہار! ہم نے اپنی جانوں پر خود زیادتی کی، اگر تو ہمیں معاف نہیں کرے گا اور ہم پر رحم نہیں فرمائے گا تو ہم خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہوجائیں گے۔

اسی طرح جد الانبیاء سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے کہا:

﴿ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ﴾ (شعراء ۲۶ : ۸۰)

جب میں بیمار پڑتا ہوں تو اللہ تعالیٰ مجھے شفا عطا فرماتا ہے (یعنی بیماری میں مُبتلا ہونا میری حالت ہوئی اور شفا عطا فرمانا اللہ تعالیٰ کا کام ہوا۔)

اسی طرح حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نے مچھلی کے سمندر میں چلے جانے اور پھر سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو باخبر نہ کرنے کی بات کو شیطان کی طرف منسوب کیا۔

سورت صاد میں اللہ ربُّ العزت نے سیدنا ایوب علیہ السلام کی دعا کو اس طرح ذکر فرمایا:

﴿ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ﴾ (۳۸ : ۴۱)
مولا! شیطان نے مجھے سخت دُکھ اور تکلیف میں مُبتلا کردیا ہے۔

سیدنا ایوب علیہ السلام کی دعا میں --- اَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّ عَذَابٍ ---- کے جُملوں میں اُن پر آنے والے مصائب، دُکھ، رنج و غم، پریشانیاں ---- گویا کہ مُصیبت کے دَور اور زمانے کی ساری داستان آ گئی۔

اور پھر اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ---- مولا! تو تمام پیار کرنے والوں سے زیادہ پیار کرنے والا ہے ------ ذرا اِس جُملے پر غور کیجیے ---- اس میں اللہ کی حمد و ثنا بھی ہوگئی اور صبر و شکر کا دامن بھی نہیں چھوٹا ----- طلب اور مانگنے کا ہاتھ بھی دراز ہوگیا ---- اور عجز و نیاز اور انکساری، بندگی و خُضُوع کی بھی حد ہوگئی۔

مولا! مَیں دُکھی ہوں --- کتنے برسوں سے دُکھی ہُوں ---- سب پیار کرنے والے چھوٹ گئے ---- مولا! تُجھ سے بڑھ کر کون ہے جو پیار کرنے والا ہے ---- طُوْبٰی لِعَبْدٍ تَكُوْنُ مَوْلَاهُ ----- خُوش بخت ہے وہ بندہ جس کا دوست تُو ہے۔

دعا کا جواب

سیدنا ایوب علیہ السلام جب اِس آخری آزمائش میں بھی سَو فیصد پُورے اُترے اور اِس اِمتحان میں بھی پُوری طرح کامیاب ہوگئے ------ تو رحمتِ باری تعالیٰ جوش میں آ گئی ------ جواب آیا:

﴿ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ ﴾ (۲۱ : ۸۴)
ہم نے ان کی دعا قبول فرمائی اور جو بیماری و تکلیف انھیں لگی تھی اسے دور کردیا۔

سورۂ ص میں ان کی دعا کی قبولیت کو اس طرح بیان فرمایا:

﴿ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴾ (سورۃ ص ۳۸ : ۴۲)

ہم نے ایوبؑ کی التجا سُن کر فرمایا ---- میرے ایوب اپنا پاؤں (زمین پر) مارو ---- ہم ایک ٹھنڈا چشمہ جاری کر دیں گے اس کا پانی پی لیجیے، اندر کی بیماریاں ختم ہو جائیں گی ---- نہا لیجیے باہر کی بیماریاں ختم ہو جائیں گی۔

یوں ان کے بدن کی تمام بیماریاں اور تکلیفیں دُور ہو گئیں ---- پھر ہم نے انھیں ان کے مانگے سے زیادہ عطا فرمایا ---- انھوں نے تو صرف آنے والی بیماری کا ذکر کیا تھا ---- ہم نے شفا بھی بخشی اور ان کے اہل و عیال بھی لوٹا دیے ---- اور اتنے اہل و عیال اور بھی عطا فرمائے۔

﴿ وَاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ﴾

(سورۃ الانبیاء ۲۱ : ۸۴)

اور سورۃ ص آیت ۴۳ میں یوں اِرشاد ہُوا :

﴿ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴾

(۳۸ : ۴۳)

بعض مُفسّرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جو کنبہ آل اولاد مر چکے تھے اللہ نے انھیں زندہ کر دیا ---- بلکہ اپنی رحمت سے اتنا مزید کنبہ عطا فرمایا ---- تفسیر جواہر القرآن سورۃ ص کی تفسیر میں شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اسی قول کو تحریر فرمایا ---- اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی تفسیر معارف القرآن سورۃ انبیاء کی تفسیر میں اسی قول کو پسند فرمایا۔

علاوہ ازیں شاہ عبدالقادر محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے موضح القرآن میں یہی کچھ تحریر فرمایا اور کچھ مُفسّرین کا خیال یہ ہے کہ جتنا مال و دولت، زمین اور جانور ---- آل اولاد اللہ ربُّ العزت نے آپ کو پہلے عطا فرمائی تھی اور بطور آزمائش واپس لے لی تھی ---- اس سے دُگنی عطا فرمادی۔

مانگے سے زیادہ دیتا ہے

سیدنا ایوب علیہ السلام کے اس واقعہ سے ایک بات تو معلوم ہوئی کہ صحت و بیماری، دُکھ اور سُکھ، مُصیبت و راحت پہنچانے کے تمام تر اختیارات صرف اور صرف اللہ کے پاس ہیں ۔۔۔ کسی کو بیماری سے صحت عطا کرنا کسی نبی و ولی، کسی پیر و پیغمبر ۔۔۔۔ کسی بڑے اور چھوٹے ۔۔۔۔ کسی زندے اور مُردے کے اختیار اور ہاتھ میں نہیں ہے ۔۔۔۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا:

﴿ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ﴾ (شعراء ۲۶ : ۸۰)

جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہ اللہ مجھے شفا عطا فرماتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعا میں کہتے تھے ۔۔۔۔ اَنْتَ الشَّافِيْ ۔۔۔۔ کہ شفا بخشنے والی ذات صرف اور صرف تیری ہے۔

اگر صحت دینا ۔۔۔ تندرستی عطا کرنا ۔۔۔ اللہ رب العزت کے سوا کسی اور کے ہاتھ میں ہوتا تو حضرت ایوبؑ اِتنے طویل عرصے تک کبھی بیمار نہ رہتے۔

دُوسری بات اِس واقعہ سے یہ ثابت ہُوئی کہ اگر شفا عطا کرنا اللہ کے ہاتھ میں ہے تو پھر بیماریوں، مُصیبتوں، دُکھوں اور تکالیف میں گھر کر شفا لینے کے لیے غائبانہ پکارنا بھی اللہ کو چاہیے جس طرح سیدنا ایوب علیہ السلام نے مصائب میں مُبتلا ہو کر اللہ ہی کو پکارا ۔۔۔۔ اس لیے کہ غائبانہ پکار کو سُننے والا بھی صرف اور صرف اللہ رب العزت ہی ہے۔

آج ضعیف الاعتقاد لوگ بیماریوں اور تکلیفوں میں مُبتلا ہو جائیں تو کبھی کسی درگاہ پر اور کبھی کسی دربار پر جا جا کے التجائیں کرتے ۔۔۔۔ وہاں کے پتھر اپنے جسم پر ملتے ۔۔۔ وہاں لکھ لکھ کر عرضیاں لٹکاتے اور بطور نذر و نیاز اور منت کے جانور اور شیرینیاں تقسیم کرتے ہیں ۔۔۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے اس واقعہ سے سبق سیکھیے ۔۔۔ نصیحت حاصل کیجیے کہ مصائب میں گھر جاؤ تو مدد کے لیے

پکارنا صرف اور صرف اللہ کو ہے ----- اس لیے کہ شفا دینے کے سارے خزانے اسی کے پاس ہیں۔

تیسری حقیقت اس واقعہ نے یہ ثابت ہوئی کہ اللہ ربّ العزت اتنا مہربان اور بندوں پر اتنا کریم و شفیق ہے کہ بندے مانگتے کم ہیں ----- اور وہ دیتا زیادہ ہے ----- بندے اپنے ظرف اور چادر کے مطابق مانگتے ہیں ----- اور وہ اپنی رحمت و فضل سے زیادہ عطا کرتا ہے ---- حضرت ایوب علیہ السلام نے تو کھل کر شفا بھی نہیں مانگی تھی ---- مگر کریم مولا نے شفا بھی عطا کردی، اور پہلے سے دگنی دولت اور اولاد بھی بخش دی۔

سیدنا ایوبؑ کو دیکھ کر بیوی کا تعجّب

نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوبؑ کی ساری بیماری کو اس چشمے میں نہانے سے دور کردیا۔ (اور پانی کے پینے سے ان کے بدن میں طاقت و چستی آگئی اور وہ پہلے سے زیادہ حسین اور صحت مند ہوگئے ---- ان کی بیوی ان کو تلاش کرتی ہوئی آئی اور حضرت ایوبؑ سے ہی دریافت کرنے لگی ---- اے اللہ کے بندے کیا تم نے بیمار اور کمزور ایوب کو دیکھا ہے جو اللہ کا نبی ہے ---- اللہ کی قسم میں نے تم سے زیادہ ایوب سے مشابہ کوئی اور شخص نہیں دیکھا ---- حضرت ایوبؑ نے فرمایا: میں ہی ایوب ہوں۔ (اللہ نے مجھے صحت بھی دی، طاقت و جوانی اور حسن بھی لوٹا دیا۔)

حضرت ایوب علیہ السلام کے دو کھلیان تھے۔ ایک گندم رکھنے کے لیے اور دوسرا جو رکھنے کے لیے ---- اللہ تعالیٰ نے دو بادل بھیجے ایک سونے کی صورت میں گندم کے کھلیان پر برسا اور اسے سونے سے اس قدر بھر دیا کہ سونا کھلیان سے باہر گرنے لگا ---- اور دوسرا بادل جو کے کھلیان پر برسا اور اسی طرح اس کو چاندی سے بھر دیا۔ (صحیح ابن حبان، مسند ابویعلیٰ)

بخاری کی ایک حدیث

امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب صحیح البخاری میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث نقل فرمائی ہے کہ حضرت ایوبؑ غسل کر رہے تھے کہ اللہ رب العزت نے سونے کی چند ٹڈیاں اُن پر برسائیں ---- حضرت ایوبؑ سونے کی ٹڈیوں کی مٹھیاں بھر بھر کر کپڑے میں رکھنے لگے ---- کہ اللہ نے آواز لگائی اے ایوبؑ کیا ہم نے دولتِ دنیا دے کر آپ کو سونے اور چاندی سے بے پرواہ نہیں کردیا ---- حضرت ایوبؑ نے جواب میں عرض کیا:

بَلٰی یَا رَبِّ وَلٰکِنْ لَاغِنٰی بِیْ عَنْ بَرَکَتِكَ۔ (بخاری کتاب بدء الخلق باب و ایوب اذ نادیٰ ربہ)

مولا! تیری بات صحیح ہے مگر تیری نعمتوں اور برکتوں سے کون کب بے پرواہ ہوسکتا ہے۔

اللہ رب العزت نے حضرت ایوب علیہ السلام کے اس واقعہ کو سورۃ الانبیاء میں ذِکْرٰی لِلْعٰبِدِیْنَ ---- اور سورۃ ص میں ذِکْرٰی لِاُولِی الْاَلْبَابِ ---- قرار دیا ---- یعنی اس واقعہ میں عبادت گزار بندوں کے لیے ---- اور عقل مند لوگوں کے لیے نصیحت اور یاد دہانی اور سبق موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک اور وفا شعار بندوں کی وفاداری کا امتحان کرتا ہے اور اللہ کے نزدیک کامیاب وہی لوگ ہوتے ہیں جو اس امتحان میں ثابت قدم رہتے ہیں۔

اور اس امتحان میں اللہ کی طرف پوری توجہ اور اس کا ذکر ہی اس امتحان میں کامیابی کا زینہ ہے۔ اور یہ نصیحت کہ ہر امتحان اور ہر آزمائش کے لیے ایک حد مقرر ہے ---- پھر آزمائش ٹل جاتی ہے اور بندے کو انعامات سے مالامال کردیا جاتا ہے۔

اِس واقعہ میں یہ نصیحت بھی ہے کہ مصائب اور تکالیف اور

آزمائشوں میں صبر کرنا چاہیے۔ اور یہ نصیحت بھی کہ مصائب میں گھر کر اللہ ہی کو پکارنا چاہیے۔

اور اس واقعہ میں عقل مندوں کے لیے یہ نصیحت بھی ہے کہ نا امیدی اور مایوسی گناہ ہے ---- حالات کچھ ہی کیوں نہ ہوں ----- مصائب و تکالیف نے بند گلی میں دھکیل دیا ہو----- راستے اور اسباب مفقود ہوگئے ہوں مگر پھر بھی رب کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے ----- رب کی رحمت سے مایوس ہونا مومنوں کا نہیں کفار کا شیوہ ہے۔

سیدنا ایوبؑ کی قسم پوری کرنے میں رعایت

میں بیان کر چکا ہوں کہ ابلیس نے ایک طبیب کی صورت میں ---- ان کی بیوی کے ذریعہ حملہ آور ہونے کی کوشش کی تھی ---- ابلیس نے کہا تھا میں تمھارے خاوند کا علاج اس شرط کے ساتھ کرتا ہوں کہ جب وہ تندرست اور شفایاب ہوجائے تو تم یہ کہنا کہ میں نے شفا دی ہے اس کے سوا میں تم سے کوئی اور اجر اور دوا کی قیمت بھی وصول نہیں کروں گا ---- بیوی نے اس کا تذکرہ سیدنا ایوب علیہ السلام کے سامنے کیا تو انھوں نے فرمایا تم اس طرح کی بات کی طرف مائل ہو رہی ہو مجھ پر یہ نذر ہے کہ اگر اللہ نے مجھے صحت عطا کردی تو میں تمھیں سَو چابک ماروں گا۔

سیدنا ایوب علیہ السلام جب تندرست ہوگئے ---- تو محسوس کیا کہ ایک طرف بیماری کی حالت میں خدمت کرنے والی وفا شعار بیوی ہے اور دوسری طرف نذر اور قسم ہے ---- سَو چابک مارنے کی قسم ایسی وفا شعار بیوی پر کیسے پوری کروں؟۔

اللہ تعالیٰ نے سیدنا ایوبؑ کی زوجہ محترمہ کے لیے قسم پوری کرنے میں تخفیف اور رعایت فرمادی کہ سَو تنکوں کا ایک جھاڑو بنالیں اور وہ جھاڑو بیوی کو

ماردیں، آپ کی قسم پوری ہوجائے گی۔

(تاریخِ دمشق جلد ۵ صفحہ ۱۰۸)

قرآن نے اس بات کو اس طرح ذکر فرمایا:

﴿ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِب بِّهِ وَلَا تَحْنَثْ ﴾ (۳۸ : ۴۴)

اور اپنے ہاتھ سے تنکوں کا ایک مٹھا (جھاڑو) پکڑلیں اور اس کے ساتھ ماریں اور اپنی قسم پوری کریں۔

شرعی حیلہ کس صورت میں جائز ہے

حضرت ایوبؑ کے اس حیلہ اختیار کرنے کی بنا پر یہ بحث چل نکلی کہ کیا شرعاً حیلہ کرنا جائز ہے؟

جو لوگ شرعی احکام سے بچنے کے لیے حیلوں کو اختیار کرتے ہیں وہ حضرت ایوبؑ کے اس عمل سے دلیل پکڑتے ہیں۔

یاد رکھیے اگر اپنی ذات سے یا کسی دوسرے سے ظلم کو ہٹانا مقصود ہو تو شرعاً حیلہ کرنا جائز ہے۔

مگر جس حیلہ سے حکم شرعیہ کی حکمت کا بطلان ہوتا ہو جس کے لیے وہ حکم شرعی نافذ کیا گیا تو ایسا حیلہ قطعاً باطل، ناجائز اور حرام ہے۔

(روح المعانی جلد ۲۳ صفحہ ۲۰۹)

جس طرح کچھ لوگ زکوٰۃ کی ادائگی سے بچنے کے لیے حیلہ سازیاں کرتے ہیں۔ حیلۂ اسقاط (جو سرحد میں ہوتا ہے) بھی اسی زمرہ میں آتا ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین
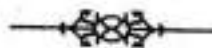
سیّدنا داؤد علیہ السّلام

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ وَ نُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ الْاَمِیْنِ وَ عَلٰٓی اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿ وَاذْکُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَیْدِ ۚ اِنَّہٗٓ اَوَّابٌ ۝ اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَہٗ یُسَبِّحْنَ بِالْعَشِیِّ وَالْاِشْرَاقِ ۝ وَالطَّیْرَ مَحْشُوْرَۃً ؕ کُلٌّ لَّہٗٓ اَوَّابٌ ۝ وَشَدَدْنَا مُلْکَہٗ وَاٰتَیْنٰہُ الْحِکْمَۃَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ۝ ﴾

(سورۃ صاد ۳۸ : ۱۷۔۲۰)

(صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ)

سامعینِ گرامی قدر ! حضرت سیدنا داؤد علیہ السّلام بنی اِسرائیل میں آنے والے انبیاء میں سے ایک اولوالعزم پیغمبر ہوئے ہیں جو حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السّلام کی اولاد میں سے ہیں اور چودہ واسطوں سے ان کا نسب نامہ جد الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السّلام تک پہنچتا ہے۔

قرآن مجید کی تقریباً نو سورتوں میں حضرت داؤد علیہ السّلام کا ذکر خیر ہوا ہے اور تقریباً سولہ جگہوں پر ان کا اسم گرامی موجود ہے۔

سورۃ البقرہ کی آیت ۲۴۷ میں بنی اِسرائیل کی قوم میں پیش آنے والی ایک جنگ کا تذکرہ کیا گیا ہے ---- جس میں مومنین کی فوج کا سالار طالوت اور

کفار کی فوج کا سالار جالوت تھا ---- اس جنگ میں بنی اِسرائیل نے روایتی حیل و حجّت، بہانوں اور لَیت و لعل کا مظاہرہ کیا تھا ---- بنی اِسرائیل نے آبائی بزدلی دکھائی تھی ---- طالوت جسے تائیدِ الٰہی حاصل تھی ایک اِنتہائی مختصر اور بے سرو سامان لشکر لے کر (جس کی تعداد مُفسّرین نے ۳۱۳ ذکر کی ہے) جالوت کے زبردست اور مسلح لشکر کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔

جالوت جسے اپنی طاقت، تجربہ، پہلوانی، تلوار زنی اور تیر اندازی اور بہادری پر ناز تھا ---- اس جالوت جیسے مُتکبّر، جنگجو، سپہ سالار اور شجاعت کے گھمنڈ میں مُبتلا شخص کو جس کم عمر لڑکے نے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ اس لڑکے کا نام داؤد تھا ---- جونہی داؤد نے جالوت کو قتل کِیا تو اس کا لشکر شکست کھا کر بھاگ کھڑا ہوا اور اس طرح بنی اِسرائیل کامیاب اور فتح یاب ہوئے۔

داؤد کی بے مثال شجاعت و بہادری اور جوانمردی نے انھیں بنی اِسرائیل کا آنکھ کا تارا بنا دیا ---- وہ پوری قوم کے پسندیدہ اور محبوب ٹھہرے ---- ان کی شخصیت قوم میں ممتاز اور معروف ہوگئی۔ طالوت بادشاہ کی وفات کے بعد ---- زمامِ اقتدار اور عنانِ حکومت حضرت داؤد علیہ السّلام کے ہاتھ آئی۔

پھر ان پر اللہ ربُّ العزت کا ایک اور عظیم انعام اور بھاری احسان یہ ہوا کہ بنی اِسرائیل کی رشد و ہدایت کے لیے اور قوم کی رہبری و راہنمائی کے لیے انھیں منصبِ رسالت و نبوت سے بھی نواز دیا گیا۔

انبیاء کرام علیہ السّلام کی مقدس جماعت میں ابوالبشر حضرت سیدنا آدم علیہ السّلام کے علاوہ ---- حضرت داؤد علیہ السّلام ہی ایسے نبی ہیں جن کو خلیفہ کے لقب سے پکارا گیا۔

قرآن مجید میں اِرشاد ہوتا ہے:

﴿ يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ ﴾ (۳۸ : ۲۶)

اے داؤد ہم نے آپ کو بلا شک زمین میں خلیفہ بنایا ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو خلیفہ کے لقب سے پکارے جانے کی حکمت اور وجہ یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام سے پہلے صدیوں سے بنی اسرائیل میں یہ رسم اور یہ سلسلہ قائم تھا کہ دنیا کی حکومت اور بادشاہی اور اقتدار ایک خاندان کے پاس رہتا تھا ---- اور نبوت و رسالت دوسرے خاندان میں رہتی تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام بنی اسرائیل کے وہ پہلے خوش نصیب شخص ہیں جن کے وجود میں اللہ رب العزت نے دونوں نعمتیں جمع کردی تھیں ---- وہ ایک ہی وقت میں بادشاہ اور صاحب اقتدار بھی تھے ---- اور نبوت و رسالت کے عظیم منصب پر فائز بھی تھے۔

﴿ اٰتٰهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ﴾ (۲ : ۲۵۱)

اللہ نے داؤد کو حکومت و بادشاہی بھی عطا کی اور حکمت (نبوت) بھی اور اپنی مرضی سے جو چاہا ان کو سکھایا۔

قرآن نے ایک اور جگہ پر فرمایا:

﴿ وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ﴾ (۳۸ : ۲۰)

اور ہم نے داؤد کی حکومت کو مضبوط کیا اور اس کو حکمت (نبوت) عطا کی اور حق و باطل کے فیصلہ کی قوت عطا کی۔

اس آیتِ کریمہ میں فَصْلَ الْخِطَابِ سے کیا مراد ہے؟۔

کچھ علماء نے کہا کہ حضرت داؤد علیہ السلام تقریر و خطابت کے فن میں کمال رکھتے تھے ---- ان کا بیان ایسے ہوتا جیسے کسی نے خوبصورت موتی اور ہیرے ایک لڑی میں پرو دیے ہوں ---- ان کے کلام میں فصاحت و بلاغت کے دریا موجزن ہوتے۔

اور کچھ علماء نے کہا کہ: فَصْلَ الْخِطَابِ سے مراد یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا حکم اور فیصلہ حق و باطل کے درمیان قولِ فیصل کی حیثیت رکھتا تھا۔

زبور

بنی اِسرائیل کو حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے توسط سے تورات جیسی نُور سے پُر اور ہدایت سے معمور کتاب مل چکی تھی ---- بنی اِسرائیل کی رشد و ہدایت اور رہبری و راہنمائی کے لیے اساس اور اصل تورات ہی تھی ---- مگر راہِ ہدایت سے بھٹکتی قوم ---- اور گم گشتہ راہ بنی اِسرائیل کو راہِ ہدایت دکھانے کے لیے --- اور شریعتِ موسوی کو از سرِ نَو زندہ کرنے کے لیے ---- حضرت داؤد علیہ السلام کو زبور عطا کی گئی۔

زبور مقفّٰی کلمات کا مجموعہ تھا جس میں اللہ کی تعریف و توصیف، حمد ثنا ---- لوگوں کے لیے نصیحتیں ---- سامانِ عبرت ---- مواعظ اور بصائر و بصارت کے مضامین تھے ---- زبور میں کچھ پیشین گوئیاں بھی تھیں --- کچھ بشارتیں بھی تھیں۔

قرآن مجید کہتا ہے:

﴿ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ﴾ (۲۱ : ۱۰۵)

بے شک ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد کہہ دیا تھا کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔

بعض مُفسّرین نے کہا ہے کہ زبور میں کی گئی اس پیشین گوئی کے مصداق اصحابِ محمد ہیں اور مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ ---- ذکر سے مراد نصائح، مواعظ ہیں ---- ہماری جماعت کے بانی اور شیخ مولانا حسین علی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ سے مراد ہے کہ مسئلہ توحید کے بیان کرنے کے بعد ہم نے کہا تھا کہ زمین کا اقتدار بھی ان توحید کے ماننے والوں کو دیں گے۔

کہتے ہیں کہ زبور کا زیادہ تر حصہ اللہ ربُ العزت کی حمد و ثنا اور تعریف و توصیف پر مُشتمل تھا ---- اور حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ایسا لہجہ ---- اور جادو بھری آواز عطا فرمائی تھی کہ جب زبور کی تلاوت فرماتے تو جِن و اِنس

---- اور پرند تک وجد میں آجاتے۔ اسی لیے آج تک لحنِ داؤدی کی لوگ مثالیں دیتے ہیں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے متعلق آتا ہے کہ ---- وہ جب تلاوت کرتے اور ان کی تلاوت کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سنتے تو ارشاد فرماتے ---- ابوموسیٰ کو اللہ تعالیٰ نے لحنِ داؤدی عطا فرمایا ہے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۲ صفحہ ۱۱)

بخاری کتاب الانبیاء میں ایک روایت منقول ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام پوری زبور کو اتنے قلیل وقت میں تلاوت فرما لیا کرتے تھے کہ جب وہ گھوڑے پر زین کسنا شروع کرتے تو ساتھ ہی زبور کی تلاوت بھی کرتے اور جب زین کس کر فارغ ہوتے تو زبور کی تلاوت بھی مکمل فرما لیتے۔

حضرت داؤدؑ کی امتیازی شان

حضرت داؤد علیہ السلام کو نبوت و رسالت کے علاوہ حکومت اور بادشاہی بھی عطا کی گئی تھی ---- حکومت و سلطنت میں بھی وہ ایک انفرادی اور امتیازی شان اور مقام رکھتے تھے۔

قرآن مجید، تورات اور بنی اسرائیل کی تاریخ اس حقیقت پر گواہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے وجود میں کئی خوبیاں جمع تھیں ---- شجاعت و بہادری میں عدیم المثال ---- دلیری و بے باکی میں عدیم النظیر ---- جنگی مہارت میں بلند مرتبے پر فائز ---- بدنی قوت میں لاثانی ---- قوتِ فیصلہ میں بلند مقام ---- حسنِ تدبیر میں ماہر ---- اصابتِ رائے میں اپنی مثال آپ تھے ---- جدھر بڑھتے کامیابی کے جھنڈے گاڑتے چلے جاتے ---- فتح و نصرت ان کی لونڈی تھی ---- کامرانیاں ان کے قدم چومتیں ---- اللہ کا فضل و کرم اور رحمت و مہربانی اس حد تک ان کے شاملِ حال تھی کہ سخت سے سخت اور بڑے سے بڑے دشمن کے مقابلہ میں ان کی فوج اور لشکر کتنا ہی قلیل کیوں نہ ہوتا

مگر فتح اور کامیابی ان ہی کا مقدر ٹھہرتی ---- اور کامرانی ہمیشہ ان ہی کے ہاتھ رہتی ---- اسی لیے بہت قلیل اور معمولی عرصے میں شام، عراق، فلسطین، شرق اردن، فرات کے تمام علاقوں ---- دمشق تک تمام ممالک ان کے حکم اور سلطنت کے زیرِ نگین ہوگئے۔

قرآن مجید نے حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق چند خصائص اور امتیازی چیزوں کا تذکرہ کچھ اس طرح فرمایا ہے:

﴿وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُدَ ذَا الْأَيْدِ ۖ إِنَّهُ أَوَّابٌ﴾ (۳۸ : ۱۷)

اور یاد کرو میرے بندے داؤد کو جو بڑا طاقت ور تھا اور ہماری طرف بہت رجوع کرنے والا تھا۔

ذَا الْأَيْدِ ---- بڑا قوت والا تھا ---- یہ حضرت داؤد علیہ السلام کا میدانِ جنگ میں طاقت و توانائی کا مظاہرہ کرنا ---- اس کی طرف اِشارہ ہو رہا ہے۔

إِنَّهُ أَوَّابٌ ---- اللہ کی طرف بہت رجوع کرنے والا ---- یہ اللہ کی عبادت میں حضرت داؤد کی جانفشانی اور انہماک کی طرف اِشارہ ہو رہا ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے ---- نِصف رات اللہ کی عبادت میں گزارتے اور نِصف رات آرام فرماتے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ نماز حضرت داؤد کی نماز ہے اور محبوب ترین روزہ حضرت داؤد کا روزہ ہے جسے صوم داؤدی کا نام دیا گیا ہے۔

حضرت داؤدؑ کی نبوۃ میں اِمتیازی شان

آپ انبیاءؑ کی تاریخ کا مطالعہ فرمائیں تو واضح ہوگا کہ اللہ ربُّ العزت نے اپنے نبیوں کو خصوصی مقام، شان، شرف اور

اِمتیاز سے نوازا ہے ---- انھیں بلند ترین درجات عطا فرمائے اور بے شمار انعامات سے مالا مال کیا۔

مگر قرآن کہتا ہے کہ انبیاءِ کرامؑ کے درجات میں فرقِ مراتب رکھا ہے ---- اور یہی اِمتیازی درجات اور اِنفرادی مرتبے انبیاءؑ کو ایک دُوسرے سے ممتاز اور مُنفرد کرتے ہیں۔

﴿ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ﴾ (۲ : ۲۵۳)

یہ انبیاء کی جماعت ہم نے ان کے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

اس لحاظ سے قرآن مجید نے حضرت داؤد علیہ السلام کے چند امتیازی اوصاف کا تذکرہ فرمایا ہے۔

پہاڑوں اور پرندوں کی تسخیر وتسبیح

قرآن مجید نے ان کے ایک امتیازی وصف کا ---- اور انفرادی خُصُوصیت کا تذکرہ کچھ اس طرح فرمایا ہے :

﴿ اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَ الْاِشْرَاقِ ۝ وَ الطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ؕ كُلٌّ لَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴾ (۳۸ : ۱۸-۱۹)

ہم نے داؤد کے ساتھ پہاڑوں کو مسخر (تابع) کر دیا تھا کہ وہ ان کے ساتھ صبح و شام تسبیح پڑھتے تھے اور پرندوں کو بھی کہ وہ تسبیح کے وقت جمع ہوتے اور سب مِل کر اللہ کی حمد و ثنا کرتے۔

قرآن نے ایک اور جگہ پر فرمایا :

﴿ وَ سَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَ الطَّيْرَ ؕ وَ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴾

(سورۃ الانبیاء ۲۱ : ۷۹)

اور ہم نے پہاڑوں اور پرندوں کو تابع کر دیا تھا کہ وہ داؤد کے ساتھ تسبیح کریں اور ہم ہی ہیں اس طرح کرنے والے۔

ایک اور مقام پر قرآن نے بیان کیا:

﴿ وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ؕ يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَ الطَّيْرَ ﴾

(سورۃ سبا ۳۴ : ۱۰)

یقیناً ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے فضیلت بخشی تھی (وہ یہ کہ ہم نے حکم دیا تھا) اے پہاڑو اور پرندو تم داؤد کے ساتھ مل کر میری تسبیح اور پاکی بیان کرو۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ اللہ رب العزت نے ان کو اتنی شیریں، دل کش اور سوز و گداز میں ڈوبی ہوئی آواز عطا فرمائی تھی کہ جب آپ میٹھی اور پیاری آواز سے ذکرِ الٰہی میں مصروف ہوتے --- اور شیریں آواز میں اللہ کی حمد و ثنا کرتے تو اڑتے پرندے بھی رک جاتے اور آپ کے گرداگرد حلقہ بنا کر بیٹھ جاتے، اور آپ کی آواز کے ساتھ آواز ملا کر اپنے مالک و مولا کی تسبیح و تحمید کرنے لگتے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی آواز اتنی پیاری، دل کش اور مسحور کن تھی کہ وہ جب سوز و گداز سے حمد باری کرتے اور زبور پڑھتے تو پورے ماحول پر وجد کی کیفیت طاری ہوجاتی ---- گویا کہ دنیا کا نظام ٹھہر گیا ہو ---- پہاڑوں کے پتھر، چٹانیں اور سنگریزے سب آپ کے ساتھ تسبیح و تہلیل میں مصروف ہوجاتے اور حمدِ باری سے فضا گونج اٹھتی۔

پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح کا مفہوم

پہاڑوں اور پرندوں کا حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ مل کر تسبیح پڑھنا ---- اس کے متعلق بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ تسبیح زبانِ حال سے تھی ---- یعنی کائنات کی ہر چیز کا وجود ---- اس کی ترتیب و ترکیب ---- اس کا حجم اور رنگ ---- دنیا کا ایک ایک ذرہ ---- گھاس کا ایک ایک تنکا ---- ہر پرندہ اور اُس کا ایک ایک پر ---- ہر پہاڑ اور اُس

پہاڑ کا ایک ایک کنکر اپنے وُجُود میں اللہ کی خالقیت کا گواہ ہے ---- اللہ کی اُلوہیت و معبُودیت پر شاہد ہے اور یہی اُس کی تسبیح ہے ---- قسم و قسم کے خُوش رنگ اور خُوش ذائقہ پھل اگرچہ زبان نہیں رکھتے ---- بولنے کی طاقت سے محروم ہیں ---- مگر ہر پھل کی خُوشبو اور ذائقہ ---- اُس کا رنگ اور لطافت ---- اُس کی خُوبصُورتی اور نزاکت پکار پکار کر اِعلان کر رہی ہے کہ "تُو وحدہٗ لا شریک ہے" ----

ہر گیاہ کہ از زمیں روید وحدہٗ لا شریک لہٗ گوید

وَ فِی کُلِّ شَیْءٍ لَہٗ آیَۃٌ
تَدُلُّ عَلٰی اَنَّہٗ وَاحِدٌ

انار اگرچہ زبانِ قال نہیں رکھتا --- مگر اس کے پردوں میں موتیوں کی طرح سجے ہوئے دانے پکار پکار کر کہہ رہے ہیں: فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ

کیلا اگرچہ بولنے سے محروم ہے مگر اس کی لطافت اور مٹھاس پکار پکار کر اعلان کر رہی ہے کہ تیری ذات شریکوں سے پاک ہے اور تو سبحان ہے۔

سیب اگرچہ نُطق سے محروم ہے مگر اس کی خوشبو اور نفاست اس بات پر گواہی دے رہی ہے کہ اللہ کی ذات بے عَیب اور بے مثال ہے۔

مگر جمہُور مُفسّرین ---- محقق علماءِ کرام کی رائے یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ پرندوں اور پہاڑوں کی تسبیح بزبانِ حال نہیں تھی بلکہ حقیقۃً بزبانِ قال تسبیح پڑھتے تھے ----

- اور اسی طرح دنیا کی ہر چیز ---- حیوان، پہاڑ، سمندر، دریا ---- نباتات و جمادات بزبانِ قال حقیقۃً تسبیح کرتے ہیں۔

قرآن اِعلان کرتا ہے:

﴿ وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ﴾

دنیا کی ہر چیز اللہ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی ہے مگر تم اس کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے ہو۔ (سورۃ بنی اسرائیل ۱۷ : ۴۴)

اگر یہاں یہ مراد لیں کہ ہر شے بزبانِ حال تسبیح کر رہی ہے تو پھر وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ کہ تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے ---- یہ ارشاد کیسے صحیح ہوگا --- کیونکہ اگر کوئی دہریہ یا مشرک اس کو نہیں سمجھتا تو نہ سمجھے ---- ہر مسلمان اور ہر مومن تو یقیناً سمجھتا ہے کہ دُنیا کی ہر شے کا وجود اللہ ربُّ العزت کی ذات کا پتا دے رہی ہے ---- میرے اس بیان سے ثابت یہ ہوا کہ دنیا کی ہر چیز جو تسبیح کر رہی ہے وہ زبانِ حال سے نہیں بلکہ حقیقۃً زبانِ قال سے تسبیح کر رہی ہے --- مگر یہ تسبیح و تحمید انسانوں کے فہم و ادراک سے اور اُن کی سمجھ سے بالاتر ہے۔

اور کبھی کبھی اللہ ربُّ العزت کی مرضی اور مشیت کے ماتحت انبیا اور رسُولوں کو اور کبھی کبھی کسی نیک بندے کو پرندوں اور پہاڑوں کی تسبیح کا فہم اور ادراک ہوجاتا ہے جو انبیاء کے لیئے مُعجزہ اور غیر نبی کے لیے کرامت ہوتی ہے۔

چنانچہ حضرت داؤد علیہ السّلام کی خُصُوصیات میں سے ایک خُصُوصی شرف اور انفرادی امتیاز یہ تھا کہ جب وہ صبح و شام اللہ کی حمد و ثنا کرتے ---- اور اس کی تقدیس و تسبیح میں مصروف ہوتے تو پرندے اور پہاڑ بھی ان کے ساتھ باآوازِ بلند اللہ کی تسبیح و تحمید میں شامل ہوجاتے اور حضرت داؤد علیہ السّلام ان کی تسبیح و تحمید کو سُنتے اور سمجھتے ---- یہ تسبیح کو سُننا اور سمجھنا حضرت داؤد علیہ السّلام کی خُصُوصیت اور مُعجزہ ہے۔

(اگر یہ تسبیح قولی نہ ہوتی بلکہ حالی ہوتی تو بِالْعَشِیِّ وَالْاِشْرَاقِ (۳۸ : ۱۸) ---- (صبح و شام) کی قید لگانے کی کیا ضرورت تھی ---- تسبیح حالی تو ہر وقت اور ہر آن ہو رہی ہے۔ فافہم وتدبر)

اسی طرح کنکریوں نے ایک موقع پر امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور چند صحابۂ کرامؓ کے ہاتھوں پر بھی تسبیح پڑھی تھی اور قریب بیٹھے لوگوں نے ان کی تسبیح کو سنا تھا۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم --- حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) بیٹھے ہوئے تھے اور امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے سامنے چند کنکریاں پڑی ہوئی تھیں --- آپ نے انھیں ہتھیلی پر رکھا تو وہ تسبیح پڑھنے لگیں ---- ابوذرؓ کہتے ہیں میں نے شہد کی مکھیوں کی طرح گنگناہٹ کو سنا ---- پھر آپ نے وہ کنکریاں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر رکھیں وہ برابر تسبیح پڑھتی رہیں ---- پھر آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر رکھیں تو ان کے ہاتھ پر بھی وہ تسبیح پڑھتی رہیں ---- پھر آپ نے وہ کنکریاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر رکھیں ---- وہ وہاں بھی تسبیح پڑھتی رہیں ---- جونہی آپ نے ان کنکریوں کو زمین پر رکھا تو وہ خاموش ہو گئیں ---- پھر امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

هٰذِهٖ خِلَافَةُ نُبُوَّةٍ (طبرانی بیہقی)

یہ خلافتِ نبوت ہے (یعنی میرے بعد خلافت کی یہی ترتیب ہوگی۔)

ایک روایت میں آتا ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام ایک دن گھر سے نکلے اور دل میں یہ خیال کیا کہ آج میں اللہ رب العزت کا ایسا ذکر کروں گا جو کسی نے بھی نہ کیا ہوگا ---- کچھ آگے پہنچے تو ایک تالاب سے مینڈک کے ذکر کی آواز آرہی ہے۔

● سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ مُنْتَهٰى عِلْمِكَ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پوچھنے پر مینڈک نے کہا:

چالیس سال سے ان الفاظ کے ساتھ اللہ کا ذکر کر رہا ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کچھ آگے بڑھے ---- ایک پتھر پر نظر پڑی --- اس پر عصا سے ضرب لگائی تو پتھر دو ٹکڑے ہو گیا ---- حضرت موسیٰ علیہ السلام دیکھ کر حیران ہو گئے کہ وہاں ایک کیڑا موجود ہے جس کے منہ میں خوراک کے طور پر سبز رنگ کا پتا ہے اور آواز آرہی ہے:

سُبْحَانَ مَنْ یَرَانِیْ ○ وَ یَسْمَعُ کَلَامِیْ ○ وَ یَعْرِفُ مَقَامِیْ ○ وَ یَرْزُقُنِیْ ○ وَلَا یَنْسَانِیْ

سامعینِ گرامی! کیڑے کے اس ذکر پر ذرا غور فرمائیے کہ ایک کیڑا جسے اللہ ربُّ العزت نے عقل و فہم کی دولت سے محروم رکھا ہے ---- لیکن وہ اللہ کی صفات کا کتنے خوبصورت انداز میں ذکر کر رہا ہے ---- اور اسے اللہ تعالیٰ کی ذات پر کتنا اعتماد اور پختہ یقین ہے:

ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے ----- سُبْحَانَ مَنْ یَرَانِیْ وَ یَسْمَعُ کَلَامِیْ ---- تمام عیبوں، نقائص اور شریکوں سے پاک وہ ذات ہے جو مجھے دیکھ رہا ہے۔

وَ یَعْرِفُ مَقَامِیْ ----- اور وہ ایسی لاریب اور بے عیب ذات ہے جو مجھے اس بند پتھر کے اندر میرے رہنے کی جگہ کو جانتا ہے۔

(ہائے کاش اشرف المخلوقات انسان کا بھی یہ عقیدہ اور نظریہ ہو جائے کہ اللہ ربُّ العزت مجھے ہر جگہ دیکھتا ہے ---- میں کبھی بھی اس سے چھپ نہیں سکتا ---- چاہے میں جہاں بھی رہوں ---- باہر کھلی فضاؤں میں یا کمرے کے اندر ---- کھلے میدان میں یا تہہ خانے میں ---- روشنی میں ہوں یا اندھیرے میں ---- اللہ ہر جگہ برابر مجھے دیکھتا ہے ---- میں اس کی نظروں سے چھپ نہیں سکتا --- اگر ایک انسان کا یہ عقیدہ پختہ ہو جائے تو وہ اکثر گناہوں سے بچ سکتا ہے)

کیڑا ذکر کرتے ہوئے آگے کہتا ہے:

وَ یَسْمَعُ کَلَامِیْ ---- پاک ہے وہ ذات جو میری ہر ہر بات کو

سُنتا ہے ----- یہ بے شعُور کیڑا کہہ رہا ہے مگر آج کا ناشکرا انسان اللہ کی طرح طرح کی نعمتیں استعمال کر کے کہتا ہے ----- اللہ میری پکار اور میری دعا کو براہِ راست نہیں سُنتا ---- کہتا ہے: "میری سندا نئیں انھاں دی موڑدا نئیں"۔ (میری سُنتا نہیں اور اِن بزرگوں کی موڑتا نہیں۔)

وَيَرْزُقُنِيْ وَلَا يَنْسَانِيْ ---- شریکوں سے پاک ہے وہ ذات جو مجھے بند پتھر کے اندر بھی روزی دیتا ہے اور آج تک اس نے مجھے کبھی فراموش نہیں کیا۔

دیکھا آپ نے کیڑے کا عقیدہ و خیال؟ اب ذرا اس انسان کا بھی نظریہ و عقیدہ ملاحظہ فرمائیے جسے اللہ ربُّ العزت نے تمام مخلوقات پر فضیلت بخشی ہے ---- یہ کہتا ہے مجھے جو کچھ دے رکھا ہے سب میرے حضرت صاحب کی نظرِ کرم ہے ---- اور کبھی کہتا ہے: ؎

جہاں سے رزق بندوں میں خدا تقسیم کرتا ہے
وہاں مجھ کو نظر آئی کلائی اپنے خواجہ کی

مینڈک اور کیڑے کے اس ذکر کو سُن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یُوں ذکر فرمایا:

سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ

حضرت داودؑ کی دوسری خصُوصیّت

قرآن مجید نے حضرت داؤد علیہ السلام کی ایک اور امتیازی خصُوصیت اور وصف کا ذکر فرمایا ---- کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے لوہے اور فولاد کو موم کی طرح نرم کر دیا تھا ---- وہ لوہے کو ہاتھ لگاتے تو وہ آٹے کی طرح نرم ہو جاتا اور وہ بغیر مشقت اور آلاتِ حدیدی کے لوہے کو

جس طرح چاہتے کام میں لاتے ---- وہ موم کی طرح نرم لوہے کی زرہیں بناتے اور بازار میں فروخت کر کے اپنے اہل وعیال کا پیٹ پالتے ----

قرآن مقدس نے اس کو کچھ اس طرح بیان کیا ہے :

﴿ وَ اَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ۝ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّ قَدِّرْ فِي السَّرْدِ ﴾ (سبا ۳۴ : ۱۰-۱۱)

اور ہم نے لوہے کو داؤد کے لیے نرم کر دیا اور حکم دیا کہ کشادہ زرہیں بناؤ اور ان کے حلقے جوڑنے میں اندازے کا خیال رکھو۔

ہاتھ کی کمائی

سنا آپ نے بادشاہی کے ہوتے ہوئے اور مال و دولت میں با اختیار ہوتے ہوئے حضرت داؤد علیہ السلام بیت المال سے اپنے گزران کے لیے ایک دانہ بھی وصول نہیں کرتے ---- اور اپنے اہل وعیال اور گھربار چلانے کا بوجھ مسلمانوں کے بیت المال پر نہیں ڈالتے ---- بلکہ اپنی محنت اور ہاتھ کی کمائی سے طیب اور حلال روزی حاصل کرتے ہیں۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ :

حضرت داؤد علیہ السلام بھیس بدل کر بازاروں میں جاتے تھے اور باہر سے آنے والے تاجروں اور دیگر لوگوں سے پوچھتے تھے ---- داؤد کیسا آدمی ہے؟۔ داؤد کی حکومت عدل و انصاف پر قائم ہے یا نہیں؟۔

ہر شخص جواب میں کہتا ---- داؤد بہت اچھے حکمران ہیں ---- اور حکومت عدل و انصاف کے تقاضوں کو پوری طرح پورا کر رہی ہے۔

اللہ ربّ العزت نے ایک دن حضرت داؤد علیہ السلام کی تعلیم و آزمائش کے لیے ایک فرشتے کو انسانی لباس میں بھیج دیا۔

حضرت داؤد علیہ السلام اپنی عادت کے مطابق بھیس بدل کر شہر میں نکلے تو یہ فرشتہ انھیں ملا ---- حضرت داؤد علیہ السلام نے اس سے وہی سوال کیا۔

فرشتے نے جواب میں کہا:

داؤد بڑے عظیم آدمی ہیں ----- منصف مزاج اور انصاف پرور ہیں ----- غریب پروری بھی کرتے ہیں ---- عدل و انصاف ان کے مزاج میں شامل ہے ---- مگر ان میں ایک عادت اور ایک بات ایسی پائی جاتی ہے کہ اگر وہ نہ ہوتی تو نُورٌ علیٰ نُور ہوجاتا ---- داؤد کامل ترین انسان ہوتے۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے پوچھا:

وہ کون سی عادت اور کون سی بات ہے؟

فرشتے نے کہا:

وہ اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے مُسلمانوں کے بیت المال سے تنخواہ لیتے ہیں ----- اگر کمائی کا وہ خود کوئی انتظام کرلیتے تو بہتر ہوتا۔

فرشتے کی یہ بات حضرت داؤد علیہ السلام کے دل میں گھر کر گئی اور انھوں نے اللہ کے حضُور یہ عرض کیا:

مولا! مُجھے کوئی ایک کام سکھا دے جو آسان ہو اور اس طرح میں ہاتھ کی مزدوری سے اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پال سکوں ---- اور مُسلمانوں کی خدمت اور سلطنت کے امور بلا معاوضہ انجام دے سکوں۔

اللہ رَبُّ العزت نے ان کی اس دعا کو قبول فرمایا اور ان کو زرہ سازی کا ہنر سکھا دیا ---- اور انھیں یہ شرف اور پیغمبرانہ خُصُوصیت عطا فرما دی کہ لوہا ان کے ہاتھ میں موم ہوجاتا اور وہ بآسانی لوہے کو موم کی طرح موڑ توڑ کے خُوبصُورت زرہیں بناتے اور انھیں فروخت کرکے اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پالتے تھے۔

ہاتھ کی کمائی کی فضیلت

حضرت داؤد علیہ السلام کا اس وصف کو اور اِس محنت کو حدیث میں ان الفاظ کے ساتھ سراہا گیا:

مَا اَکَلَ اَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَیْرًا مِنْ اَنْ یَّاْکُلَ مِنْ عَمَلِ یَدِہٖ وَاَنَّ نَبِیَّ اللّٰہِ دَاوٗدَ علیہ السلام کَانَ یَاْکُلُ مِنْ عَمَلِ یَدِہٖ۔ (بخاری کتاب التجارۃ)

انسان کا بہترین رزق وہ ہے جو ہاتھ کی محنت سے کمایا ہُوا ہو اور بے شک اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ سے محنت کر کے روزی کماتے تھے۔

شریعتِ اسلامیہ نے وہ تجارت جو شریعت کے اُصولوں کے مطابق کی جائے اور ہاتھ کی محنت و مزدوری کو سب سے افضل کمائی قرار دیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی شخص نے پُوچھا:

سب سے افضل کمائی کون سی ہے؟

آپؐ نے جواب میں فرمایا:

بَیْعٌ مَّبْرُوْرٌ وَّعَمَلُ الرَّجُلِ بِیَدِہٖ۔ (مسند احمد، طبرانی)

وہ تجارت جو شریعت کے مطابق ہو---- اور آدمی کا اپنے ہاتھ سے کام کرنا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اِرشادات سے ثابت ہوا کہ ہاتھ کی کمائی (صنعت و حرفت، محنت و مزدوری) سب سے ستھری، افضل اور پاک کمائی ہے ---- انسان کو محنت و مزدوری کرنے میں شرم اور عار محسُوس نہیں کرنی چاہیے ---- اس لیے کہ اللہ کی دھرتی پر سب سے اعلیٰ اور بہترین انسان انبیاء کرامؑ بھی محنت و مزدوری اور تجارت کے ذریعے روزی کماتے تھے۔

بہرحال حضرت داؤد علیہ السلام باوجود بادشاہ ہونے کے اپنی معاشی ضرورتیں پُوری کرنے کے لیے ہاتھ سے محنت فرماتے اور بیت المال میں سے کچھ بھی وصول نہ فرماتے تھے---- اور ان کی ایک خصُوصیت یہ تھی کہ لوہا اور فولاد اُن کے ہاتھ میں موم اور آٹے کی طرح نرم ہو جاتا اور وہ بآسانی زرہیں بنا کر فروخت کرتے تھے۔

حضرت داؤدؑ سے متعلق دو تفسیری مقام

حضرت داؤد علیہ السلام کی سیرتِ طیبہ کو بیان کرتے ہوئے ---- اور ان کی زندگی کے واقعات پر روشنی ڈالتے ہوئے ---- قرآن مجید میں دو اہم مقام ایسے ہیں جو اپنی حقیقت کے لحاظ سے معرکۃ الآراء ہیں ---- اور مفسرین کے تفسیری نکات اٹھانے کی وجہ سے بھی انتہائی اہمیت کے حامل ہیں --- ان میں سے ایک مقام -----

(وَ دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ اِذْ یَحْکُمٰنِ فِی الْحَرْثِ) (۲۱ : ۷۸) اس میں ہم گفتگو ان شاء اللہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی سیرتِ طیبہ پر روشنی ڈالتے ہوئے کریں گے۔

مگر دوسرا مقام ایسا ہے جس کا تمام تر تعلق حضرت داؤد علیہ السلام سے ہے ---- اسے صحیح طور پر بیان کرنا ---- اور اُن آیات کو حل کرنا انتہائی ضروری ہے ---- کیونکہ کچھ مفسرین نے من مانی تفسیر کرکے اور اسرائیلی روایات کے سہارے اسے اس طرح بیان کیا ہے کہ پیغمبر کی شان اور نبوی مقام اس سے مجروح ہوتا ہے۔

وہ واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ :

ایک روز حضرت داؤد علیہ السلام اپنی خلوت گاہ میں عبادتِ الٰہی میں مشغول تھے ---- عبادت خانے کے تمام دروازے اندر سے بند تھے کہ اچانک دو آدمی دیوار پھلانگ کر خلوت گاہ میں داخل ہوئے۔ حضرت داؤد علیہ السلام ان کے اس طرح عبادت گاہ میں داخل ہونے سے پریشان ہوگئے ---- گھبرا گئے کہ شاید میرے دشمن ہوں اور قتل اور نقصان پہنچانے کے ارادے سے آئے ہوں ---- قرآن کہتا ہے : فَفَزِعَ مِنْھُمْ ---- داؤد ان کو دیکھ کر گھبرا گئے ---- آنے والوں نے کہا : لَا تَخَفْ ---- گھبرائیے اور ڈریے نہیں ---- ہم آپ کے دشمن نہیں ---- بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ہم دونوں کے مابین

ایک جھگڑا ہے ----- اس جھگڑے کا فیصلہ کروانے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔

ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے ---- آپ عدل و انصاف کے ساتھ ہمارے درمیان فیصلہ فرما دیں۔

جھگڑے اور مقدمے کی کہانی یہ ہے کہ:

یہ میرا بھائی ہے اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں ---- اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے۔ مگر یہ میرا بھائی مجھ سے وہ ایک دنبی بھی زبردستی لینا چاہتا ہے ---- یہ میرا بھائی گفتگو کا تیز ہے۔ ذرا چرب زبان ہے ---- باتوں میں مجھ پر غالب آجاتا ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے مدعی کی بات سُن کر فرمایا:

﴿لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ﴾ (سورۃ صاد ۳۸ : ۲۴)

وہ اپنی دنبیوں میں تیری ایک دنبی کو ملانے کے لیے جو سوال کرتا ہے ظلم کرتا ہے۔ اور معاشرے کا دستور یہی ہے کہ اکثر لوگ اپنے ساتھیوں پر ظلم اور زیادتی کرتے ہیں۔

(اس پورے واقعہ کو سورۃ صاد آیت ۲۱ تا ۲۶ میں بیان کیا گیا۔)

پھر کیا ہوا ---- حضرت داؤد علیہ السلام نے فیصلہ سنایا تو وہ دونوں شخص ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مُسکرائے اور اچانک غائب ہو گئے ---- اب حضرت داؤد علیہ السلام سمجھے کہ ان کی آزمائش کی گئی ہے ----- قرآن کہتا ہے:

﴿وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ﴾ (۳۸ : ۲۴)

حضرت داؤد علیہ السلام کو خیال آیا کہ ہم نے اِس کا اِمتحان لیا ہے (ہم نے اسے پرکھا اور جانچا ہے) وہ اپنے رب کے آگے اِستِغفار کرنے لگے پھر جھک کر گر پڑے اور اپنے اللہ کی طرف رُجُوع کیا۔

قرآن مجید نے سورۃ صاد میں اس واقعہ کو ذکر کیا ---- وہاں دیوار پھلانگ کر خلوت گاہ میں آنے والون کا کوئی ذکر نہیں کہ وہ کون تھے۔

اس غلطی اور لغزش کا کوئی تذکرہ نہیں جس پر حضرت داؤد اِستغفار کرنے لگے اور گڑگڑانے لگے اِس لیے ان دونوں باتوں کی تعیین میں مفسّرین کے درمیان بہت اِختلاف پایا جاتا ہے۔

کچھ مفسّرین نے تورات اور اِسرائیلی روایات کا سہارا لے کر ایک واقعہ کو اس آیت کی تفسیر میں ذکر کردیا کہ :

حضرت داؤد علیہ السّلام کی ننانوے بیویاں تھیں (جنھیں ننانوے دنبیوں سے تعبیر کیا گیا) ایک دن ان کی نظر ایک شخص کی بیوی پر پڑ گئی تو اس پر فریفتہ ہوگئے ---- اس شخص کو جنگ پر روانہ کرکے اسے مروادیا اور اس کی بیوی سے خود شادی کرلی۔

اللہ تعالیٰ نے دو۲ فرشتے ----- انسانی لباس میں حضرت داؤد علیہ السّلام کی خلوت گاہ میں بھیج کر اس بات سے انھیں تنبیہ فرمائی۔

اس تفسیر کو دیکھ کر دوسرے جلیل القدر مفسّرین اور محقق علماء کرام نے واضح دلائل اور مضبُوط براہین سے واضح کیا کہ اس لایعنی اور فضول قصّے کا سورۃ صاد کی ان آیات کی تفسیر سے کوئی جوڑ اور تعلّق نہیں ہے ---- یہ پوری داستان اور مکمل قصہ یہودیوں کی من گھڑت روایات میں ---- یہ قصہ سرتاپا جھوٹ کا پلندہ ---- اللہ کے رسُول پر افتراء و بہتان ہے اور پیغمبری شان اور عظمت کے منافی ہے ---- تمام محقق علماء نے اسے رد کردیا ہے۔

حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں :

قَدْ ذَكَرَ الْمُفَسِّرُوْنَ هٰهُنَا قِصَّةً اَكْثَرُهَا مَأْخُوْذٌ مِنَ الْاِسْرَآئِيْلِيَّاتِ۔

اِس جگہ مُفسّرین نے ایک ایسا قصہ بیان کیا ہے جس کا اکثر حصہ اسرائیلی روایات سے لیا گیا ہے۔

حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

مَنْ حَدَّثَكُمْ بِحَدِيْثِ دَاوٗدَ عَلٰى مَا تَرْوِيْهِ الْقُصَّاصُ جَلَدْتُهٗ مِأَيَةً وَ سِتِّيْنَ وَ هُوَ حَدُّ الْفِرْيَةِ عَلَى الْاَنْبِيَآءِ۔ (روح المعانی جلد ۲۳ صفحہ ۱۸۵، مدارک جلد ۴ صفحہ ۲۹)

جو شخص حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق یہ قصہ بیان کرے گا میں اس کو ایک سو ساٹھ درّے ماروں گا۔ جو انبیاء پر بہتان باندھنے کی سزا ہے۔

علاوہ ازیں امام بیضاوی نے تفسیر بیضاوی میں ---- ابوحیان اندلسی نے اپنی تفسیر البحر المحیط میں ---- قاضی عیاض نے شفا میں ---- اور امام رازی نے تفسیر کبیر میں اس واقعہ کو مردود قرار دیا ہے۔

آیت کی صحیح تفسیر

اصل لغزش کی تعیین میں مُفسّرین کے اقوال مُختلف ہیں۔ بعض کے نزدیک لغزش یہ تھی کہ ان کے پڑوس میں ایک عورت عریاں نہا رہی تھی وہ کھڑکی کی طرف بڑھے تو بلا قصد اچانک ان کی نگاہ اس عورت پر پڑ گئی ---- مگر انھوں نے فوراً نگاہ پھیر لی ---- اس قول کو صاحبِ قرطبی نے اپنی تفسیر قرطبی میں ذکر کیا۔

مگر یہاں لغزش سے مراد یہ کچھ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس صورت میں مقدمہ پیش کرتے ہوئے دنبیوں کے ذکر کرنے کا مقصد سمجھ نہیں آتا۔

بعض مُفسّرین نے کہا کہ:

حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک مُسلمان سے کہا تھا کہ تم میری خاطر اپنی بیوی کو طلاق دے دو اور ایسا کرنا ان کی شریعت میں جائز اور مروج تھا مگر حضرت داؤد کی بلند شان اور درجے کے خلاف تھا اس لیے انھیں تنبیہ کی گئی۔

مگر سب سے موزوں ----- مناسب اور خوبصورت تفسیر اور توجیہ یہ ہے کہ دیوار پھلانگ کر اندر داخل ہونے والے انسان نہیں تھے بلکہ فرشتے تھے جن کو اللہ ربُّ العزت نے حضرت داؤد علیہ السلام کے امتحان کے لیے بھیجا تھا۔

اور جو صورت مقدمے اور جھگڑے کی پیش کی تھی وہ واقعۃً صورت نہیں تھی بلکہ فرضی صورت تھی ---- گویا وہ یوں کہہ رہے تھے کہ اگر ہمارے درمیان یہ صورت پیش آجائے تو اس کا کیا حکم ہے؟۔

اس کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام نے مدعی کا بیان سُن کر مدعا علیہ کو صفائی کا موقع دیے بغیر اپنا فیصلہ سنا دیا۔ یہی لغزش تھی۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے جب ان دونوں کو اچانک غائب ہوتے اور آسمان کی طرف چڑھتے دیکھا تو سمجھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش اور اِمتحان تھا اور فیصلہ کرنے میں (مدعا علیہ کا بیان سنے بغیر) مجھ سے لغزش ہوگئی ہے اس لیے فوراً سربسجود ہوگئے اور اللہ ربُّ العزت کے سامنے اِستغفار کرنے لگے۔

سورۃ صاد کی اِن آیات کی یہ تفسیر ---- تفسیر مدارک نے، قرطبی نے، اور تفسیر خازن نے کی ہے ---- حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ تعالیٰ تفسیر جواہر القرآن میں لکھتے ہیں :

رئیس المفسرین حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بھی اسی قول کو پسند فرمایا ہے ---- اس قول میں نہ اِسرائیلی روایات کا سہارا لینا پڑتا ہے اور نہ ایک نبی کا دامن داغدار ہوتا ہے۔

خلاصۂ گفتگو

میری اس تقریر ---- اور میرے اس بیان کا خلاصہ اور نچوڑ یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام اللہ ربُّ العزت کے اُولوالعزم رسُول تھے ----

حضرت داؤد علیہ السلام پر اللہ ربُّ العزت کی خُصُوصی رحمت و کرم ہوا کہ

وہ ایک ہی وقت میں بادشاہ بھی تھے اور نبوت و رسالت کا تاج بھی ان کے سر پر رکھا گیا------ شجاعت و بہادری بھی ان میں بدرجۂ اتم موجود تھی ---- حسنِ صوت ایسا کہ پرندے بھی رک کر ان کی حمدِ الٰہی کو سُنتے اور پرندے ان کی سر سے سر ملا کر اللہ ربُّ العزت کی تسبیح کرتے۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ میدانِ محشر میں بھی حضرت داؤد علیہ السلام کو یہ شرف حاصل ہوگا کہ وہ پوری دنیا کے سامنے اللہ کی حمد و ثنا اپنی خُوبصُورت آواز میں کریں گے ---- اللہ تعالیٰ نے انھیں علم و حکمت سے اور فیصلے کی قوّت سے نوازا تھا--- وہ باوجود بادشاہ ہونے کے اپنے ہاتھ کی کمائی سے اپنے بال بچوں کا پیٹ پالتے تھے۔

حضرت داؤد علیہ السلام ان گنے چنے چند انبیاء میں شامل ہیں جن کو آسمانی کتاب زبور عطا کی گئی جو اللہ کی حمد و ثنا سے معمُور تھی۔

اِرشادِ باری ہے:

﴿ وَ لَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِیّٖنَ عَلٰی بَعْضٍ وَّ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴾

اور بے شک ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت بخشی ہے اور ہم نے داؤدؑ کو زبور عطا فرمائی۔ (بنی اِسرائیل ۱۷: ۵۵)

ایک اور جگہ پر فرمایا:

﴿ وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ﴾ (سبا ۳۴: ۱۰)

اور بلاشک ہم نے داؤدؑ کو اپنی طرف سے فضیلت بخشی۔

ایک اور مقام پر اِرشاد ہُوا:

﴿ وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ وَ سُلَیْمٰنَ عِلْمًا ﴾ (نمل ۲۷: ۱۵)

اور یقیناً ہم نے داؤدؑ اور سُلیمانؑ کو علم سے بہرہ ور فرمایا۔

وما علینا الا البلاغ المبین

سیّدنا سُلیمانؑ علیہ السّلام

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ وَ عَلٰی اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿ وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ وَ سُلَیْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَ قَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَنَا عَلٰی كَثِیْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ وَ وَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ وَ قَالَ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ وَ اُوْتِیْنَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍ ؕ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِیْنُ ۝ ﴾ (سورۃ نمل ۲۷ : ۱۵۔۱۶)

بے شک ہم نے داؤدؑ اور سُلیمانؑ کو علم عطا کیا اور وہ دونوں کہنے لگے تمام تر حمد و تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے اپنے بہت سے مومن بندوں پر ہم کو فضیلت عطا فرمائی اور سُلیمانؑ، داؤدؑ کے وارث ہوئے اور سُلیمانؑ نے کہا: اے لوگو ہمیں پرندوں کی بولیوں کا علم دیا گیا ہے اور ہمیں ہر چیز عطا کی گئی ہے بلاشک یہ اللہ کا کھلا ہوا فضل ہے۔

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَ سَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سامعینِ گرامی قدر! حضرت داؤد علیہ السّلام کا تفصیلی واقعہ ---- اور ان کی زندگی اور سیرت کے ضروری اور اہم واقعات آپ گزشتہ خطبہ میں سُن چکے ہیں۔

مَیں بیان کر چکا ہوں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو یہ خصوصیت اور امتیازی مقام حاصل ہے کہ اللہ ربّ العزت نے انھیں نبوت و رسالت کے ساتھ ساتھ ---- حکومت و بادشاہی بھی عطا فرمائی تھی ---- وہ اللہ کے پیغمبر بھی تھے اور ملک کے سربراہ بھی ---- اللہ نے انھیں دنیا کی نعمتوں سے بھی مالا مال فرمایا تھا اور دین کی نعمتوں سے بھی وافر حصّہ عطا کیا تھا۔

قتادہ تابعی کہتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے تقریباً انیس بیٹے تھے اور حضرت سُلیمان علیہ السلام ان میں سب سے چھوٹے تھے۔

حضرت سُلیمان علیہ السلام کی والدہ کے بارے میں ایک حدیث ابنِ ماجہ میں آئی ہے کہ

سُلیمان بن داؤد کی والدہ نے ایک دفعہ اپنے بیٹے سُلیمان کو یہ نصیحت فرمائی ---- بیٹا تمام رات سو کر نہ گزارا کرو۔ (عبادت کے لیے کچھ حصّہ رات کا جاگ کر گزارا کرو۔) اس لیے کہ رات کے اکثر حصّے کو نیند میں بسر کرنا آدمی کو روزِ محشر اچھے اعمال سے محروم کر دیتا ہے۔

قرآن میں سُلیمانؑ کا تذکرہ

قرآن مجید میں حضرت سُلیمان علیہ السلام کا ذکرِ خیر تقریباً سولہ جگہوں پر کیا گیا ہے ---- ان میں سے کچھ مقامات پر ان کا تذکرہ تفصیل کے ساتھ ہوا ---- اور کئی جگہوں پر مختصر طور پر ان انعامات اور فضل و کرم کا تذکرہ ہوا جو اللہ ربّ العزت کی جانب سے ان پر اور ان کے والد محترم حضرت داؤد علیہ السلام پر کیے گئے۔

بچپن میں فراست

اللہ ربّ العزت نے حضرت سُلیمان علیہ السلام کو بچپن ہی سے فہم و دانائی ---- علم و حکمت ---- ذہانت و فراست سے وافر حصّہ عطا فرمایا تھا ---- وہ لڑکپن ہی سے قوّتِ فیصلہ کی دولت

سے نوازے گئے تھے ----- مقدمات کے فیصلوں میں رائے کی درستگی اور پختگی کی متاعِ عزیز سے مالا مال تھے ---- بلکہ بعض مواقع پر تو حضرت داؤد علیہ السلام کے فیصلہ فرمانے کے بعد حضرت سلیمانؑ نے ایسی خوبصورت اور نفیس رائے اور صائب مشورہ دیا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے ان کے فیصلے کو مان کر اپنے کیے گئے فیصلے کو واپس لے لیا۔

ایسے ہی ایک جھگڑے اور مقدمے کی طرف قرآن مجید نے اِشارہ کیا ہے ---- جمہور مفسرین نے حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس اور سیدنا عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہم) کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ دو شخص ایک مقدمہ لے کر حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں پیش ہوئے ---- مدعی نے کہا کہ مدعا علیہ کی بکریاں رات کے وقت اس کے کھیت میں گھس گئیں اور اسے اجاڑ کر رکھ دیا ---- تمام کھیتی تباہ و برباد کر ڈالی۔

بکریوں کے مالک کو بھی بلایا گیا ---- دونوں کے بیان سُن کر حضرت داؤد علیہ السلام نے فیصلہ فرمایا کہ تمام بکریاں کھیت والے کو دے دی جائیں تاکہ اس کے نقصان کی تلافی ہو سکے ---- اس لیے کہ کھیتی کا جو نقصان ہوا تھا وہ لگ بھگ بکریوں کی قیمت کے برابر تھا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام جو ابھی لڑکپن کی عمر سے گزر رہے تھے وہ بھی وہاں موجود تھے اور یہ فیصلہ سُن رہے تھے ----- انھوں نے اپنے والد گرامی سے عرض کیا:

بابا اگرچہ آپ کا فیصلہ درست اور صحیح ہے ---- لیکن اگر اجازت ہو تو میرے ذہن میں فیصلے کی ایک بہتر رائے موجود ہے جو آپ کے فیصلے سے بہتر صورت ہو سکتی ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا: اس رائے کو بیان کرو۔

حضرت سُلیمان علیہ السّلام نے کہا:

بکریاں عارضی طور پر کھیت والے کو دے دی جائیں ---- وہ ان کا دودھ پیے اور ان کی اون سے فائدہ حاصل کرے --- اور بکریوں کے مالک سے کہا جائے کہ وہ اس اجڑے ہوئے اور برباد شدہ کھیت کی نگرانی اور حفاظت کرے --- اس میں ہل چلائے --- فصل اگائے ---- محنت کرے ---- جب کھیت اپنی اصل حالت پر آجائے ---- تو کھیت کھیت والے کو دے دیا جائے اور بکریاں بکریوں کے مالک کو واپس کردی جائیں۔

حضرت داؤد علیہ السّلام اپنے ہونہار اور دانا بیٹے کا فیصلہ سُن کر بے حد خوش اور مسرور ہوئے اور اس کے مطابق فیصلہ فرمایا۔

قرآن مجید نے اس واقعہ کو اس طرح بیان فرمایا:

﴿ وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِى الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ۝ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ﴾

اور داؤد اور سُلیمان (کا واقعہ) جب وہ ایک کھیتی کے جھگڑے میں فیصلہ کرنے لگے جس کو ایک فریق کی بکریوں کے ریوڑ نے خراب کر ڈالا تھا اور ہم ان (داؤد و سُلیمان) کے فیصلہ کے وقت (اپنے علمِ مُحیط کے اعتبار سے) موجود تھے۔ پھر ہم نے اس کے (بہترین) فیصلہ کی سمجھ سُلیمان کو عطا کردی اور داؤد و سُلیمان کو ہم نے علم و حکمت سے نوازا تھا۔ (انبیاء ۲۱: ۷۸-۷۹)

ایک اور مقدمہ

اسی طرح کا ایک اور واقعہ بخاری کتاب الانبیاء میں موجود ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السّلام کے زمانے میں دو عورتیں سفر کر رہی تھیں اور دونوں کے پاس ان کے شیر خوار معصوم بچے

---- راستے میں ایک عورت کے بچے کو بھیڑیا اٹھا کر لے گیا ---- دوسرے بچے کے بارے میں دونوں عورتوں کے درمیان جھگڑا ہو گیا ---- ہر عورت کا دعویٰ تھا کہ یہ بچہ میرا ہے اور بھیڑیا دوسری عورت کے بچے کو اٹھا کر لے گیا ہے۔

چنانچہ یہ مقدمہ حضرت داؤد علیہ السلام کی عدالت میں پیش ہوا ---- آپ نے مقدمہ کی روئیداد سنی اور دیکھا کہ بچہ بڑی عمر والی عورت کی گود میں ہے ---- چھوٹی عمر والی عورت سے پُوچھا:

بچہ دوسری عورت کے قبضہ میں ہے۔ تم اس قبضہ کے خلاف کوئی گواہ پیش کر سکتی ہو کہ یہ بچہ اس کا نہیں بلکہ تُمھارا ہے۔

چھوٹی عمر کی عورت اس کے خلاف کوئی گواہ پیش نہ کر سکی ---- چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام نے بچہ بڑی عمر والی عورت کے سپرد کرنے کا فیصلہ فرمایا، اور دوسری عورت کو جھوٹا قرار دے دیا۔

چھوٹی عمر والی عورت یہ فیصلہ سُن کر چیختی، چلاتی، روتی ہوئی ----- اور التجائیں کرتے ہوئے دربار سے نکلی اور حضرت سُلیمان علیہ السلام کے قریب سے گزری جو ابھی کم سِن تھے ---- بچے تھے ---- انھوں نے دونوں عورتوں سے مقدمے کی اور پھر فیصلے کی تفصیل پُوچھی ---- عورتوں نے پوری تفصیل سنائی --- تو حضرت سُلیمان علیہ السلام نے اپنے والد مکرم حضرت داؤد علیہ السلام کے دربار میں جا کر عرض کِیا:

بابا! آپ نے اپنی صوابدید کے مطابق فیصلہ فرما دیا۔ مگر یہ دونوں عورتیں بہت شور و غوغا کر رہی ہیں۔ چھوٹی عمر والی زیادہ چیخ اور چلا رہی ہے ----- دونوں ایک بچے کی دعویدار ہیں ---- اگر آپ میری رائے مانیں تو ان کے درمیان فیصلہ اس طرح کیا جائے کہ تیز چھری سے بچے کو دو ٹکڑے کر کے ایک ایک ٹکڑا دونوں کو دے دیا جائے۔

حضرت سلیمان کی رائے سن کر بڑی عمر والی خاموش کھڑی رہی ---- مگر کم عمر عورت یہ رائے سن کر چیخنے لگی --- تڑپنے لگی اور کہنے لگی :

اللہ کے لیے میرے بچے کے دو ٹکڑے نہ کیجیے بلکہ یہ دوسری عورت کو دے دیجیے ---- زندہ رہے گا تو میں کبھی کبھی اپنے لختِ جگر کو دیکھ تو لیا کروں گی۔

یہ سن کر سب کو یقین ہو گیا کہ یہ بچہ کم عمر عورت کا ہے اور بڑی عمر والی مکاری کر رہی ہے۔ لہذا بچہ کم عمر عورت کے سپرد کر دیا گیا۔

ان دونوں واقعات سے معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو بچپن ہی سے اللہ ربُّ العزت نے فہم و فراست ---- دانائی و تدبر اور قوتِ فیصلہ کی خوبیوں سے نوازا تھا۔

سلیمانؑ داؤدؑ کے وارث

حضرت سلیمان علیہ السلام جوانی کی عمر کو پہنچ چکے تھے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا انتقال ہوا ---- اللہ ربُّ العزت نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو نبوت اور حکومت دونوں میں حضرت داؤد علیہ السلام کا وارث اور جانشین بنایا ----

قرآن مجید میں ہے :

﴿ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ ﴾ (سورۂ نمل ۲۷ : ۱۶)

جانشین اور وارث بنے سلیمان حضرت داؤد علیہ السلام کے۔

وراثت سے مراد کیا ہے؟

یہاں وراثت سے مراد مال و جائیداد، دنیا کے ساز و سامان، زمینوں اور باغات کی وراثت مراد نہیں ہے ---- بلکہ نبوت و رسالت اور حکومت و سلطنت دونوں میں حضرت داؤد علیہ السلام کا جانشین اور وارث بنا دیا۔

اگر کوئی کج فہم اور الٹی سوچ رکھنے والا آیت کے اس حصے سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی مالی وراثت جاری

ہوتی ہے اور حضرت سُلیمان علیہ السلام اپنے والد کی جائیداد اور مال کے وارث بنے تھے تو وہ جاہل شخص قرآن کی آیت کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کرتا ہے اور انبیاء پر معاذ اللہ ظلم کا بہتان باندھتا ہے۔

اس لیے کہ اگر یہاں سے مراد حضرت داؤد علیہ السلام کے مال اور جائیداد کی وراثت ہے تو پھر اکیلے سُلیمان کا وارث بننا ظلم ہوگا ۔۔۔ کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاں سُلیمان کے علاوہ اور بھی بیٹے اور بیٹیاں تھیں ۔۔۔۔ دوسرے بیٹے اور بیٹیاں والد کی وراثت سے کیوں محروم رکھے گئے۔

اس لیے یہ تسلیم کیے بنا کوئی چارہ نہیں کہ یہاں وراثت سے مراد وراثتِ مالی نہیں بلکہ وراثتِ نبوت ہے ۔۔۔۔ وراثتِ جائیداد نہیں بلکہ وراثتِ سلطنت و حکومت ہے۔

علاوہ ازیں امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے صحیح اِرشادات (جو کُتبِ صحاح میں موجود ہیں) بھی اس کی تائید کرتے ہیں کہ انبیاء مال و دولت وراثت میں نہیں چھوڑتے بلکہ حِکمت و دانائی اور علم کی دولت وراثت میں چھوڑتے ہیں۔

اِرشادِ نبوی ہے :

نَحْنُ مَعَاشِرُ الْاَنْبِيَاءِ لَا نَرِثُ وَلَا نُوْرِثُ مَا تَرَكْنَا فَهُوَ صَدَقَةٌ۔

ہم انبیاء کی جماعت نہ کسی کے وارث بنتے ہیں اور نہ ہی ہمارا وراثتِ مالی کا سلسلہ چلتا ہے۔ ہم جو کچھ چھوڑ کر جاتے ہیں وہ صدقہ ہوجاتا ہے۔

سامعینِ گرامی قدر ! آئیے لگتے ہاتھ ایک روایت اہلِ تشیّع کی معتبر ترین کتاب اُصول کافی سے سُن لیجیے۔ (یہ بات ذہن میں رہے کہ اہلِ تشیّع انبیاء کے لیے وراثت مالی کے قائل ہیں ۔۔۔ وہ کہتے ہیں کہ باغِ فدک نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی مِلکیّت تھا ۔۔۔ مگر آپؐ کی وفات کے بعد خلفاء ثلاثہ نے سیدہ فاطمہؓ کو وراثت سے محروم رکھا ۔۔۔۔ سیدہ فاطمہ رضی اللّٰہ عنہا اپنا حصہ وراثت کا مانگتی رہیں

مگر خلفاء ثلاثہ دینے سے انکاری رہے۔)

یہ روایت جو میں اُصول کافی سے پیش کرنے لگا ہوں ---- اس کو حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ الْعُلَمَآءَ وَرِثَةُ الْاَنْبِيَآءِ وَ ذَالِكَ اِنَّ الْاَنْبِيَآءَ لَمْ يُوَرِّثُوْا دِرْهَمًا وَلَا دِيْنَارًا اِنَّمَا وَرَّثُوْا اَحَادِيْثَ مِنْ اَحَادِيْثِهِمْ فَمَنْ اَخَذَ بِشَيْءٍ مِّنْهَا فَقَدْ اَخَذَ بِحَظٍّ وَّافِرٍ۔ (اصول کافی)

بے شک علماء کی جماعت انبیاء کی وارث ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء کرام کسی کو درہم و دینار کا وارث نہیں بناتے بلکہ وہ اپنے حکمت بھرے اِرشاد وراثت کے طور پر چھوڑتے ہیں جس نے ان اِرشادات واقوال سے کوئی چیز حاصل کی اس نے نبوت و رسالت کی وراثت سے بڑا حصہ پایا۔

علاوہ ازیں ذرا اس بات پر بھی ٹھنڈے دل و دماغ سے غور فرمائیے کہ: ایک پیغمبر کی مقدس ترین ذات اس چیز سے پاک ہے اور بالاتر ہے کہ وہ دنیا کی حقیر دولت کی کمائی کی طرف مائل ہو---- اللہ کا سچا پیغمبر ہو اور مال و متاع کی محبت کا اسیر ہو؟۔

ایک برحق نبی کی فطرت اور غیرت یہ گوارا نہیں کرتی کہ دنیا کے حقیر مال پر اس کی وراثت بٹتی پھرے۔ ایک صادق پیغمبر کی زندگی کا نصب العین دنیا کمانا نہیں---- وراثت کی فکر نہیں، بلکہ اس کی زندگی کا مقصدِ حیات دعوت و تبلیغ ہے۔

ایک سچے پیغمبر کو یہ بات گوارا نہیں کہ دعوت و تبلیغ کے پردوں میں صرف اس لیے دنیا کی دولت جمع کرتا رہے کہ اس کے پسماندگان---- اس کے خاندان والے اور اُس کی اولاد اُس سے مالا مال ہو جائے۔

صادق نبی محبتِ الٰہی میں اور تبلیغِ دِین میں اِتنا مُستغرق ہوتا ہے کہ دُنیا کی اور مال و دَولت کی نفیس سے نفیس چیز اور اعلیٰ سے اعلیٰ ترین چیز بھی اُس کے پاکیزہ دِل کو اپنی طرف نہیں کھینچ سکتی۔

سچّے اور امین پیغمبر کو دُنیا کی دَولت کے، خُوبصُورت عورت کے اور عرب کی حکومت کے لالچ دِیئے جاتے ہیں اور وہ جواب میں کہتا ہے:

زمین کی متاع، زمین کی دَولت و حکومت کے لالچ دیتے ہو ----

سنو! اگر تم میرے ایک ہاتھ پر آفتاب لاکر رکھ دو اور دوسرے ہاتھ پر مہتاب کا نظام لاکر رکھ دو تو مَیں پیغامِ الٰہی کے سنانے کے بدلے میں اسے جُوتی کی نوک پر رکھتا ہوں۔

حضرت سُلیمانؑ کی خُصُوصیات

آپ سماعت فرماچکے ہیں کہ حضرت سُلیمان علیہ السلام کو بچپن ہی میں دانائی، حکمت اور تدبر کی نعمتوں سے نوازا گیا --- پھر انھیں نبوت اور حکومت عطا فرما کر حضرت داؤد علیہ السلام کا جانشین بنایا گیا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی طرح ---- بلکہ ان سے بھی کچھ زیادہ ---- اور ان سے بھی بڑھ کر حضرت سُلیمان علیہ السلام کو کچھ خُصُوصیات اور انفرادی صفات سے مالا مال کِیا گیا۔

اللہ ربُّ العزت نے اپنے خُصُوصی کرم اور خُصُوصی رحمت سے حضرت سُلیمان علیہ السلام کو بعض ایسی خوبیوں اور ایسے کمالات سے نوازا ---- جِن خُوبیوں اور کمالات کی وجہ سے وہ انبیاءِ کرامؑ کی جماعت میں ایک اِمتیازی اور اِنفرادی مقام پر فائز ہُوئے۔

مَیں اِن خُوبیوں ---- کمالات اور صفات میں سے کچھ کا تذکرہ آپ حضرات کے سامنے کرنا چاہتا ہوں۔

ہوا کا مسخر ہونا

حضرت سلیمان علیہ السلام کی ایک خصوصیت ---- اور ایک وصف جو اللہ رب العزت نے انھیں عطا فرمایا تھا، وہ تھا ہوا کا اُن کے حق میں مسخر ہو جانا ----

قرآن نے تین سورتوں میں اسے ذکر کیا ہے۔

﴿ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖٓ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ﴾ (الانبیاء ۲۱ : ۸۱)

اور سلیمان کے تابع کردی زور سے چلنے والی ہوا کہ چلتی تھی سلیمان کے حکم سے اس زمین کی طرف جس میں ہم نے برکتیں رکھی ہیں اور ہم ہر چیز کو جاننے والے ہیں۔

سورۃ صاد میں اس معجزے کو اس طرح بیان فرمایا:

﴿ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَاۗءً حَيْثُ اَصَابَ ﴾ (ص ۳۸ : ۳۶)

پس ہم نے مسخر کردیا سلیمان کے لیے ہوا کو کہ چلتی تھی اس کے حکم سے نرم نرم جہاں وہ پہنچنا چاہتا۔

سورۃ سبا میں اس واقعہ کو ان الفاظ میں بیان فرمایا:

﴿ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ﴾ (سبا ۳۴ : ۱۲)

ہم نے مسخر کردیا ہوا کو سلیمان کے لیے صبح کو ایک مہینے کی مسافت طے کرتی اور شام کو ایک مہینے کی مسافت طے کرتی۔

قرآن مجید کی ان تینوں آیتوں کو دیکھتے ہوئے تین باتیں سمجھ آتی ہیں۔

ایک یہ کہ اللہ رب العزت نے ہوا کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے حق میں مسخر اور فرمانبردار کردیا تھا۔ وہ جہاں جانا چاہتے تخت پر بیٹھ کر تشریف لے جاتے۔ (گویا کہ سلیمان کا تخت انجن، مشین، ڈیزل و پٹرول سے بالا بالا اللہ کے حکم سے ہوائی جہاز بن جاتا تھا اور ہوا کے دوش پر اڑتا چلا جاتا تھا۔)

دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ تیز و تند اور شدید ترین ہوا حضرت سُلیمان علیہ السّلام کے حکم سے نرم ہو جاتی۔

(تخت کو زمین سے فضاؤں میں اٹھانے کے لیے تیز و تند ہوا چلتی اور جب تخت فضاؤں میں بلند ہو جاتا تو وہی تند و تیز ہوا حضرت سُلیمان علیہ السّلام کے حکم سے نرم اور ملائم ہو جاتی۔)

تیسری بات یہ ثابت ہوئی کہ ہوا کے باوجود نرم اور ملائم ہونے کے اس کی تیز روی اور برق رفتاری کا یہ عالم تھا کہ وہ تخت ایک مہینے کی مسافت صبح اور ایک مہینے کی مسافت شام کو طے کرتا تھا۔

یعنی ایک تیز رو گھوڑا جتنا سفر ایک مہینے میں طے کرتا ہے حضرت سُلیمان علیہ السّلام کا تخت ہوا کے دوش پر سوار ہو کر وہ سفر صبح کے وقت طے کرتے --- اور پھر اتنا ہی سفر شام کو طے کرتے تھے۔

حیوانات و پرند بھی مُسخّر

حضرت سلیمان علیہ السّلام کی ایک خُصوصیت کا ذکر آپ نے سُن لیا کہ ان کا تخت ہوا میں اُڑتا ہے اور بحکم اِلٰہی ہوا اُن کے تابع فرمان ہے۔

حضرت سُلیمان علیہ السّلام کی حکومت و اقتدار کا ایک امتیازی مقام ایسا بھی تھا جو کائنات میں کسی دوسرے کے حصّے میں نہیں آیا۔

اور وہ امتیازی وصف یہ ہے کہ حضرت سُلیمانؑ کی حکومت صرف انسانوں پر نہیں تھی بلکہ سرکش جِنّات، حیوانات بھی ان کے حکم کے زیرِ نگین تھے۔

حضرت سُلیمان علیہ السّلام کے پُر وقار دربار میں انسانوں کے علاوہ ---- جِنّ حیوانات بھی حکومتی خدمات کے لیے حاضر رہتے تھے ---- اور سب کے سب اپنے اپنے منصب اور اپنے ذمہ لگائی گئی خدمات اور ڈیوٹیاں --- بغیر چُون و چرا ادا کرتے تھے۔

ایک دن حضرت سُلیمان علیہ السّلام کا دربار پُورے جاہ و جلال ----- اور پُوری شان و شوکت کے ساتھ سجا ہُوا تھا ----- اور وہ ایک بیدار مغز اور مدبرو منتظم حکمران ہونے کی وجہ سے اپنے لشکر، اہل کاروں اور سرکاری ملازمین کی کڑی نگرانی فرما رہے تھے ---- حضرت سُلیمان علیہ السّلام نے جب پرندوں کے دستے کا جائزہ لیا تو ایک پرندے ہدہد کو اپنی جگہ اور اپنی ڈیوٹی سے غیر حاضر پایا ----- آپ جیسا مُنصف مزاج اور آپ جیسا منتظم کب گوارا کر سکتا تھا کہ آپ کا کوئی لشکری، کوئی سرکاری اہل کار اور ملازم آپ کی اجازت کے بغیر کہیں چلا جائے اور ڈیوٹی سے غیر حاضر پایا جائے ---- آپ نے از راہِ حیرت و تعجب فرمایا آج ہدہد نظر نہیں آ رہا ---- وہ کہاں لاپتا ہو گیا ہے۔

اس واقعہ کو قرآن مجید نے اس انداز میں بیان فرمایا ہے:

﴿ وَ تَفَقَّدَ الطَّیْرَ فَقَالَ مَا لِیَ لَاۤ اَرَی الْهُدْهُدَ ۖؗ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِیْنَ ﴾

(سورۂ نمل ۲۷: ۲۰)

حضرت سلیمان علیہ السّلام نے پرندوں کا جائزہ لیا تو کہنے لگے کیا بات ہے کہ مَیں ہدہد کو نہیں دیکھتا، یا وہ اُن چیزوں میں سے ہو گیا ہے جو مجھ سے غائب ہیں۔

پرندوں سے حضرت سُلیمان علیہ السّلام مختلف کام لیتے تھے ----- ان کا تخت جب ہوا میں اڑتا تو پرندے پر سے پر ملا کر اس کے اوپر اس طرح اُڑتے کہ سایہ کے لیے سائبان بن جاتا ---- خصُوصاً دوسرے علاقوں میں پہنچنے کا کام بھی پرندوں سے لیا جاتا ---- ہدہد کے مُتعلق مشہور ہے کہ جس جگہ زمین کے نیچے پانی قریب ہو ہدہد کو محسُوس ہو جاتا ہے۔

ممکن ہے اس وقت حضرت سُلیمان علیہ السّلام کو ہدہد کی کوئی خاص ضرورت محسُوس ہوئی ہو ---- اس لیے خاص اسی کا ذکر فرمایا۔

(سامعینِ گرامی قدر ! قرآن مجید کے الفاظ پر غور فرمائیے اور ایک لمحہ کے لیے ٹھہر کر سوچیے کہ اللہ کے پیغمبر ہیں --- اور پیغمبر بھی جلیل القدر ---- اللہ نے علم و حکمت سے نوازا ہے ---- بڑے کمالات سے مالا مال ہوئے ---- اور ہیں بھی زندہ ---- پھر سوئے ہوئے بھی نہیں، جاگ رہے ہیں ---- مگر پرندوں کا جائزہ لیتے ہوئے فرماتے ہیں: مَا لِیَ لَآ اَرَی الْهُدْهُدَ ---- مجھے آج کیا ہوا کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھتا ---- ہدہد اسی دنیا میں موجود تھا ---- مگر حضرت سُلیمان علیہ السلام کو ہدہد نظر نہیں آ رہا تھا۔

ایک طرف قرآن کا یہ واضح بیان ہے ---- اور دوسری طرف ضعیف الاعتقاد لوگوں کے بے دلیل نظریات و عقائد ہیں ---- کہ انبیاء اور اولیاء حاضر و ناظر ہیں --- بزرگ ہر چیز کو دیکھ رہے ہیں ---- اللہ کے نبی اور ولی عالم الغیب ہیں ---- ہمارا مرشد ہر وقت ہمارے حالات کو دیکھتا اور جانتا ہے ---- شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ ساری دنیا کو اس طرح دیکھتے ہیں جس طرح ہم اپنی ہتھیلی کو دیکھتے ہیں۔

یہ سب بلا دلیل باتیں ہیں ---- یہ مسئلے نہیں ڈھکوسلے ہیں ---- اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں قرآن کی طرف آئیے ---- قرآن پڑھیے ---- قرآن کو سمجھنے کی کوشش کیجیے ---- حضرت سُلیمان علیہ السلام جیسا اُولوالعزم اور باکمال پیغمبر ہے، ابھی زندہ ہے، فوت نہیں ہوا ---- سویا بھی نہیں، جاگ رہا ہے۔ مگر ان سے ہدہد پوشیدہ ہے ---- انھیں ہدہد نظر نہیں آ رہا ---- حضرت سُلیمان علیہ السلام کہتے ہیں ---- اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِیْنَ ---- یا ہدہد بھی ان چیزوں میں سے ہو گیا ہے جو مجھ سے پوشیدہ اور غائب ہیں۔)

حضرت سُلیمان علیہ السلام نے ہدہد کی بغیر اطلاع غیر حاضری پر فرمایا:

﴿ لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِیْدًا اَوْ لَاَا۟ذْبَحَنَّهٗۤ اَوْ لَیَاْتِیَنِّیْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴾

میں ہدہد کو سخت ترین سزا دوں گا۔ (مثلاً اس کے بال و پر نوچ ڈالوں گا) یا سرے سے اس کو ذبح کر دوں گا یا میرے پاس اپنی غیر حاضری کی معقول وجہ پیش کرے گا۔ (سورۂ نمل ۲۷: ۲۱)

ہمارے لیے سبق

حضرت سلیمان علیہ السلام اور ہدہد کے اس واقعہ سے اور گفتگو سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ وقت کے حکمران کا فرض منصبی ہے کہ وہ اپنی رعایا کی خبر گیری کرتا رہے---- اور ان کے حالات کا جائزہ لیتا رہے---- ایسا نہ ہو کہ حکمران کے بے خبری، غفلت اور سستی کی وجہ سے طاقت ور لوگ کمزوروں پر ظلم ڈھاتے رہیں--- سرمایہ دار غریبوں کا خون چوستے رہیں--- رعایا کے حقوق پامال ہوتے رہیں۔

امیرالمومنین خلیفۂ ثانی لاثانی حضرت سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ اپنی رعیت کے حالات سے ہمیشہ باخبر رہتے تھے---- ایک موقع پر انھوں نے فرمایا:

اگر فرات دریا کے کنارے کسی بھیڑ کے بچے کو کوئی بھیڑیا اٹھا کر لے جائے تو اس کے بارے قیامت کے دن عمرؓ سے پوچھ ہوگی اور عمرؓ کو ساری خلقت کے سامنے جوابدہ ہونا پڑے گا۔

دوسری بات اس واقعہ سے یہ واضح ہوئی کہ:

سرکاری ملازمین کو دفتری ٹائم میں اپنی ڈیوٹی پر حاضر رہنا چاہیے---- تاکہ دور دراز سے سائل آئیں تو انھیں اپنے کام کے سلسلہ میں مشکل اور دشواری نہ ہو---- کیونکہ سرکاری ملازمین کو سرکار کی جانب سے تنخواہ، دفتری ٹائم میں کام کرنے کی ملتی ہے---- انھوں نے سرکار سے معاہدہ کر رکھا ہوتا ہے کہ ہم اتنے گھنٹے کام کریں گے اور آپ ہمیں اتنی تنخواہ دیں گے--- اب اگر کوئی سرکاری یا غیر سرکاری ملازم اپنی طے شدہ ڈیوٹی پوری ادا نہیں کرتا اور طے شدہ وقت پورا نہیں دیتا، یا بلا وجہ چھٹی کرتا ہے تو وہ اپنی حلال روزی کو

مشکوک بنانے میں لگا ہوا ہے۔

ہدہد آگیا

اس بات کو ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ ہدہد آگیا ---- حضرت سلیمان علیہ السلام کی بازپرس پر ---- کہ کہاں گئے تھے ---- بغیر اطلاع دیے اور بغیر اجازت کے کیوں گئے تھے؟۔

ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے دریافت فرمانے پر جو تقریر بھرے دربار میں کی ---- وہ اللہ رب العزت کو اتنی پسند آئی کہ اسے قرآن کے اوراق میں جگہ دے دی۔

ہدہد نے کہا:

﴿ اَحَطتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ ﴾ (۲۷ : ۲۲)

بادشاہ سلامت ناراض نہ ہوں ---- میں آج ایسی یقینی خبر لایا ہوں جس کی خبر آپ کو نہ تھی۔ ہاں میں جانتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں ---- پھر بادشاہ بھی ہیں ---- میں تسلیم کرتا ہوں کہ آپ کا تخت ہوا میں پرواز کرتا ہے ---- میں جانتا ہوں کہ آپ کی حکومت انسانوں کے علاوہ جنات پر بھی ہے ---- آپ پرندوں کی بولیاں سمجھتے ہیں ---- میں مانتا ہوں کہ اللہ رب العزت نے اپنے فضل و کرم سے آپ کو بڑے بڑے کمالات اور خوبیوں سے نوازا ہے --- مگر اتنے کمالات کے باوجود آپ عالم الغیب نہیں ہیں۔ اس لیے جو خبر میں آج لے کر آیا ہوں اس خبر کا آپ کو کوئی پتا اور علم نہیں ہے۔

(سامعینِ گرامی قدر! ایک لمحہ کے لیے یہاں رکیے اور غور فرمائیے۔

ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں --- ان کے روبرو کہا کہ جو خبر آج میں لایا ہوں اس کا پتا اور علم آپ کو نہیں ہے ---- ایک منٹ کے لیے سوچیے! اگر یہ بات ہدہد آج کے ہمارے معاشرے اور دور میں کہتا تو نام نہاد عاشقانِ رسول طعن و تشنیع کرتے ہوئے اس پر ٹوٹ پڑتے ----

کوئی کہتا وہابی ہے ----- کوئی کہتا گستاخِ رسُول ہے ---- کوئی کہتا منکر ہے ---- کوئی کہتا بے ادب ہے ---- کوئی کہتا نبی کا دشمن ہے ---- دیکھو جی ! ایک صاحب اوصاف و کمال پیغبر کو کہتا ہے : اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ ---- جس خبر کا مجھے پتا ہے آپ کو اس کا علم نہیں ہے۔

اے کاش آج کے مُسلمان کا عقیدہ و ایمان ہدہد جیسا ہو جائے کہ انبیاء عالم الغیب نہیں ہوتے۔ بلکہ انھیں اتنا ہی علم ہوتا ہے جتنا اللّٰہ ربُ العزت انھیں عطا فرماتا ہے۔)

وہ خبر کیا تھی

جس خبر کے بارے میں ہدہد بتانا چاہتا تھا ---- وہ خبر اس نے بڑے احسن انداز میں حضرت سُلیمان علیہ السّلام تک پہنچائی ---- کہتا ہے :

﴿ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ﴾ (۲۷ : ۲۲)

اور میں سبا کی ایک یقینی اور تحقیقی خبر لے کر آپ کے پاس آیا ہوں ---- سبا ایک قوم کا نام ہے جو یمن کے علاقے مین رہائش پذیر تھی۔

ہدہد نے قوم سبا کی حالت کو بیان کرتے ہوئے پہلے ان کے سیاسی حالات کو بیان کیا ---- اور پھر ان کی مذہبی حالت کا تذکرہ کیا۔

قوم سبا کی سیاسی حالت کو بیان کرتے ہوئے ہدہد کہتا ہے :

﴿ اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ﴾ (۲۷ : ۲۳)

میں نے پایا ایک عورت کو جو ان کی ملکہ ہے اور اسے ہر چیز ملی ہے اور اس کا تخت عظیم الشان ہے۔

مُفسّرین قوم سبا کی ملکہ کا نام بلقیس ذکر کرتے ہیں ---- جسے دنیوی نعمتوں سے وافر حصہ ملا تھا۔ اور اس کے بیٹھنے کا تخت ایسا مُکلّف، مرصّع،

خُوبصُورت اور بیش قیمت تھا کہ اس وقت کسی بادشاہ کے پاس نہ تھا۔

پھر ہدہد قوم سبا کی مذہبی حالت کو یوں بیان کرتا ہے:

﴿ وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴾ (۲۷ : ۲۴)

میں نے اس ملکہ کو بھی اور اس کی قوم کو بھی دیکھا ہے کہ وہ اللہ کے سوا سورج کا سجدہ کرتے ہیں۔ شیطان نے ان کے لیے ان کے شرکیہ اعمال کو خُوبصُورت اور اچھا کر کے دکھایا ہے اور راہِ مُستقیم سے ہٹا رکھا ہے لہذا وہ راہ (ہدایت) نہیں پاتے۔

ہدہد نے یہ کہہ کر حضرت سُلیمان علیہ السلام کو ترغیب دی کہ اگر وہ لوگ شرک سے باز نہیں آتے تو ان کے خلاف جہاد کرنا چاہیے۔

ہدہد نے اپنی تقریر کو جاری رکھتے ہوئے بڑے خُوبصُورت انداز میں مسئلہ اِلٰہ کو بیان بھی کیا اور اِلٰہ کی حقیقت کو واضح بھی کیا۔

کہتا ہے:

اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ○ اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ (۲۷ : ۲۵-۲۶)

(تعجب ہے) کہ وہ لوگ اس اللہ کا سجدہ کیوں نہیں کرتے جو آسمان و زمین کی چھپی ہوئی چیزوں کو باہر نکالتا ہے۔ (سورج چاند ستارے چھپے ہوئے ہوتے ہیں۔ پھر اللہ انھیں باہر نکالتا ہے ---- فصلیں اور نباتات زمین میں چھپے ہوئے ہوتے ہیں، پھر اللہ انھیں باہر نکالتا ہے ---- زمین میں خزانے اور معدنیات چھپے ہوئے ہوتے ہیں پھر اللہ انھیں باہر نکالتا ہے۔ (یہ اس کے کمال قدرت، مُتصرف فی الامور ہونے اور مُختارِ کُل ہونے کی دلیل ہے۔)

اور وہ اللہ ان چیزوں اور باتوں کو بھی جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو۔ (یعنی عالم الغیب بھی صرف وہی ہے۔)

ہدہد اللہ ربُ العزت کی دونوں صفتیں (عالم الغیب ہونا اور مُختارِ کُل ہونا) ذکر کرنے کے بعد نتیجہ نکالتا ہے:

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ..... اگر عالم الغیب بھی صرف اللہ ہے اور اگر مُختارِ کُل بھی صرف اللہ ہے تو پھر اس کے سوا اس کائنات میں اِلٰہ اور معبُود کوئی اور نہیں ہو سکتا.... اِلٰہ اور معبُود ہے تو صرف اور صرف وہی ہے۔

توحید کا بیان دِلچسپ

ہدہد کی تقریر پر ایک مرتبہ پھر غور فرمائیے اور دیکھیے کہ توحید کا مضمُون اور توحید کا موضوع بڑا عجیب اور دِلچسپ ہے اور موحد مبلغ کا حال بھی کچھ عجیب ہی قسم کا ہے .... بیان میں جب توحید کا مضمُون آتا ہے تو موحد مبلغ بے ساختہ اور بے قرار ہو جاتا ہے اور وہ توحید کے مضمُون کو آگے سے آگے بڑھاتا چلا جاتا ہے .... وہ توحید کے مضمُون کو بیان کرتے ہوئے مست ہو جاتا ہے .... یہی حال ہدہد کا ہوا کہ اس نے بات تو ملکہ سبا .... اور اس کی قوم اور ملک کے حالات کے بارے شروع کی تھی .... مگر جونہی اس بات کے دوران توحید کی بات آئی .... تو ہدہد توحیدِ الٰہی کے دریا میں ایسا مُستغرق ہو گیا کہ اس کو یاد ہی نہ رہا کہ وہ یہاں دربار شاہی میں کیا بات کرنے کے لیے حاضر ہوا ہے ..... اس نے تھوڑی سی بات اصل مقصد کی کر کے توحید پر وعظ کہنا شروع کر دیا۔

پھر لُطف کی بات یہ ہے کہ ہدہد نے توحید پر وعظ کہنا شروع کیا تو نہ حضرت سُلیمان علیہ السّلام نے اُسے روکا کہ بھائی یہ کیا کہنا تم نے شروع کر دیا ہے۔ اصل مقصد کی بات کرو.... اور نہ دربار سُلیمانی میں سے کسی درباری نے روکا۔

اس لیے کہ توحید کا بیان کرنے والا بھی بے خود سا ہو جاتا ہے اور

توحید سُننے کے شوقین بھی توحید کا مضمون سُن کر مست ہوجاتے ہیں۔
(آج ہمارے ملک میں یہ شرف صرف اور صرف جمعیت اشاعۃ التوحید و السُنّۃ کے مبلغین و مقررین کو اور اس جماعت سے تعلق رکھنے والے اراکین کو حاصل ہے کہ وہ کسی بھی عنوان سے توحید بیان کرنے کی راہ نکالتے ہیں اور پھر توحید بیان کرتے ہوئے خود بھی بے خود ہوجاتے ہیں اور سامعین کو بھی توحیدِ الٰہی کے دریامیں مُستغرق کردیتے ہیں۔)

ہدہد کی ذہانت و فطانت دیکھیے ---- ہدہد کی عقل مندی اور سمجھ داری دیکھیے ---- ہدہد کی تقریر کا ربط اور تسلسل دیکھیے کہ اس نے اپنے مضمون کو جہاں سے شروع کیا تھا وہیں لاکر ختم کِیا ---- ہدہد نے گفتگو کا آغاز ملکہ کے عرش (تخت) سے کیا تھا: وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ ---- اور اپنی گفتگو کو توحید کے مضمون پر ختم کرتے ہوئے کہتا ہے ---- اصل عرش تو وہ عرش ہے جس عرش کا مالک ربِ ذوالجلال ہے۔ باقی عرشوں اور تختوں کی حیثیت مالک الملک اور ربُ العالمین کے عرش (تخت) کے سامنے کیا ہے۔ اور جس کی نگاہ اس عرش کے سامنے جھکی ہوئی ہو وہ دنیا کے باقیِ عرشوں کو کیا جانے اور کیا سمجھے ----

ہدہد کی تقریر اور بیان سُن کر حضرت سُلیمان علیہ السلام مُطمئن نہیں ہوئے ---- انھوں نے ہدہد کی بات پر اعتبار نہیں کِیا اور سمجھا یہ سزا سے بچنے کے لیے عذر اور بہانہ بنا رہا ہے ---- حالانکہ ہدہد سچّا تھا ---- اور جو کچھ اس نے بیان کیا تھا وہ حقیقت پر مبنی تھا ---- لیکن حضرت سُلیمان علیہ السلام اس کی بات کا اعتبار نہیں فرما رہے۔ (یہ بھی اس حقیقت پر دلیل ہے کہ حضرت سُلیمان علیہ السلام عالم الغیب اور حاضر و ناظر نہیں تھے۔)

حضرت سُلیمان علیہ السلام نے فرمایا:

﴿سَنَنْظُرُ أَصَدَقْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ﴾ (۲۷:۲۷)

ہم دیکھیں گے اور پوری تصدیق کریں گے کہ تو سچ کہہ رہا ہے یا تو جھوٹ کا سہارا لے رہا ہے۔

تو اگر واقعی اپنی اس کہانی سنانے میں سچا ہے تو میرا یہ خط لے جا اور انھیں پہنچا اور پھر ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو جا اور دیکھتا رہ کہ ان کا ردعمل کیا ہے؟ ان کے تاثرات کیا ہیں؟ خط پڑھ کر وہ آپس میں کیا گفتگو کرتے ہیں؟۔

ہدہد سلیمانؑ کا قاصد

ہدہد حضرت سُلیمان علیہ السّلام کا ایلچی اور قاصد بن کر یمن پہنچا ------ ملکہ بلقیس اپنے محل میں آرام کر رہی تھی ---- محل کے دروازوں پر زبردست پہرے تھے۔ ہدہد روشن دان کے راستے داخل ہوا اور حضرت سُلیمان علیہ السّلام کا مکتوبِ گرامی ملکہ بلقیس کے سینے پر رکھ دیا۔ (موضح القرآن)

بعض مُفسّرینؒ کہتے ہیں کہ ملکہ بلقیس اپنے دربار میں درباریوں کے جھرمٹ میں بیٹھی ہوئی تھی کہ ہدہد وہاں پہنچا اور خط ملکہ بلقیس کی جھولی میں ڈال دیا۔

ملکہ نے خط پڑھا --- خط کا مضمون اِنتہائی مُختصر تھا --- ایسا جامع، پُرعظمت، بارعب اور اتنا مُختصر خط شاید ہی دنیا میں کسی نے تحریر کیا ہو۔

﴿ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴾ (۲۷: ۳۰ـ۳۱)

یہ خط سُلیمان کی طرف سے لکھا گیا ہے اللہ کے بابرکت نام کی مدد سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان اور انتہائی رحم کرنے والا ہے۔ تم لوگ میرے مقابلے میں زور، سرکشی، تکبّر و غرور اور برتری کا اظہار نہ کرو اور مُسلمان بن کر (فرمانبردار بن کر) میرے پاس آجاؤ۔

ملکہ بلقیس نے یہ خط پڑھا ---- خط کے اعجاز، طرزِ کلام، فصاحت و بلاغت، لکھنے والے کے اعتماد کو دیکھ کر مرعوب ہوگئی۔

اسی وقت پارلیمنٹ کا اجلاس طلب کیا، اپنے وزیروں، مشیروں اور ارباب اقتدار ---- اپنی فوج کے سالار ---- سب کو جمع کیا ---- انھیں بتایا کہ ایک باوقعت، عزت والا خط مجھ تک پہنچا ہے ---- پھر انھیں خط کا مضمون پڑھ کر سنایا ---- پھر ان کی رائے پوچھی کہ بتاؤ کیا کرنا چاہیے؟۔

میں ہر اہم معاملہ میں تمھارے ساتھ مشورہ کرتی ہوں ---- اور کوئی فیصلہ بھی تمھارے مشورہ کے بغیر نہیں کرتی --- اب کہو اس معاملہ میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟۔

سُلیمان کے سامنے ہتھیار ڈال دیں ---- سُلیمان کی اطاعت و فرمانبرداری کرلیں یا اس کے ساتھ مقابلے کی تیاری کریں۔

وزیروں اور مشیروں نے ---- مجلس شوریٰ کے ارکین نے کہا:

جہاں تک فوج کی تعداد، لشکر کی کثرت، جنگی سامان کی فراہمی، عسکری قوت اور جنگ میں شجاعت و دلیری اور پامردی کا تعلق ہے تو وہ آپ سے پوشیدہ نہیں ---- ﴿نَحۡنُ أُوْلُواْ قُوَّةٖ وَأُوْلُواْ بَأۡسٖ شَدِيدٖ﴾ (۲۷ : ۳۳)

ہم زبردست قوت و طاقت والے ہیں ---- آپ جانتی ہیں کہ وقت آنے پر ہم اپنی بہادری، شجاعت اور جوانمردی کے جوہر دکھائیں گے ---- اپنے ملک کی حفاظت کریں گے۔

رہا اس معاملے میں مشورہ تو تمام تر فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے جو آپ مناسب جانیں اور سمجھیں اس کے مطابق حکم کریں ہم سب آپ کے فیصلہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کریں گے۔

ملکہ بلقیس کی دانائی

ملکہ بلقیس نے وزیروں اور مشیروں کی رائے سُن کر کہا ---- اس بات میں

کوئی شک نہیں ہے کہ ہم پوری شان و شوکت رکھنے والی قوم ہیں ---- ہمارے پاس اسلحہ اور جنگی قوت بدرجۂ اتم موجود ہے ---- ہمارے پاس فوج ظفر موج بھی ہے ---- مگر سلیمان کے بارے جلد بازی میں کوئی فیصلہ کرنا عقلمندی نہیں ہوگی۔

پہلے ہمیں اس کی طاقت و قوت، شان و شوکت کا اندازہ کرنا ضروری ہے ---- اس لیے کہ جس عجیب اور انوکھے طریقے سے اس کا خط پہنچا ہے اور جو با رعب مہر بند پیغام اس نے دیا ہے اس کو پڑھ کر ہمیں سلیمان کے بارے سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا ہوگا ---- جلد بازی میں کوئی جذباتی قدم اٹھا کر ہم اپنی ہلاکت و تباہی اور ذلت و بربادی کو دعوت نہیں دے سکتے۔

اس کے لیے کوئی تدبیر کرنی ہوگی ---- اور میرے ذہن میں تدبیر یہ ہے کہ اپنے کچھ ذہین و فطین اور دانا و فہیم قاصدوں کو عمدہ سے عمدہ، قیمتی سے قیمتی اور نفیس سے نفیس تحفے دے کر سلیمان کے ہاں بھیجوں اور اس بہانے سلیمان کی بادشاہی ---- شان و شوکت، عظمت و جلال کا اندازہ لگاؤں ---- اور اس ذریعہ سے یہ بھی معلوم کرلوں کہ واقعی سلیمان اللہ کا پیغمبر ہے یا فقط بادشاہ ہے۔

اگر وہ واقعی پیغمبر ہوا ---- یا زور آور بادشاہ ---- طاقت ور حکمران ---- ناقابلِ شکست سپہ سالار ---- جس کی طاقت و قوت اور لشکر عظیم ہو تو پھر اس کے ساتھ لڑنا ---- اور جنگ کرنا عقل مندی نہیں ہوگی ---- کیونکہ :

﴿ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَ جَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ وَ كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴾ (۲۷ : ۳۴)

اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ بادشاہ جب فاتح بن کر کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو اسے برباد کردیتے ہیں اور شہر کے معزز لوگوں کو ذلیل کردیتے ہیں اور یہ لوگ بھی ایسا ہی کریں گے۔

میں قاصدوں کے ہاتھ ہر قسم کے تحائف دے کر بھیجتی ہوں ----

اس سے اندازہ ہو جائے گا کہ سلیمان کوئی دنیا دار بادشاہ ہے یا اللہ کا نبی -----
جس کا مقصد اللہ کے دین کا غلبہ ہے ----- اگر اس نے تحائف کو قبول نہیں کیا
تو یقیناً اس کا مقصد دین کی اشاعت و سربلندی ہے ----- پھر ہمیں بھی اس کی
اطاعت و فرمانبرداری کیے بغیر چارہ نہیں۔

قاصد حضرت سلیمانؑ کے دربار میں

قاصد ملکۂ بلقیس کے تحائف لے کر پہنچے

----- یہ تحائف بیش قیمت اشیاء --- نادر چیزوں پر مشتمل تھے۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ:

سونے اور چاندی کی اینٹیں تھیں ---- بیش قیمت موتی، جواہرات اور
ہیرے تھے ---- حضرت سلیمانؑ کو ملکہ کے قاصدوں کے آنے کی اور سونے
چاندی کی اینٹیں لانے اور دوسرے تحائف کی اطلاع ملی تو آپؑ نے جنات کو حکم
دیا کہ دربار کے جس راستے سے قاصدوں نے گزرنا ہے اس راستے پر سونے
کی اینٹوں کا فرش لگا دیا جائے ----- تاکہ انھیں اپنی اوقات کا اور اپنے تحائف
کی وقعت کا علم ہو سکے اور ہماری سلطنت اور ہماری حکومت کی عظمت و شان کو
سمجھ سکیں۔

قاصد جب محل کے راستے پر پہنچے ----- سونے کا فرش دیکھا ---
حکومت و سلطنت کی شان و شوکت سامنے آئی تو آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔
ملکہ بلقیس کے بھیجے ہوئے تحفے انھوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی
خدمت میں پیش کیے ----- حضرت سلیمان علیہ السلام نے تحائف پر ایک سرسری
نظر ڈال کر فرمایا:

﴿ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ﴾ (سورۂ نمل ۲۷ : ۳۶)

کیا تم لوگ مال کے ذریعہ میری مدد کرنا چاہتے ہو؟ (یعنی تم دیکھ نہیں رہے کہ اللہ نے مجھے دنیا کی ہر دولت سے نوازا ہے پھر تم اس مال اور اپنے اس ہدیے سے میرے مال و دولت میں کیا اضافہ کر سکتے ہو؟) پس جو کچھ میرے اللہ نے مجھے عطا فرمایا ہے وہ بہتر ہے اس چیز سے جو تمھیں دیا ہے، بلکہ تم تو اپنے تحائف پر پھولے نہیں سما رہے ہو۔

حضرت سُلیمان علیہ السلام نے قاصدوں کو دو ٹوک الفاظ میں فرمایا:

تمھیں اپنی دولت و ثروت پر بڑا ناز ہے ---- اپنے جواہرات اور ہیروں پر بہت اتراتے ہو ---- دولت کے خزانوں پر بڑا گھمنڈ کرتے ہو ---- سونے اور چاندی کی اینٹوں پر بڑا فخر کرتے ہوں ---- میری طرف یہ تحفے بھیج کر تم خوشی سے پھولے نہیں سما رہے ہو ---- گویا کہ تم کوئی بڑی قیمتی اور نادر چیز لائے ہو۔

مگر سنو! میری نظروں میں دنیا کی ان حقیر اور رزیل چیزوں کی رائی کے دانے کے برابر وقعت نہیں ہے ---- جو دنیوی اور اخروی ---- جسمانی اور روحانی ---- ظاہری اور باطنی نعمتیں اللہ نے مجھے عطا فرمائی ہیں، ان کے مقابلے میں تُمھاری دولت و ثروت ---- تُمھارے تحفے اور تحائف ---- تُمھارے تخت اور تاج سب کے سب ہیچ اور حقیر ہیں۔

لہذا تم یہ تحائف اور ہدایا اپنی ملکہ کے پاس لے جاؤ اور اسے جا کر میرا پیغام کھلے الفاظ میں سنا دو کہ اگر تم نے میری اطاعت و فرمانبرداری نہ کی ---- میرے لائے ہوئے دین و شریعت کی پیروی نہ کی ---- اگر تم نے سورج کی پرستش اور شرک کو نہ چھوڑا تو میں ایسا زبردست لشکر لے کر تم پر چڑھائی کروں گا کہ لَا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا ---- جس لشکر کے مقابلے کی تاب تم نہ لا سکو گے ---- پھر ہم تمھیں ذلیل و خوار کر کے وہاں سے نکال دیں گے۔

قاصد بلقیس کے دربار میں

قاصدوں نے واپس جا کر ملکہ بلقیس کو اپنے سفر کی تمام روئیداد سنائی اور رپورٹ پیش کی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا اعتماد سے بھرپور پیغام پہنچایا ---- اور دربارِ سلیمانی کی شان و شوکت اور جاہ و جلال کا ماجرا سنایا کہ سلیمان کوئی معمولی بادشاہ نہیں ہے، بلکہ صاحبِ حشمت و جلال ہے۔

اور عجیب و غریب بات یہ ہے کہ وہ صرف انسانوں پر حکومت نہیں کرتا بلکہ جنات بھی اس کے حکم کے آگے سرنگوں ہیں اور حیوانات بھی اس کے مطیع اور فرمانبردار ہیں۔

قاصدوں کی زبان سے یہ تمام تر روئیداد سُن کر ملکہ سمجھ گئی کہ سلیمان صرف بادشاہ نہیں ہے ---- اور اسے یقین ہو گیا کہ ان سے لڑنا اپنی ہلاکت و بربادی کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔

چنانچہ ملکۂ سبا بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے تیاریوں میں مصروف ہو گئی ---- وہ پوری شان و شوکت سے سفر کے لیے روانہ ہوئی ---- پندرہ سَو (١٥٠٠) میل کی مسافت تھی، جو اُسے طے کرنا تھی۔

ادھر حضرت سلیمان علیہ السلام کو بذریعہ وحی اِطلاع دی گئی کہ ملکۂ سبا اپنے سرکاری وفد کے ساتھ اپنے ملک سے روانہ ہو چکی ہے ---- اور کچھ ہی مدت میں آپکے ہاں پہنچنے والی ہے ---- حضرت سلیمان دربار میں موجود ہیں۔ اس اِطلاع آنے پر فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ ملکہ کو اپنے اللہ کی قدرتِ کاملہ کا ایک اور بین ثبوت دکھاؤں ---- اس پر اپنی خداداد عظمت و قوّت کا اِظہار کروں، تا کہ وہ سمجھ لے کہ مَیں نِرا بادشاہ نہیں بلکہ فوق العادت باطنی قوّت بھی اپنے ساتھ رکھتا ہوں۔

چنانچہ درباریوں سے فرمایا:

﴿ اَیُّکُمۡ یَاۡتِیۡنِیۡ بِعَرۡشِہَا قَبۡلَ اَنۡ یَّاۡتُوۡنِیۡ مُسۡلِمِیۡنَ ﴾ (٢٧ : ٣٨)

تم سے کون ہے جو ملکہ بلقیس کا تخت میرے پاس لے آئے اس سے پہلے کہ وہ سب میرے پاس فرمانبردار بن کر پہنچیں۔

ایک قوی ہیکل ---- طاقت ور جن کہنے لگا کہ آپ حکم فرمائیں تو آپ کے دربار کے برخاست ہونے سے پہلے میں اس کا تخت لادوں۔ (حضرت سلیمان علیہ السلام کا دربار روزانہ ایک معین اور مقرر وقت تک لگتا تھا۔) اگرچہ وہ تخت بہت بڑا بھی ہے ---- بھاری بھرکم بھی ہے اور مسافت بھی تقریباً پندرہ سو میل کی ہے۔ لیکن ﴿ اِنِّیْ عَلَیْهِ لَقَوِیٌّ اَمِیْنٌ ﴾ (۲۷: ۳۹) ---- میں طاقت ور ہوں اسے لا سکتا ہوں اور وہ تخت ہیرے، موتی اور جواہرات سے مرصع ہے ---- بہت سا سونا اور چاندی اس میں جڑا ہوا ہے مگر میں امانت دار ہوں اس میں خیانت نہیں کروں گا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام چاہتے تھے کہ تخت اس سے بھی جلدی آجائے، اس لیے اُس جن کی پیش کش کو قبول نہیں فرمایا۔

اس کے بعد ایک اور شخصیت نے آنکھ جھپکنے سے پہلے تخت لانے کا دعویٰ کیا اور پھر اگلے لمحہ ہی تخت حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے تھا۔

تخت لانے والی اس شخصیت کے بارے میں اللہ ربّ العزت نے قرآن میں فرمایا:

﴿ قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ ﴾ (۲۷: ۴۰)

کہا اس شخص نے جس کے پاس کتاب کا علم تھا میں لے آتا ہوں اس تخت کو آپ کے پاس آپ کی آنکھ جھپکنے سے پہلے۔

یہ شخصیت کون ہے؟

تحقیق طلب بات یہ ہے کہ اَلَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ ---- یہ کون ہے

جس کے پاس کتاب کا علم تھا ---- اور کتاب سے مُراد یہاں کیا ہے؟

کچھ مفسرین کا خیال یہ ہے کہ اس شخص سے مراد آصف بن برخیا ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کا معتمد خاص وزیر اور صحابی تھا۔

اور علم کتاب سے مراد یہاں تورات، زبور کا علم ہے --- یا اسماء الٰہی کا علم ---- اگر مفسرین کی اس بات کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو مشرکین و مبتدعین کا اس سے یہ استدلال نہیں ہوسکتا کہ ایک ولی اللہ (آصف بن برخیا) کو تمام تر اختیارات حاصل ہوئے ہیں --- وہ جو چاہیں کر سکتے ہیں ---- اس لیے کہ یہ آصف بن برخیا کی کرامت ہوگی اور کرامت ولی اللہ کے اختیار میں نہیں ہوتی بلکہ کرامت میں ہاتھ ولی اللہ کا ہوتا ہے اور ارادہ اور کام کرنے والا اللہ ربُّ العزت ہوتا ہے۔

ذرا اس آیت کا اگلا جملہ پڑھیں، سارا مسئلہ حل ہوجائے گا۔

جب تخت حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے آگیا تو کہا:

﴿ هٰذَا مِنۡ فَضۡلِ رَبِّيۡ ﴾ (۲۷ : ۴۰) ---- یہ جو کچھ ہوا اس میں آصف یا میری کوشش اور کمال کا کوئی عمل دخل نہیں ہے، بلکہ محض اللہ ربُّ العزت کا فضل و کرم ہے جس نے یہ کام کر دکھایا۔

امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں ---- اس سے آصف بن برخیا مراد لینے پر دو۲ اعتراض کیے ہیں۔

پہلا اعتراض یہ کہ اس طرح ایک امتی (آصف بن برخیا) فضل و کمال میں وقت کے نبی حضرت سلیمان علیہ السلام سے بڑھ گیا۔

دوسرا اعتراض یہ کہ اس شخص کو علم الکتاب سے متصف کہا گیا ہے اور علم الکتاب والی صفت میں یقیناً حضرت سلیمان علیہ السلام آصف بن برخیا سے فائق تھے۔ (تفسیر کبیر جلد ۶ صفحہ ۵۶۶)

تفسیر جواہر القرآن میں استاذی مکرم حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا کہ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ اس سے مراد خود حضرت سُلیمان علیہ السلام کی ذاتِ گرامی ہے، اس صورت میں یہ حضرت سُلیمان علیہ السلام کا معجزہ ہوگا۔

سب سے زیادہ مستند اور صحیح قول وہ ہے جو امام نخعی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ ---- سے مُراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں --- جو تمام آسمانی کتابوں کے عالم ہیں اور عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ میں اُن سے بڑھ کر کون ہوسکتا ہے؟۔

اِس قول کو علامہ آلوسیؒ نے رُوح المعانی میں ---- اِمام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں ذکر فرمایا ہے۔ اور اِسی قول کو ہماری جماعت جمعیت اشاعت التوحید و السُّنّت کے شیخ اور بانی رئیس المفسرین مولانا حسین علی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بھی پسند فرمایا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے درباریوں سے فرمایا کہ ملکہ بلقیس کے تخت میں ---- اس کی شکل اور ہیئت میں معمولی رد و بدل اور کچھ تبدیلی کردو --- ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ ملکہ کتنی ذہین و فطین اور کتنی سمجھ دار ہے --- وہ اپنے تخت کو پہچان سکتی ہے یا نہیں؟۔

کچھ عرصہ کے بعد ملکہ سبا بلقیس حضرت سُلیمان علیہ السلام کی خدمت میں پہنچ گئی اور جب دربار میں حاضر ہُوئی تو اُس سے پُوچھا گیا:

﴿ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ﴾ (۲۷ : ۴۲)

کیا تمہارا تخت ایسا ہی ہے؟

ملکہ نے دیکھا کہ تخت میں علامتیں تو میرے تخت والی ہیں ---- بناوٹ بھی ویسی ہے ---- مگر معمولی تبدیلی بھی لگتی ہے، تو اُس نے بڑی

دانائی سے جواب دیا:

﴿كَاَنَّهٗ هُوَ﴾ (۲۷ : ۴۲)

گویا یہ وہی ہے ---- یہ یہ کہا کہ ہاں یہ وہی ہے ---- اور بالکل نفی نہیں کی جو حقیقت تھی ٹھیک ٹھیک ظاہر کردی کہ تخت تو وہی ہے مگر کچھ اوصاف اور ہیئت میں فرق آگیا ہے۔

ملکہ بلقیس یہ کہہ کر آگے کہتی ہے:

﴿وَ اُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَ كُنَّا مُسْلِمِيْنَ﴾ (۲۷ : ۴۲)

ہم تو اس تخت والے معجزے سے پہلے ہی آپ کی صداقت اور عدیم المثال کمالات کا علم ہو چکا تھا ---- ہدہد کے ذریعے خط کا ملنا ---- اور قاصدوں کے ذریعے آپ کے تفصیلی حالات سُن کر ہم اللہ رب العزت کی قدرتِ کاملہ پر اور آپ کی نبوت پر ایمان لا چکے ہیں ---- اب اس نئے معجزے (تخت کو اپنے دربار میں لانا) کے اظہار کی کیا ضرورت تھی۔ (رُوح المعانی)

محل میں بلقیس کا داخلہ

حضرت سُلیمان علیہ السّلام نے ملکہ سبا بلقیس کے سامنے اپنی عظمت، شان و شوکت کے اظہار کے لیے ---- اور اپنی برتری اس پر واضح کرنے کے لیے ایک محل بنوایا جو خوبصورتی اور چمک دمک کے لحاظ سے بے نظیر اور بے مثال تھا ---- اس میں داخل ہونے کے لیے سامنے جو صحن تھا اس کا فرش شیشے کی موٹی چادر سے بنوایا گیا اور اس شیشے کے فرش کے نیچے حوض تھا، جس میں شفاف پانی تھا اور اس میں مچھلیاں اور دوسرے آبی جانور چھوڑے گئے تھے ---- فرش کو دیکھ کر نگاہ دھوکا کھا جاتی کہ صحن میں صاف اور شفاف پانی بہہ رہا ہے۔

حضرت سُلیمان علیہ السّلام نے اس محل میں اپنا تخت لگوایا اور دربار سجایا ---- پھر ملکہ سبا کو بلایا گیا ---- ملکہ جب صحن میں پہنچی تو دیکھا کہ صاف اور شفاف

پانی بہہ رہا ہے ---- یہ دیکھ کر ملکہ نے اپنی پنڈلیوں سے کپڑا اوپر اٹھایا تا کہ کپڑا بھیگ نہ جائے۔

حضرت سُلیمان علیہ السّلام نے دیکھا تو فرمایا:

﴿اِنَّهٗ صَرۡحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنۡ قَوَارِيۡرَ﴾ (۲۷ : ۴۴)

یہ تو ایک محل ہے شیشے کا بنا ہوا ---- جسے تم پانی سمجھ کر پنڈلیوں سے کپڑا اوپر اٹھا رہی ہو یہ پانی نہیں ہے بلکہ شیشے سے مرصّع فرش ہے۔

ملکہ کی دانائی اور ذکاوت پر یہ شدید ترین چوٹ تھی ---- اب اس نے سمجھا کہ سُلیمان کو یہ طاقت اور قُوّت اور یہ مُعجزانہ کمالات و اوصاف کسی ایسی ذات کی جانب سے عطا کردہ ہیں جو ذات سورج، چاند ہی نہیں بلکہ پوری کائنات کا مالک و مُختار ہے۔

ملکہ سبا بے اختیار پکار اٹھی:

﴿رَبِّ اِنِّيۡ ظَلَمۡتُ نَفۡسِيۡ وَاَسۡلَمۡتُ مَعَ سُلَيۡمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ﴾

اے میرے پالنہار مولا! میں سورج پرستی کر کے اور شرک و کفر کی مرتکب ہو کے اپنے آپ پر ظلم کرتی رہی، اب میں توبہ تائب ہوتی ہوں اور حضرت سُلیمان کے ساتھ ہو کر کائنات کے پالنہار کی فرمانبردار اور مطیع ہوتی ہوں۔ (۲۷ : ۴۴)

حضرت شیخ مولانا حسین علی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہاں کتنا خُوبصُورت، دِل نشین اور مربوط معنیٰ و مفہُوم بیان فرمایا ہے: رَبِّ اِنِّيۡ ظَلَمۡتُ نَفۡسِيۡ ---- کہ مولا! جس طرح میں نے یہاں غلطی کھائی کہ شیشے کے فرش کو پانی سمجھ بیٹھی اسی طرح میں نے اپنے عقائد میں بھی غلطی کھائی کہ سورج کو اپنا معبُود اور مسجُود سمجھ لیا۔

من گھڑت روایات

بعض روایات میں ہے کہ حضرت سُلیمان علیہ السّلام ملکہ سبا سے شادی کے

خواہش مند تھے۔ مگر جنات اسے پسند نہیں کرتے تھے۔ انھوں نے حضرت سلیمان علیہ السّلام کو بلقیس سے متنفر کرنے کے لیے کہا کہ اس کے پاؤں بہت بدصورت ہیں اور اس کی پنڈلیوں پر مردوں کی طرح بال ہیں---- حضرت سلیمان علیہ السّلام نے شیشے کا یہ محل اسی لیے بنوایا تھا کہ بلقیس پنڈلیوں سے کپڑا اٹھائے گی تو میں خود دیکھ لوں گا---- یہ روایت سرتاپا غلط، من گھڑت اور جھوٹ کا پلندہ ہے---- اللہ کے پیغمبر---- معصوم پیغمبر کی عِصمت پر دھبا لگانے کی مکروہ کوشش ہے۔

کچھ مُفسّرین نے ذکر کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السّلام نے ملکہ سبا بلقیس سے نکاح کرلیا تھا اور پھر اسے اپنے ملک جانے کی اجازت دے دی اور حضرت سلیمان کبھی کبھی اس سے ملاقات کے لیے جایا کرتے تھے۔

مگر قرآن مجید نے اس کی کوئی وضاحت نہیں فرمائی---- احادیثِ صحیحہ میں اس نکاح کے اثبات یا نفی کے بارے میں کوئی ذکر نہیں ہے۔

قرآن و حدیث اس بارے میں خاموش ہیں تو اس بارے میں خاموشی ہی بہتر ہے۔

وادیٔ نمل اور حضرت سُلیمانؑ

گزشتہ واقعات میں---- ملکہ بلقیس کے حالات میں آپ نے سنا کہ حضرت سلیمان علیہ السّلام کو اللہ ربُّ العزت نے ہدہد کی بولی اور زبان جاننے اور سمجھنے کی صلاحیت سے نوازا تھا---- سورۃ نمل کی آیت ۱۶ میں اِرشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السّلام اور حضرت سلیمان علیہ السّلام کو پرندوں کی بولی سکھائی تھی---- اس سے پہلی آیت میں فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ عِلْمًا ﴾ (۲۷ : ۱۵)

ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم عطا فرمایا تھا۔

اب اللہ رب العزت نے ایک واقعہ ذکر کر کے ان عظمتوں اور کمالات پر روشنی ڈالی جو سیدنا سُلیمان علیہ السلام کو خصوصی طور پر عطا ہوئے تھے۔

حضرت سُلیمان علیہ السلام اپنے لاؤ لشکر کے ہمراہ ایسے میدان اور ایسی وادی کی طرف گزرنا چاہتے ہیں جہاں چیونٹیاں بے شمار تھیں ---- گویا کہ وہ قریۃ النمل (چیونٹیوں کی بستی) تھی۔

حضرت سُلیمان علیہ السلام اور ان کے لشکر کے اس وادی سے گزرنے کا علم اللہ تعالیٰ نے بطورِ الہام چیونٹیوں کی ملکہ اور بادشاہ کے دل میں ڈالا۔

(رُوح المعانی)

چیونٹیوں کی ملکہ نے صورتِ حال کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے اپنی رعایا سے کہا:

﴿ اُدۡخُلُوۡا مَسٰکِنَکُمۡ ﴾ (۲۷ : ۱۸)

جلدی کرو اور اپنے بلوں اور سوراخوں میں گھس جاؤ۔

رعایا نے کہا:

ملکۂ محترمہ آج خلافِ معمول واپسی کا آرڈر اور حکم جلدی دیا جا رہا ہے ---- ابھی تو واپسی کا وقت نہیں آیا ---- کیا اس کی کوئی وجہ ہے؟۔

چیونٹیوں کی ملکہ نے کہا:

﴿ لَا یَحۡطِمَنَّکُمۡ سُلَیۡمٰنُ وَ جُنُوۡدُہٗ ﴾ (۲۷ : ۱۸)

سُلیمان اور ان کا لاؤ لشکر آ رہا ہے ---- کہیں وہ تمھیں اپنے پاؤں کے نیچے روند نہ دیں ---- وہ تمھیں اپنے پاؤں کے نیچے کچل نہ دیں۔

چیونٹیاں کہنے لگیں:

ملکۂ محترمہ! ادھر کہتی ہو سُلیمان پیغمبر ہے اور اس کے ساتھ اس کے صحابی ہیں ---- پھر کہتی ہو ہم معصوموں کو وہ پاؤں کے نیچے کچل دیں گے ---- بھلا

اللہ کا نبی اور اس کے صحابہ ہم جیسی معصوموں پر یہ زیادتی اور یہ ظلم کرسکتے ہیں؟۔

ملکہ کہنے لگی ---- بحث و تکرار کا وقت نہیں ---- (مناظرے دا ٹائم نئیں) جلدی کرو اور اپنے اپنے بلوں میں گھس جاؤ --- میں کب کہتی ہوں کہ سلیمان اور اس کے تربیت یافتہ صحابی دیدہ دانستہ اور جان بوجھ کر تمھیں پاؤں کے نیچے روند دیں گے --- نہیں ہر گز نہیں۔

بلکہ جس وقت تم ان کے پاؤں کے نیچے آ ؤگی ---

﴿وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ﴾ (۲۷ : ۱۸)

ان کو اپنے پاؤں کے نیچے کا علم نہیں ہوگا ---- انھیں اس میدان میں تمھاری موجودگی کا علم نہیں۔

(سامعینِ گرامی قدر ! یہاں ایک لمحہ کے لیے ٹھہریے اور اس واقعہ پر گہری نظر سے غور فرمائیے کہ کتنی باتیں سمجھ آرہی ہیں ---- اور عقیدے کے کتنے مسئلے حل ہو رہے ہیں ---- ایک بات تو یہ سمجھ آئی کہ چیونٹیوں کی ملکہ کو اپنی رعیت کی بہتری، فلاح و بہبود اور بھلائی کا کتنا خیال تھا ---- وہ اپنی رعیت کی کتنی خیر خواہ تھی ---- اسے کتنا خیال تھا کہ میری رعیت ماری نہ جائے ---- میری رعایا کچلی نہ جائے ---- دوسری طرف ہمارے حکمران ہیں جو اپنی رعیت پر ظلم و زیادتی کے دروازے یکے بادیگرے کھولتے چلے جاتے ہیں ---- مہنگائی کے بم برساتے چلے جاتے ہیں ---- کبھی بجلی مہنگی کرکے، کبھی ڈیزل و پٹرول مہنگا کرکے اور کبھی گیس مہنگی کرکے --- کبھی بے انصافی کرکے ---- کبھی ملک اور عوام کے ٹیکسوں سے اپنی تجوریاں بھر کے ---- غیر ممالک میں اپنی جائیدادیں اور بنگلے بنا کر ---- عوام کا خون چوس چوس کر --- اپنے پیٹ کے پجاری بنے ہوئے ہیں۔

دُوسری بات اِس واقعہ سے یہ سمجھ آرہی ہے کہ چیونٹیوں کا یہ خیال

تھا کہ جان بوجھ کر اور دیدہ و دانستہ پیغمبر کے صحابہ ایک چیونٹی پر بھی زیادتی اور ظلم نہیں کر سکتے البتہ لاعلمی سے اور بے خبری سے ایسا ہو جائے تو یہ الگ بات ہے ---- جو لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے کہتے ہیں کہ انھوں نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور خاندانِ علیؓ پر ظلم و زیادتی کی تھی وہ اس سے عبرت حاصل کریں۔ (رُوح المعانی)

تیسری بات اور سب سے زیادہ اہم بات جو اس واقعہ سے ثابت ہو رہی ہے اس کا تعلق عقیدۂ توحید سے ہے۔

اللہ ربُّ العزت نے چیونٹیوں کی ملکہ کا جواب وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ---- انھیں علم بھی نہیں ہوگا کہ تم اس میدان میں موجود ہو --- اتنا پسند آیا کہ اسے قرآن بناکر اتارا بھی ---- اور جس سورۃ میں اس جواب نے جگہ پائی اس سورۃ کو چیونٹیوں سے منسوب کرکے اس کا نام رکھا: "سورۃ النمل" --- چیونٹیوں والی سورت۔

جو اللہ قرآن مجید میں نماز کی رکعتیں بیان نہیں کرتا، زکوٰۃ کی تفصیلات نہیں بتاتا، روزے کی پوری تشریح نہیں کرتا --- وہ اللہ چیونٹی کی زبان سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ بیان کرتا ہے --- آخر کیوں؟۔ صرف اس لیے کہ اس سے عقیدۂ توحید کی تائید اور اصلاح ہو رہی ہے ---- کہ ایک ذرہ بمقدارِ جسم رکھنے والی چیونٹی کا عقیدہ تھا اور یہ عقیدہ اللہ کا پسندیدہ تھا کہ عظمتوں والا پیغمبر، کمالات و خوبیاں رکھنے والا نبی، پیغمبر بھی اور وقت کا حکمران بھی۔ جس کا تخت ہوا میں اڑتا ہے، جو جنات پر حکومت کرتا ہے، جو پرندوں کی بولیاں سمجھتا ہے --- وہ بھی عالم الغیب نہیں ہے ---- ہر ہر چیز کو جاننا تو دور کی بات ہے --- اسے تو کھلے میدان میں پھرنے والی چیونٹیوں کا علم و شعور نہیں ہے ---- زندہ پیغمبر کو --- ہاں ہاں زندہ پیغمبر کو --- جو جاگ رہا ہے، سویا ہوا بھی نہیں ہے۔

اور جو لوگ حضرت سُلیمان علیہ السّلام کے ساتھ ہیں وہ کوئی معمولی لوگ ہیں؟
---- نہیں صحابی ہیں ---- جو یقیناً اولیاء اللہ سے کھربوں درجے بلند و اعلیٰ ہیں
---- ان عظیم لوگوں کو بھی غیب کا علم نہیں ہے ---- تب ہی تو ایک چیونٹی کہہ رہی ہے --- لَا یَحْطِمَنَّکُمْ سُلَیْمٰنُ وَ جُنُوْدُهٗ لا وَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ---- کہ جب سُلیمان اور ان کا لشکر تمھیں اپنے پاؤں کے نیچے روند رہے ہوں گے تو انھیں اس میدان میں تُمھاری موجودگی کا علم بھی نہیں ہوگا ---- انھیں اپنے پاؤں کے نیچے کا پتا بھی نہیں ہوگا۔

اللہ اکبر، سبحان اللہ ! اس ذرہ بمقدار اور حقیر جاندار چیونٹی کا عقیدہ کتنا جاندار ہے ---- اللہ کرے ہمارا اور دوسرے علماء اور مُسلمانوں کا عقیدہ و ایمان بھی اس چیونٹی جیسا ہو جائے۔

لوگو ! حقیر چیونٹی، ذرہ بمقدار چیونٹی --- اتنی حقیر کہ دنیا کے کسی ترازو میں تل نہ سکے ---- اس کا عقیدہ و ایمان دیکھیے ---- اور دوسری طرف ہمارے علماء کرام (جن کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھیں تو دوسری طرف کے باٹ ختم ہوجائیں) کا عقیدہ ملاحظہ فرمائیے --- کہ انبیاء و اولیاء وفات کے بعد بھی ساری دنیا کو دیکھ رہے ہیں --- قبر پر آنے والوں کو پہچانتے ہیں ---- داڑھی منڈے لوگ قبر پر آئیں تو پہچان کر ان کے سلام کا جواب نہیں دیتے --- ہماری نذر و نیاز دینے کا انھیں علم ہے --- ہمارے حالات کو وہ جانتے ہیں۔

حضرات ! ذرا بتلائیے تو جو بات چیونٹی نے اس وقت کہی وَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ---- اگر یہی بات چیونٹی آج کے ہمارے دور اور ہمارے معاشرے میں کہتی تو ---- اس پر بھی فتویٰ لگتا --- گستاخ ہے، نبی کی بے ادب ہے ----- وہابن ہے --- مگر اللہ کو تو اس کی بات پسند آئی تب ہی تو اسے قرآن میں جگہ دی اور پوری سورت کو اس کے نام سے منسوب کردیا۔)

اللہ رب العزت نے الہام کے ذریعے چیونٹی کی بات حضرت سلیمان علیہ السلام کے دل میں ڈال دی تو اس کی گفتگو کو سن کر تعجب و حیرت سے مسکرا دیے۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے رُوح المعانی میں لکھا ہے:

اِنَّ سُلَیْمَانَ لَمْ یَسْمَعْ صَوْتًا اَصْلًا وَ اِنَّمَا فَهِمَ مَا فِیْ نَفْسِ النَّمْلَةِ اِلْهَامًا مِّنَ اللّٰهِ تَعَالٰی۔

حضرت سلیمان نے چیونٹی کی بات کو سنا نہیں تھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے الہام کے ذریعے انھیں چیونٹی کی بات سمجھا دی تھی۔

کچھ مفسرین کا خیال یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام پر آج ایک اور انعام ہو رہا ہے کہ انھیں چیونٹی کی بات سنائی بھی جا رہی ہے اور اس کی بولی سمجھائی بھی جا رہی ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ موضح القرآن میں لکھتے ہیں:

چیونٹی کی آواز کوئی نہیں سنتا، سلیمان کو معلوم ہو گئی یہ ان کا معجزہ ہے۔

معجزۃً دُور سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کی بات کو سُن لیا اور سمجھ لیا ---- اور یہ بات یاد رکھیے کہ معجزہ میں تمام تر اختیار اللہ رب العزت کا ہوتا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام پر آج مزید ایک نعمت ہوئی تو انہی قدموں پر اللہ کا شکر ادا کرنے لگے۔

﴿رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ﴾ (۲۷ : ۱۹)

میرے پالنہار مولا! مجھ کو توفیق دے کہ میں تیرا شکر کروں اُن نعمتوں پر جو تُو نے مجھ پر فرمائی ہیں۔

تسخیرِ جنّات

حضرت سیدنا سُلیمان علیہ السلام کو ایک شرف ----
اور ایک امتیازی خصوصیت ایسی بھی عطا ہوئی جو ان کے سوا کسی دوسرے کے حصے میں نہیں آئی ---- اور وہ بے مثل شرف اور کمال یہ ہے کہ ان کے زیرِنگین اور زیر فرمان صرف انسان ہی نہیں تھے بلکہ سرکش جنات بھی ان کے حکم کے مطیع تھے ---- وہ صرف انسانوں پر حکومت نہیں کر رہے تھے ---- بلکہ ان کی عدیم المثال حکومت جنات پر بھی تھی۔

قرآن مجید نے بیان فرمایا:

﴿ وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴾

اور سُلیمانؑ کے لیے جمع کیے گئے اس کے لشکر جنوں، انسانوں اور اُڑتے جانوروں میں سے اور وہ سب درجہ بدرجہ کھڑے کیے جاتے ہیں۔ (۲۷ : ۱۷)

ایک اور جگہ پر فرمایا:

﴿ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ﴾ (۳۴ : ۱۲)

اور سُلیمان کے رب کے حکم سے بعض جنات ان کی ماتحتی میں ان کے سامنے کام کرتے تھے۔

حضرت سُلیمان علیہ السلام جنات سے کام لیتے تھے ---- مشکل سے مشکل کام اور سخت سے سخت ترین کام جنات ہی کے ذریعے ہوتے تھے۔

مختلف قلعوں کی تعمیر، بڑے بڑے تخت اور چارپائیاں ---- بڑے بڑے حوض ---- اور بڑی بڑی دیگیں جنات ہی بناتے تھے ---- دریاؤں میں غوطہ زن ہو کر بیش قیمت موتی، ہیرے اور جواہرات نکال کر لاتے۔

(قرآن نے سورۃ انبیاء آیت ۸۲، سورۃ سبا آیت ۱۳، سورۃ نمل آیت ۱۷، اور سورۃ صاد آیت ۳۷-۳۸ میں اس حقیقت کو بڑی وضاحت اور

تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ شوق و ذوق رکھنے والے حضرات وہاں ملاحظہ فرما کر اپنی علمی پیاس بجھا سکتے ہیں۔)

یہ تمام تر کرم و فضل جو اللہ رب العزت نے حضرت سلیمان علیہ السلام پر فرمایا۔۔۔ کہ ہوا مسخر کر دی، تخت ہوا میں اڑنے لگا اور جنات تک مطیع و فرمانبردار کر دیے گئے۔۔۔ یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک مرتبہ اللہ دربار میں یہ دعا مانگی تھی:

﴿ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَّا يَنبَغِي لِأَحَدٍ مِّنۢ بَعْدِي ۖ إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ ﴾ (۳۸ : ۳۵)

اے میرے پروردگار! میری مغفرت فرما اور مجھے ایسی حکومت عطا فرما جو میرے بعد کسی کو بھی میسر نہ ہو، بلاشک تو بہت دینے والا ہے۔

اللہ رب العزت نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی اس دعا کو قبول و منظور فرمایا اور انھیں ایک ایسی عجیب و غریب اور محیر العقول سلطنت عطا فرمائی کہ ایسی سلطنت نہ ان سے پہلے کسی کو ملی اور نہ ان کے بعد کسی کو حاصل ہوئی۔

اس کی تائید بخاری کی یہ حدیث بھی کر رہی ہے جسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صبح ارشاد فرمایا کہ گزشتہ رات ایک سرکش جن نے یہ کوشش کی کہ میری نماز میں خلل انداز ہو۔ اللہ رب العزت نے مجھے اس پر قابو عطا فرمایا۔ پھر میں نے اسے پکڑ لیا۔ پھر میں نے چاہا کہ اسے مسجد کے ستون سے باندھ دوں، تاکہ تم سب اسے دیکھ سکو۔۔۔ مگر فوراً مجھے اپنے بھائی سلیمانؑ کی یہ دعا یاد آ گئی کہ انھوں نے اللہ کے حضور التجا کی تھی کہ: مولا! مجھے ایسی حکومت عطا فرما کہ اس جیسی حکومت میرے بعد کسی کو بھی نہ دینا۔۔۔ یہ خیال آتے ہی میں نے اس کو چھوڑ دیا۔

(بخاری کتاب الانبیاء)

بعض لوگوں نے ----- جو نئے خیالات کو تحقیق کا نام دیتے ہیں ---- انھوں نے کہا کہ جن کوئی الگ مخلوق نہیں ہے بلکہ انسانوں میں سے ---- سرکش، متمرد، مغرور اور اکھڑ مزاج قسم کے لوگوں کو جن کہا گیا ہے ---- ایسے لوگ جو قوی ہیکل، طاقت ور وجود رکھتے ہوں ---- حالانکہ قرآن مجید نے صراحت کے ساتھ وضاحت کی ہے کہ جنات انسانوں کے سوا ایک الگ مخلوق ہے۔

اِرشادِ باری ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ﴾ (سورۃ الذاریات ۵۱ : ۵۶)

ہم نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔

اگر جن بھی انسانوں ہی میں سے ایک قوم تھی تو اس آیت میں الگ ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟۔

تعمیر بیت المقدس اور جنات

حضرت سلیمان علیہ السلام جنات سے ایسے ایسے مشکل ترین اور محیر العقول کام لیتے جو انسانوں کے بس سے باہر ہیں۔

چنانچہ حضرت سُلیمان علیہ السلام نے ارادہ فرمایا کہ بیت المقدس کو تعمیر کیا جائے اور اس کے ارد گرد ایک خوبصورت شہر آباد کیا جائے ------ ان کی تمنا تھی کہ بیت المقدس اور شہر کی دوسری عمارات کو بیش قیمت پتھروں اور خُوبصُورت اینٹوں سے تعمیر کروائیں۔

جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم کی تعمیل کرتے ہُوئے دُور دراز علاقوں سے خُوبصُورت پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے اور بیت المقدس کی تعمیر کا کام انجام دیتے۔

لوگوں میں عام طور پر مشہُور یہ ہے کہ بیت المقدس کی تعمیر سب سے پہلے حضرت سُلیمان علیہ السلام نے کی ہے ---- مگر یہ بات صحیح اور درست نہیں ہے۔

کیونکہ بخاری میں ایک حدیث اس مضمون کی موجود ہے کہ :

ایک مرتبہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے اِمام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے پُوچھا :

یا رسُول اللہ ! دنیا میں سب سے پہلے بننے والی مسجد کون سی ہے؟۔

آپؐ نے جواب میں فرمایا : ----- بیت اللہ یعنی مسجد حرام۔

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے پھر دریافت کیا : ----- بیت اللہ کے بعد کون سی مسجد تعمیر ہوئی؟۔

آپؐ نے فرمایا :

مسجدِ اقصیٰ یعنی بیت المقدس۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے پھر پُوچھا کہ :

بیت اللہ کی تعمیر اور بیت المقدس کی تعمیر کا درمیانی عرصہ اور مدت کتنی ہے؟۔

آپؐ نے جواب میں فرمایا : ----- چالیس سال

(بخاری کتاب الانبیاء)

بیت اللہ کی تعمیر جدالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں ہوئی اور بیت المقدس کی تعمیر حضرت سُلیمان علیہ السلام نے فرمائی ----- مگر ان دونوں کے درمیان ایک ہزار سال سے بھی زیادہ مدت کا فاصلہ ہے ---- مگر آپؐ کا اِرشادِ گرامی ہے کہ دونوں کی تعمیر کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ ہے ---- اس بنا پر علماء نے کہا کہ سب سے پہلے بیت المقدس کی تعمیر حضرت یعقوب علیہ السلام کے ہاتھوں ہوئی ---- پھر عرصۂ دراز کے بعد حضرت سُلیمان علیہ السلام کے حکم و ارادہ سے نئے سرے سے مسجد اور شہر کی تعمیر ہوء ---- اور جنات کے ذریعے عالی شان، بے مثال اور شاندار تعمیر ہوئی ---- جس تعمیر کی خُوبصورتی کو دیکھ کر

آج بھی لوگ حیرت زدہ رہ جاتے ہیں اور تعجب سے سوچتے رہتے ہیں کہ اتنی بھاری اور وزنی پتھر کہاں سے لائے گئے؟ ---- کس طرح لائے گئے اور وہ کون سے آلات تھے ---- وہ کون سی مشینریاں تھیں جن کے ذریعے ان بھاری بھرکم پتھروں کو اتنی بلندی پر پُہنچایا گیا اور پھر باہم جوڑا گیا۔

حضرت سُلیمانؑ کا اِنتقال

حضرت سُلیمان علیہ السلام جنات کے ہاتھوں بیت المقدس کی عمارت ---- یا اور کوئی عمارت تعمیر کروا رہے تھے کہ فرشتۂ اجل آپہنچا اور موت کا پیغام لے آیا ---- حضرت سُلیمان علیہ السلام نے اس خدشے کا اظہار فرمایا کہ اگر میری موت ہو گئی تو جنات بھاگ جائیں گے اور یہ تعمیر ادھوری رہ جائے گی۔

اللہ ربُ العزت نے فرمایا ---- اِس کا انتظام و اِنصرام ھم خُود کیے دیتے ہیں۔

آپ شیشے کے ایک مکان میں لاٹھی کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑے ہوجائیں، ہم اسی حالت میں آپ کی روح قبض کرلیں گے اور جنات کو اس کی خبر بھی نہیں ہوگی۔ اور وہ تعمیر کے کام میں بدستور مشغُول رہے ---- ادھر اس لاٹھی کو دیمک کے کیڑے نے کھانا شروع کردیا جس پر حضرت سُلیمان علیہ السلام ٹیک لگا کر کھڑے تھے ---- جونہی تعمیر مُکمل ہوئی ---- لاٹھی کھوکھلی ہو گئی اور حضرت سُلیمان علیہ السلام کے وزن کو برداشت نہ کرسکی ---- حضرت سُلیمان گر پڑے ---- تب جنات کو پتا چلا کہ حضرت تو مدت سے انتقال فرما چکے تھے ---- اور اس واقعہ سے جنات پر اپنے غیب دانی کے دعویٰ کی حقیقت کھل گئی ---- اور عام لوگوں کو بھی یہ بات سمجھ آگئی کہ جنات عالم الغَیب نہیں ہیں ---- اگر وہ عالم الغَیب ہوتے تو انھیں سامنے کھڑے ہوئے حضرت سُلیمان علیہ السلام کی موت کا پتا چل جاتا اور پھر اتنی مدت اس مُشکل ترین تکلیف میں وہ مُبتلا نہ رہتے۔

قرآن مجید نے اس واقعہ کو اس طرح بیان فرمایا:

﴿ فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَىٰ مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنسَأَتَهُ ۖ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ أَن لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ ﴾ (۳۴ : ۱۴)

پھر جب ہم نے سُلیمان کی موت کا فیصلہ کر دیا تو ان (جنوں) کو اس کی موت کی کسی نے اطلاع نہ دی، مگر دیمک نے جو سُلیمان کی لاٹھی کھا رہا تھا اور جب سُلیمان (لاٹھی کے توازن خراب ہوجانے کی وجہ سے) گر پڑا تو جنات پر یہ حقیقت ظاہر ہو گئی کہ اگر وہ غیب کا علم رکھتے ہوتے تو اس سخت مُصیبت میں مُبتلا نہ رہتے۔

سامعین گرامی قدر! یہاں ایک لمحہ کے لیے ٹھہر کر---- اور انابت کے کان کھول کر سنیے---- کئی مسائل حل ہوجائیں گے۔

ایک مسئلہ یہ کہ انبیاء کرام علیہ السلام پر موت کے لفظ کا اطلاق کیا جاسکتا ہے---- اگر انبیاء کرام کے لیے موت کا لفظ بولنا گستاخی اور بے ادبی ہوتا تو حضرت سُلیمان علیہ السلام کے لیے خود اللہ یہ لفظ کیوں استعمال فرماتا----

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ---- پھر جب ہم نے سُلیمان پر موت کا فیصلہ کیا۔

اس کے علاوہ بھی اللہ رب العزت نے انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے موت کا لفظ بولا ہے۔

﴿ أَمْ كُنتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ ﴾ (۲ : ۱۳۳)

کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوب پر موت آئی تھی۔

خود امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے موت کا لفظ بولا گیا۔

﴿ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ ﴾ (۳ : ۱۴۴)

اور محمد (صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) تو ایک رسول ہیں، ان سے پہلے بھی بہت رسول گزر چکے، پھر کیا اگر وہ مرجائیں یا قتل کر دیے جائیں ----

ایک اور جگہ پر فرمایا:

﴿ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴾ (سورۂ زمر ۳۹ : ۳۰)

بے شک آپؐ کو بھی مرنا ہے اور آپؐ کے مخالفین بھی مرجائیں گے۔

امامِ اوّل بلا فصل حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ---- نبی اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے اِنتقال کے بعد تشریف لائے، چہرۂ پُر انوار سے چادر ہٹائی اور بوسہ دے کر کہا:

طِبْتَ حَيًّا وَّ مَيِّتًا ----- آپؐ کی زندگی بھی پاکیزہ اور آپؐ کی موت بھی پاکیزہ۔

پھر مسجد نبویؐ میں تشریف لائے اور اصحابِ رسولؐ کے سامنے خطبہ اِرشاد فرماتے ہُوئے کہا:

مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ۔

تم میں سے جو آدمی محمد عربی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی عبادت کرتا ہے (تو وہ کان کھول کر سُن لے) کہ بے شک محمد عربی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تو موت کا جام پی چکے۔

میں بڑے ادب و احترام کے ساتھ اپنے مہربانوں سے پُوچھنا چاہتا ہوں کہ اگر نبی اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ذاتِ گرامی پر موت اور میت کا اطلاق گستاخی اور بے ادبی ہے تو پھر آپؐ کا سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا خیال ہے؟۔ ذرا سوچ سمجھ کر جواب دینا ہے ---- معاملہ بڑا نازک ہے ---- سنو! تم جاؤ جدھر جاتے ہو ---- سُدی جیسے کذاب راویوں کے پیچھے --- ذاذان کے پیچھے ---- ہم اِشاعت التوحید والوں کو رہنے دو سیدنا صدیق اکبرؓ کے پیچھے۔

اِس واقعہ سے دُوسرا مسئلہ یہ سمجھ آیا کہ:

حضرت سُلیمان علیہ السلام کا وجود لاٹھی کے سہارے تقریباً ایک سال تک کھڑا رہا--- دیمک کے چاٹنے سے جونہی لاٹھی کھوکھلی ہوئی تو سُلیمان علیہ السلام گر پڑے---- معلوم ہوا ان کے وجودِ مقدس میں روح موجود نہیں تھی---- ایک سال تک روح جسم میں واپس نہیں آئی---- اسی لیے لاٹھی جونہی کھوکھلی ہوئی تو حضرت سُلیمان علیہ السلام گر پڑے--- ثابت ہوا کہ روح جسم سے نکلنے کے بعد عالمِ برزخ میں ہوتی ہے اور قیامت سے پہلے اس جسم میں واپس نہیں آتی۔

تیسرا مسئلہ یہ سمجھ آیا کہ:

جنات عالم الغَیب نہیں ہیں---- قرآن نے واضح الفاظ میں کہا:

﴿ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِى الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴾ (۳۴ : ۱۴)

اگر وہ عالم الغَیب ہوتے تو انھیں حضرت سُلیمان علیہ السلام کی وفات کا اسی دن اور اسی وقت پتا چل جاتا اور پھر وہ ایک سال تک تعمیر کی مُشقت اور عذاب میں مُبتلا نہ رہتے۔

عالم الغَیب ہونا---- ہر ہر چیز کا علم ہونا---- آسمانوں کی خبروں کو جان لینا--- یہ تو دُور کی بات ہے، انھیں تو اپنے سامنے کھڑے ہوئے حضرت سُلیمان علیہ السلام کی وفات کا بھی پتا نہ چل سکا۔

حضرت سُلیمان ؑ اور دو۲ قرآنی مقام

اس سے پہلے کہ حضرت سُلیمان علیہ السلام کا واقعہ مکمل ہو، دو۲ ایسے واقعات پر روشنی ڈالنا ضروری سمجھتا ہوں---- جن کو قرآن نے اپنے اوراق میں جگہ دی اور مفسّرین نے ان آیتوں کی مُختلف تفسیریں ذکر فرمائیں---- ان کی صحیح تفسیر بھی بیان کرنا چاہتا ہوں۔

پہلا واقعہ کچھ اس طرح ہے:

﴿ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ۝ فَقَالَ اِنِّىْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ

الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ۞ رُدُّوْهَا عَلَيَّ ۖ فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ۞ ﴾ (۳۸: ۳۱-۳۳)

(سُلیمانؑ کا یہ واقعہ قابلِ ذکر ہے) جب اس کے سامنے شام کے وقت تیز رو اصیل گھوڑے لائے گئے تو وہ کہنے لگا میں نے محبوب رکھا مال کی محبت کو اپنے رب کی یاد سے یہاں تک کہ آفتاب چھُپ گیا۔ حضرت سُلیمانؑ نے فرمایا اُن گھوڑوں کو واپس لاؤ۔ پھر وہ اُن گھوڑوں کی پنڈلیوں اور گردنوں کو جھاڑنے لگے۔

اِس آیت کی تفسیر میں مفسّرین کے دو۲ قول بڑے مشہُور و معروف ہیں۔

ایک قول حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہٗ سے منقُول ہے کہ:

حضرت سُلیمان علیہ السّلام کو ایک مرتبہ جہاد کی مہم پیش آئی۔ انھوں نے حکم دیا کہ گھوڑوں کو میرے سامنے پیش کیا جائے۔ تقریبًا ایک ہزار گھوڑے تیزرَو، خُوبصُورت، عمدہ اور اصیل گھوڑے ان کے سامنے پیش کیے گئے ---- وہ گھوڑوں کے اوصاف سے بخوبی واقف اور آگاہ تھے ---- اُن کا معائنہ کرتے کرتے اور دیکھ بھال کرتے کرتے اور اُن کو دیکھ کر خُوشی و مسرّت کا اِظہار کرتے کرتے دیر ہوگئی اور آفتاب غروب ہوگیا۔ اور اس طرح عصر کا وقت جاتا رہا۔

یہ سب کُچھ نسیان اور بھُول سے ہُوا ---- اور نسیان انبیاء کرامؑ کے حق میں محال نہیں ---- کہنے لگے کہ مال کی محبت یعنی گھوڑوں کی دیکھ بھال نے مجھ کو اللہ ربّ العزت کی یاد سے غافل کردیا ---- اِس پریشانی اور غم و غصّہ میں حکم دیا کہ گھوڑوں کو واپس لایا جائے اور اللہ کی محبت کے جذبے میں اور جوش میں ان سب گھوڑوں کو ذبح کردیا۔ کیونکہ وہی غفلت کا سبب بنے تھے۔ (ابنِ کثیر)

مگر اس مفہوم پر کئی اِعتراض ہوتے ہیں، جن کی تفصیل تفسیر جواہر القرآن سورۃ صاد کی آیت ۳۱ کے تحت دیکھی جاسکتی ہے۔

اِن آیات کی تفسیر میں دُوسرا قول جسے ہماری جماعت کے شیخ رئیس المفسرین مولانا حسین علی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا، یہ ہے کہ:

جہاد کی ایک مہم کے سلسلہ میں دِن کے پچھلے پہر اصطبل سے گھوڑے پیش کرنے کا حکم دیا--- جب عمدہ اور نفیس گھوڑے اُنؑ کی خدمت میں پیش کیے گئے تو بہت خُوش ہُوئے اور فرمایا:

﴿ اِنِّیٓ اَحۡبَبۡتُ حُبَّ الۡخَیۡرِ عَنۡ ذِکۡرِ رَبِّیۡ ﴾ (۳۸ : ۳۲)

اِن گھوڑوں سے میری محبت (دُنیوی محبت نہیں) اللہ کی یاد کی وجہ سے ہے۔ (اس صُورت میں عَنۡ ذِکۡرِ رَبِّیۡ کا معنی مِنۡ ذِکۡرِ رَبِّیۡ ہوگا۔

(بخاری جلد ا صفحہ ۴۸۶)

اس دوران گھوڑے آنکھوں سے اوجھل ہوگئے---- تَوَارَتۡ کی ضمیر صَافِنَاتُ الۡجِیَادُ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ یعنی گھوڑے آنکھوں سے اوجھل ہوگئے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا کہ گھوڑوں کو واپس لایا جائے---- جب گھوڑے واپس لائے گئے تو آپ گھوڑوں کی پنڈلیوں اور گردنوں پر شفقت و پیار سے ہاتھ پھیرنے لگے۔

اِس مفہُوم کو امام رازی نے، ابن جریر طبری نے اور خازن نے نقل کیا ہے---- ابن جریری طبری نے پُوری سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اِس مفہُوم کو نقل فرمایا ہے۔

دُوسرا مقام

﴿ وَ لَقَدۡ فَتَنَّا سُلَیۡمٰنَ وَ اَلۡقَیۡنَا عَلٰی کُرۡسِیِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ﴾ (۳۸ : ۳۴)

بے شک ہم نے سُلیمانؑ کو آزمایا اور اس کے تخت پر ایک دھڑ ڈال دیا۔ پھر سُلیمانؑ اللہ کی جانب متوجہ ہوا۔

اِس آیت میں جس آزمائش کا ذکر ہُوا ---- وہ کون سی اور کیا آزمائش تھی؟ اور جسد سے مُراد کیا ہے جو اُن کے تخت پر ڈالا گیا ---- اِن دونوں باتوں کی تعیین قرآن نے نہیں فرمائی --- اِس لیے اِس کی تعیین میں مفسّرین کے درمیان اِختلاف پایا جاتا ہے۔

اِس آیت کی تفسیر میں اِمام رازی رحمۃ اللہ تعالےٰ نے کہا ہے کہ:

حضرت سلیمان علیہ السّلام ایک دفعہ سخت بیمار ہوگئے ---- دن بدن کمزوری بڑھتی چلی گئی ---- اُن کی حالت اور صحت اِس حد تک نازک ہوگئی کہ جب تخت پر لا کر بٹھائے گئے تو ایسے معلوم ہوتا تھا کہ ایک دھڑ ہے جس میں رُوح موجود نہیں ---- اِس کے بعد اللہ ربّ العزت نے انھیں صحتِ کاملہ عطا فرمادی۔

اس تفسیر میں آزمائش سے مراد بیماری ہے ---- جَسَدًا سے مُراد خود حضرت سُلیمان علیہ السّلام کا بیماری کی وجہ سے کمزور جسم ہے --- اور ثُمَّ اَنَابَ سے مراد صحت مند ہوجانا ہے۔

اللہ ربّ العزت آزمائش کر کے یہ بتانا چاہتے تھے کہ تمام تر بادشاہی و سلطنت کے ---- اور تمام تر حاکمانہ جاہ و جلال کے ان کا اقتدار بلکہ جان اور وجود تک ان کے اپنے قبضہ اور اختیار میں نہیں ہے۔

کچھ مفسّرین نے اِس آیت کی تفسیر کے طور پر ایک حدیث کو ذکر کیا ہے کہ:

ایک رات حضرت سُلیمان علیہ السّلام نے قسم کھائی کہ آج رات میں اپنی تمام بیویوں سے وظیفۂ زوجیت ادا کروں گا۔ (جو تعداد میں ستّر، نوے، یا سَو کے قریب تھیں۔) اور ہر ایک بیوی سے ایک بچہ پیدا ہوگا جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا ---- مگر اِن شاء اللہ نہ کہا۔

خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک بیوی کے علاوہ کسی نے بھی بچہ نہ جنا۔۔۔۔ صرف ایک عورت سے ادھورا اور مُردہ بچہ پیدا ہوا جو دایہ نے تخت نشین حضرت سُلیمان علیہ السلام کے سامنے آکر پیش کردیا۔ (بخاری جلد ا صفحہ ۳۹۵)

مُفسرین کہتے ہیں جسد سے مراد یہی ناقص الخلقت بچہ ہے۔۔۔۔ اسی کو دیکھ کر ندامت کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع ہوئے اور اِن شاء اللہ نہ کہنے پر اِستِغفار کِیا۔

مگر اس فرمانِ نبویؐ سے ادنیٰ سا اشارہ بھی نہیں نِکلتا جس سے معلُوم ہو کہ یہ فرمان سورۂ صاد کی آیت ۳۴ کی تفسیر ہے۔

حدیث میں جو واقعہ بیان ہوا وہ اپنی جگہ پر سَو فیصد درست ہے۔ مگر اس آیت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

کُچھ مُفسرین نے از خُود اس حدیث کو اس آیت کی تفسیر میں ذکر کردیا ہے۔

رئیس المفسرین مولانا حسین علی رحمۃ اللہ تعالیٰ اس آیت کی بہت دل نشین اور خُوبصُورت تفسیر فرماتے ہیں کہ:

حضرت سُلیمان علیہ السلام جہاد کے گھوڑوں کی دیکھ بھال میں اس قدر مصروف اور مشغُول ہوگئے کہ عصر کی نماز اپنے اصل وقت سے لیٹ اور مؤخر ہوگئی۔ (اگرچہ آفتاب غروب نہیں ہوا تھا) اللہ رب العزت نے اس ادنیٰ تغافل پر بطور تنبیہ حضرت سُلیمان علیہ السلام سے حکومت وسلطنت لے لی اور ان کی جگہ ایک بیکار شخص کو تخت نشین کردیا۔

حضرت سُلیمان علیہ السلام نے جب اس ادنیٰ تغافل پر اِستِغفار کِیا تو اللہ رب العزت نے انھیں حکومت وسلطنت واپس کردی اور گھوڑوں کے عوض ہوا کو ان کے تابع کردیا۔

جسد سے مُراد وہی ناکارہ اور بیکار شخص ہے جس کو اللہ ربُّ العزت نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی جگہ پر تخت نشین کر دیا تھا۔
اِس تفسیر سے یہ آیت ماقبل کی آیات سے مضامین کے اِعتبار سے مربوط ہو جاتی ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین
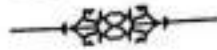
سیدنا یونس علیہ السلام

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّیْ وَ نُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ الْاَمِیْنِ وَ عَلٰۤی اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿وَ ذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَیْهِ فَنَادٰی فِی الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ﳓ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ ﳓ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَ نَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ وَ كَذٰلِكَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ ۝﴾ (سورۃ انبیاء ۲۱: ۸۷۔۸۸)

اور یاد کرو مچھلی والے کو جب چلا گیا ناراض ہو کر۔ پھر سمجھا کہ ہم اسے نہیں پکڑ سکیں گے۔ پھر اس نے اندھیروں میں پکارا کہ تیرے سوا معبود کوئی نہیں تُو بے عیب ہے مَیں تھا بے اِنصافوں میں سے۔

(صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ)

سامعینِ گرامی قدر! سورۃ الانبیاء کی آیت ۸۷ اور آیت ۸۸ کی تلاوت کا شرف مجھے حاصل ہوا۔۔۔ دونوں آیتوں کا آسان سا ترجمہ بھی میں نے آپ کو سنا دیا۔

یہ آیتیں سن کر اور ان کا ترجمہ سماعت فرما کر اتنی بات تو آپ کو معلوم ہوگئی ہوگی کہ ان آیتوں میں اللہ ربُ العزت نے اپنے ایک جلیل القدر پیغمبر

حضرت یونس علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا ہے۔

قرآن مجید میں حضرت یونس علیہ السلام کا تذکرہ چھ سورتوں میں کیا گیا ہے ---- سورۃ نساء اور سورۃ انعام میں صرف ان کا اسم گرامی مذکور ہے اور باقی چار سورتوں ---- سورۃ انبیاء، سورۃ صافات، سورۃ یونس اور سورۃ قلم میں ان کی سیرت اور حیاتِ طیبہ کے صرف اس پہلو کو ذکر کیا گیا ہے جو ان کی پیغمبرانہ زندگی سے متعلق ہے ---- اور جس میں آخری امت کے لوگوں کے لیے رشد و ہدایت، نصیحت، اور دعوتِ بصیرت ہے۔

سورۃ الانبیاء میں ان کو ذالنون کے لقب سے یاد کیا گیا ---- یعنی مچھلی والا ---- اور سورۃ قلم میں انھیں صاحب الحوت کہہ کر ان کا تذکرہ ہوا ---- صاحب الحوت کا معنی بھی مچھلی والا ہے۔

حضرت یونسؑ کا ذکر حدیث میں

حدیث کی کتب میں حضرت یونس علیہ السلام کا ذکرِ خیر بڑے انوکھے اور عجیب انداز میں ملتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت یونس علیہ السلام کا تذکرہ کرتے ہوئے ---- ان کے مقام و مرتبہ ---- اور ان کی عظمت و فضیلت کو ایک خاص انداز میں بیان فرمایا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی نقل فرماتے ہیں:

لَا یَقُوْلَنَّ اَحَدُکُمْ اِنِّیْ خَیْرٌ مِنْ یُوْنُسَ بْنِ مَتّٰی۔

تم میں سے کوئی شخص یہ نہ کہے کہ میں (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) یونس بن متّیٰ سے بہتر ہوں۔ (بخاری کتاب الانبیاء)

اِس سلسلہ میں بخاری ہی سے ایک حدیث اور سنیے ---- جس کے

راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں---- فرماتے ہیں کہ:

ایک مرتبہ کوئی یہودی اپنا سامان فروخت کر رہا تھا---- ایک شخص نے سامان خرید کر جو قیمت ادا کرنا چاہی وہ قیمت یہودی کی مرضی اور منشاء کے خلاف تھی۔ (دونوں کے درمیان اپنی اپنی بات منوانے کے لیے تکرار ہوا) تو یہودی کہنے لگا:

مجھے قسم ہے اُس ذات کی جس نے حضرت موسیٰؑ کو تمام انسانوں سے افضل اور برتر بنایا۔ میں اِس قیمت پر یہ چیز فروخت نہیں کروں گا۔

ایک انصاری صحابی قریب ہی یہ گفتگو سُن رہا تھا---- اُس نے غصّے میں یہودی کو ایک طمانچہ رسید کیا---- اور کہا:

تم جو کچھ کہہ رہے ہو وہ غلط کہہ رہے ہو---- صحیح اور درست بات یہ ہے کہ ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں سے افضل و اشرف اور برتر مقام رکھتے ہیں۔

یہودی اُسی وقت دربارِ رسالت میں حاضر ہوا اور انصاری کی گفتگو بھی بتائی اور تھپڑ مارنے کی کارروائی بھی سنائی۔

اِمام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے انصاری صحابی کو بلایا اور اُس سے واقعہ کی حقیقت دریافت کی---- اُس نے یہودی کی بات (جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تمام انسانوں پر برتری کا ذکر تھا) بتائی۔

واقعہ سُن کر آپؐ کا چہرۂ پُر انوار غصّے سے سرخ ہو گیا اور فرمایا:

لَا تُفَضِّلُوْا بَيْنَ الْاَنْبِيَآءِ

انبیاءؑ کو ایک دُوسرے پر فضیلت نہ دیا کرو۔

کیونکہ جب پہلا صُور پھونکا جائے گا تو زمین و آسمان کے درمیان---- اِس دُنیا میں جتنے بھی جاندار ہیں وہ سب کے سب بے ہوش ہو جائیں گے----

سب پر غشی طاری ہو جائے گی ---- اس کے بعد دوسرا صُور پھونکا جائے گا (تاکہ لوگ ہوش میں آجائیں) تو سب سے پہلے مَیں ہوش میں آؤں گا ---- مگر غشی سے بیدار ہو کر مَیں دیکھوں گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش کے سہارے کھڑے ہوں گے ---- مجھے نہیں معلوم کہ یا تو اُن پر غشی طاری نہیں ہوگی، اِس لیے کہ کوہِ طُور پر وہ ایک مرتبہ غشی میں مُبتلا ہو چکے ہیں، اور اس کے بدلے میں اللہ ربُّ العزت نے انھیں حشر کی غشی سے بچا لیا ہے ---- یا پھر اُن پر غشی تو طاری ہوئی مگر انھیں مجھ سے پہلے ہوش آگیا۔

اور مَیں نہیں کہتا کہ کوئی نبی بھی یونس بن متیٰ سے افضل ہے۔

ایک اشکال کا حل

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو۲ اِرشاد میں نے آپ کے سامنے بیان کیے ----

ایک اِرشاد یہ کہ مجھے یونس علیہ السلام پر فضیلت نہ دو۔

اور دوسرا اِرشاد یہ کہ لَا تُفَضِّلُوْا بَیْنَ الْاَنْبِیَآءِ ---- انبیاء کی جماعت میں کسی ایک کو دوسرے پر فضیلت نہ دو۔

مگر جب ہم قرآن مجید کو دیکھتے ہیں تو وہاں اس کے برعکس اعلان ہوتا ہے۔ قرآن کہتا ہے:

﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ (۲ : ۲۵۳)

یہ سب رسُول، ہم نے اِن میں سے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے۔

اس کے علاوہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مشہور اِرشادِ گرامی ہے:

اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ ---- میں بغیر کسی فخر کے کہتا ہوں کہ میں تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں۔

عام اور سطحی نظر سے دیکھا جائے تو لگتا ہے وہ دو حدیثیں (جو مَیں بیان کر چکا ہوں)

اور قرآن کی آیت کا مضمون آپس میں ٹکرا رہے ہیں ---- اسی طرح وہ دو حدیثیں
اور یہ حدیث جو میں نے ابھی بیان کی ہے آپس میں متضاد ہیں۔
مگر گہری نظر سے ---- اور علمی نگاہ سے دیکھا جائے تو قرآن کی آیت
کریمہ اور حدیث مبارکہ میں کوئی تضاد نہیں ہے ---- اور اسی طرح ایک حدیث
دوسری حدیث کے خلاف بھی نہیں ہے۔

یہ بات اور یہ حقیقت بھی ذہن میں رکھیے کہ پوری امت کے علماء کا
اس بات پر اجماع ہے ---- تمام ائمۂ مجتہدین کا اس بات پر اتفاق ہے -----
تمام محدثین و مفسرین کا اس بات پر اکٹھ ہے ---- امت کے علماء سلف و
خلف میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو فضیلت و درجات کے
لحاظ سے ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہے۔

انبیاء کرامؑ کے درمیان افضل و مفضول کی نسبت قائم ہے ---- اور
اس حقیقت پر بھی پوری امت کا اتفاق ہے کہ ہمارے پیارے اور محبوب پیغمبر
حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تمام انبیاء کرام سے اعلیٰ و افضل ----
سب سے اشرف و اجمل ---- سب سے اولیٰ و اکمل ---- سب سے بلند تر اور
بالا قدر ہیں۔

نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے انبیاء کرامؑ کے مابین ایک کو دوسرے پر
فضیلت دینے سے جو منع فرمایا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی نبی کو دوسرے نبی
پر اس طرح فضیلت دینا سخت منع ہے جس سے دوسرے نبی کی ہتک اور توہین کا
پہلو نکلتا ہو۔

اس طرح نہیں ہونا چاہیے کہ کسی پیغمبر کی محبت و عشق میں اور عقیدے
کے جوش میں دوسرے نبی کا مقابلہ کرتے ہوئے ایسی تعریف و توصیف اور
منقبت بیان کی جائے کہ جس سے دوسرے نبی کی شان میں گستاخی کا وہم

اور شبہ ہوتا ہو۔

اور اسی طرح جب مسلمانوں اور یہود و نصاریٰ کے درمیان انبیاء کے متعلق مجادلہ، مناظرہ اور جھگڑا ہو رہا ہو تو ایسے موقع پر کسی نبی کو دوسرے نبی پر فضیلت نہ دو ---- کیونکہ یہ موقع جذباتی ہوتا ہے اور ایسے موقع پر لاکھ احتیاط کے باوجود انسان اپنی زبان پر کنٹرول نہیں کر سکتا ---- ہوسکتا ہے وہ دوسرے پیغمبر کے متعلق ایسی بات کہہ دے جو توہین کی موجب ہو ---- اور یہ بات تو آپ جانتے ہیں کہ کسی نبی کی معمولی سی توہین اور گستاخی بھی کفر ہے۔

نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے انبیاء کرامؑ کو ایک دوسرے پر فضیلت دینے سے جو منع فرمایا وہ بھی اہلِ کتاب سے مجادلہ اور جھگڑے کا موقع تھا ---- ورنہ تو قرآن مجید کی واضح آیت موجود ہے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ---- ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت بخشی ہے۔

کس شہر میں مبعوث ہوئے

حضرت یونس علیہ السلام کو جس قوم کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا گیا وہ عراق میں ---- موصل کے علاقہ کے مشہور و معروف اور مرکزی شہر نینویٰ میں رہتے تھے ---- جس کی آبادی ایک لاکھ سے زائد بتلائی گئی ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام اٹھائیس سال کے تھے کہ انھیں نبوت و رسالت کے عظیم منصب پر فائز کیا گیا ---- نینویٰ کے رہنے والوں کی ہدایت و رہبری کے لیے مامور کیے گئے۔

حضرت یونس علیہ السلام کی قوم بھی دوسرے انبیاء کی اقوام کی طرح ---- دوسرے گناہوں کے علاوہ شرک جیسے مہلک اور موذی مرض میں مبتلا تھی ----

اللہ کے علاوہ مخلوقات میں سے من پسند شخصیات کو اِلٰہ اور معبود مانتے تھے ----- انھیں عالم الغیب مان کر اپنی حاجات ان کے سامنے پیش کرتے تھے ---- ان کے آگے سجدے کرتے اور ان کے نام پر نذر و نیاز دیتے۔

حضرت یونس علیہ السلام ایک عرصہ تک دلائل و براہین کی روشنی میں انھیں تبلیغ کرتے رہے ---- اور انھیں دعوتِ توحید دیتے رہے۔

باقی انبیاء کرامؑ کی طرح حضرت یونس علیہ السلام بھی انھیں سمجھاتے رہے ---- نصیحت کرتے رہے --- اور انھیں یہ حقیقت سمجھاتے رہے کہ یہ جبین اللہ نے اس لیے نہیں بنائی کہ اسے در در پر جھکایا جائے --- بلکہ یہ جبین صرف بنانے والے مولا کے سامنے ہی جھکنی چاہیے۔

حضرت یونس علیہ السلام کی دعوت اور ان کا پیغام بھی دوسرے انبیاء کرام والا پیغام تھا ---- یعنی لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہ ----- اس کائنات کا معبود و مسجود صرف اور صرف اللہ ربُّ العزت ہے ---- مالی، بدنی اور قولی عبادت کے لائق صرف اور صرف اللہ ربُّ العزت ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام مسلسل اللہ کی وحدانیت، اُلوہیت اور معبودیت کی دعوت دیتے اور تبلیغ کرتے رہے ---- اپنی قوم کو شرک و کفر سے روکتے رہے۔

مگر دوسرے انبیاء کرامؑ کی اقوام کی طرح ان کی قوم نے بھی ان کی نصیحت بھری دعوت اور خیر خواہانہ تبلیغ پر کان نہ دھرا ---- انکار اور سرکشی پر ڈٹے رہے ---- تکبر اور غرور پر اڑے رہے اور اپنے شرک پر جمے رہے ---- قوم حضرت یونس علیہ السلام کا مذاق بناتی رہی ---- ان کی بات کو مخول میں اڑاتی رہی ---- پھبتیاں کستے رہے اور اوبہتان و الزام لگاتے رہے۔

یہاں ایک اور بات بھی سن لیجیے اور ذہن میں رکھیے کہ انبیاء کرام

علیہم السلام کا دستور ہے اور قرآن نے اسے کئی جگہوں پر بیان فرمایا ہے کہ:
انبیاء کرام علیہم السلام دعوت توحید دینے کے ساتھ ساتھ---- حق کی تبلیغ کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی قوم کو عذابِ الٰہی سے بھی ڈراتے ہیں کہ میری بات کو مان لو---- میری دعوت کو قبول کرلو---- میرے پیغام پر لبیک کہہ دو---- اب وقت ہے ایمان لے آؤ ورنہ اللہ کا عذاب آجائے گا---- اور تم مکمل طور پر تباہ و برباد کردیے جاؤ گے---- تمھارا نام و نشان بھی مٹا کر رکھ دیا جائے گا---- وقت ہے ایمان لے آؤ اور دنیا و آخرت کی سعادتیں سمیٹ لو---- ورنہ دنیا بھی گئی اور آخرت میں بھی جہنم کا ایندھن بن جاؤ گے۔

حضرت یونس علیہ السلام کی قوم بھی باقی انبیاء کرام علیہم السلام کی قوموں کی طرح انکار، کفر اور سرکشی و غرور پر اڑی رہی---- بلکہ انکار و تکبر میں اس حد تک آگے بڑھ گئے کہ برملا کہنے لگے ہم تیری دعوت کو---- اور تیرے پیغام کو قبول نہیں کرتے جس عذاب سے تو ہمیں ڈراتا رہتا تھا وہ عذاب لے آ---- اور پھر حضرت یونس علیہ السلام کو زچ اور تنگ کرنے کے لیے کہتے---- اگر تم اپنے دعوے میں صادق اور سچے ہو تو پھر ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا؟۔

حضرت یونس علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے اعلان فرمایا:
کہ تین دن کے اندر اندر تم پر عذابِ الٰہی آنے والا ہے---- اب بھی وقت ہے کہ میری رسالت کو مان کر میرے پیغامِ توحید پر ایمان لے آؤ---- اور شرک و کفر، بت پرستی اور ضد و انکار سے باز آجاؤ---- یہ اعلان فرما کر حضرت یونس علیہ السلام نینوئی شہر سے چلے گئے۔

یاد رکھیے! حضرت یونس علیہ السلام کا نینوئی شہر سے نکلنا اپنی مرضی سے نہیں تھا بلکہ اللہ کے حکم سے تھا---- جس طرح حضرت لوط علیہ السلام سے کہا گیا تھا کہ آپ اپنے مومن ساتھیوں کو ساتھ لے کر---- اس بستی سے نکل جائیں۔

اب حضرت یونس علیہ السلام شہر سے نکل کر قریبی جنگل کی طرف چلے گئے۔

قوم یونس کی توبہ

ادھر حضرت یونس علیہ السلام کی قوم نے سوچا کہ حضرت یونسؑ عذاب کی بد دعا کر کے اور عذاب کی اطلاع دے کر شہر سے ہجرت کر گئے ہیں ---- پھر انھوں نے عذاب کے ابتدائی آثار و قرائن اور نشانیاں دیکھیں ---- کالا بادل اور سیاہ دھواں سروں پر منڈلانے لگا ---- اب قوم کے لوگ چونکے ---- ہوش ٹھکانے آنے لگے ---- اپنی غلطی اور حضرت یونسؑ کی صداقت کا یقین ہونے لگا ---- اب سمجھے کہ جس عذاب سے حضرت یونس علیہ السلام مسلسل ڈراتے آ رہے تھے ---- مگر ہم نے اسے ہمیشہ مذاق میں ٹالا، یہ وہی عذاب ہے جو ہمیں مکمل طور پر تباہ و برباد کر کے رکھ دے گا۔

یہ سوچ کر وقت کے حکمران سے لے کر عام آدمی تک سب ہی کانپ اٹھے ---- ہر بڑا اور چھوٹا آدمی ---- مرد و عورت ---- امیر و غریب سب کے سب دہشت زدہ ہوگئے اور لگے حضرت یونسؑ کو تلاش کرنے ---- تاکہ ان کے ہاتھ پر ایمان کی بیعت کریں اور کفر و شرک اور اللہ و رسول کی نافرمانیوں والے جرم کی معافی مانگیں اور توبہ کریں۔

شہر کے تمام لوگ ---- چھوٹے بڑے، مرد و عورت ---- بچے اور بوڑھے اپنے چوپایوں سمیت شہر کی آبادی سے نکل کر ---- باہر کھلے میدان میں آگئے۔

سب رونے لگے ---- چلانے اور چیخنے لگے ---- آہ و زاریاں کرنے لگے ---- اپنے سابقہ کرتوتوں کی رو رو کر معافی مانگنے لگے ---- سب کے سب ایک ہی آواز اور ایک ہی صدا میں کہنے لگے:

رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَا جَآءَ بِهٖ یُوْنُسُ ---- اے ہمارے پالنہار مولا!

تیرا پیغمبر یونس جو پیغام لے کر آیا ہے ہم سب اس پر ایمان لاتے ہیں۔

اللہ رب العزت نے قوم یونس کی آہ و زاری ---- ان کی عاجزی --- دلوں کا اخلاص اور سچائی دیکھ کر ان کی توبہ قبول کرلی ------ اور جس عذاب کے صرف آثار اور علامتیں ابھی تک ظاہر ہوئی تھیں --- وہ عذاب ان کے سروں سے ٹال دیا ---- انھیں ایمان کی دولت سے بھی نواز دیا اور عذاب سے بھی محفوظ فرما دیا۔

قومِ یونس کی توبہ منظور کیوں ہوئی

حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کی توبہ اس لیے قبول و منظور کرلی گئی کہ توبہ کا دروازہ ابھی بند نہیں ہوا تھا --- بلکہ کھلا تھا۔

یاد رکھیے توبہ کا دروازہ فقط عذاب سامنے آنے پر یا آثارِ عذاب ظاہر ہونے پر بند نہیں ہوتا، بلکہ توبہ کا دروازہ اس وقت بند ہوتا ہے جب عذاب ہر طرف سے گھیر لے --- جب عذاب چھا جائے ---- موت سامنے ناچتی ہوئی نظر آنے لگے --- موت یقینی ہو جائے ---- فرشتے عذاب لانے والے نظر آنے لگیں، اس وقت کی توبہ درجۂ قبولیت نہیں پاتی۔

اس لیے حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کی توبہ بھی قبول ہوگئی اور ان کا ایمان لانا بھی منظور ہو گیا۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے اور مشہور تابعی حضرت مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ اور حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ تعالیٰ سے یہی نقل فرمایا ہے۔ (تفصیل کے لیے تفسیر ابنِ کثیر سورۂ یونس)

اسی حقیقت کو قرآن مجید نے اس طرح ذکر فرمایا:

﴿ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ۭ لَمَّآ اٰمَنُوْا

کَشَفۡنَا عَنۡہُمۡ عَذَابَ الۡخِزۡیِ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ مَتَّعۡنٰہُمۡ اِلٰی حِیۡنٍ﴾

پھر کیوں نہ ہوئے کسی بستی کے رہنے والے کہ (عذاب کے آثار دیکھ کر) ایمان لاتے اور ایمان کی برکتوں سے نفع اٹھاتے۔ مگر صرف یونس علیہ السلام کی قوم (ایسی ہوئی) کہ (آثار عذاب کے دیکھ کر) ایمان لے آئی۔ پھر ہم نے ذلت کا عذاب اُن سے ٹال دیا، جو دُنیا کی زندگی میں پیش آنے والا تھا اور ایک خاص مدت تک انھیں سامانِ زندگی سے نفع مند ہونے کی مہلت عطا کی۔ (یونس ۱۰ : ۹۸)

ہندوستان میں قرآن مجید کا اُردو میں سب سے پہلے ترجمہ کرنے والے حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے سورۃ یونس کی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے موضح القرآن میں تحریر فرمایا:

"یعنی دُنیا میں عذاب دیکھ کر ایمان لانا کسی کو کام نہیں آیا مگر قومِ یونس علیہ السلام کو۔ اس واسطے کہ اُن پر (خُدا کی جانب سے) حکمِ عذاب نہ پہنچا تھا۔ حضرت یونس علیہ السلام کی شتابی (جلدبازی) سے صُورت عذاب کی نمودار ہوئی تھی، وہ ایمان لائے اور پھر بچ گئے۔ اِسی طرح مکہ کے لوگ فتح مکہ میں اُن پر فوجِ اِسلام پہنچی قتل و غارت کو، لیکن اُن کا ایمان قبول ہو گیا اور امان ملی"۔

قومِ یونس کے ایمان کی قبولیت ---- اور توبہ کی منظوری کی ایک مثال قرآن مجید میں موجود ہے۔

بنی اِسرائیل نے تورات کے احکام کو سخت کہہ کر ماننے سے انکار کر دیا ---- تب اللہ رب العزت نے طور کو ان کے سروں پر سائبان کی طرح معلق کر دیا اور کہا مانتے ہو کہ نہیں؟ ---- اگر انکار کرو گے تو تمھیں طور کے ذریعے پیس دوں گا ---- بنی اِسرائیل نے یہ صورتِ حال دیکھ کر توبہ کر لی تو اللہ رب العزت نے ان کی توبہ کو منظور کر لیا۔

اس لیے کہ انھوں نے عذاب کے واقع ہونے اور موت میں مُبتلا ہونے سے پہلے ---- صرف عذاب کے اندیشہ اور خوف دیکھ کر توبہ کرلی تھی ---- اسی طرح قومِ یونس نے عذاب کے آثار دیکھ کر ---- اور حضرت یونس علیہ السلام کے شہر سے چلے جانے کو دیکھ کر اخلاص سے توبہ کی اور ایمان قبول کیا ---- تو اللہ ربُّ العزت نے ان کی توبہ اور ایمان قبول فرمالیا۔

حضرت یونس علیہ السلام کی ہجرت

ادھر بستی میں یہ سب کچھ ہو رہا تھا ---- عذاب کے آثار ---- قوم کی اِجتماعی توبہ ---- ایمان لانا اور ایمان کی قبولیت ---- پھر عذاب کا قوم سے ٹل جانا۔

دوسری طرف حضرت یونس علیہ السلام بستی سے باہر اس انتظار میں تھے کہ کب اور کس وقت عذابِ الٰہی بستی والوں پر اترتا ہے ---- جس کے ذریعے ان کا نام و نشان بھی دنیا سے مٹ جائے گا ---- قوم کی اجتماعی توبہ کا حال اور ایمان لانے کا قصہ اور عذاب کے ٹل جانے کا حال انھیں معلوم نہیں تھا۔

جب وعدہ والے تین دن گزر گئے اور عذاب کا وقوع نہ ہوا ---- تو اب انھیں فکر لاحق ہوئی کہ بستی والے مجھے جھوٹا کہیں گے اور جھوٹا سمجھیں گے ---- کیونکہ میں نے انھیں یہ اطلاع دی تھی کہ تین دن کے اندر اندر عذاب آئے گا، جو تمھیں نیست و نابود کر کے رکھ دے گا۔

اب عذاب تو آیا نہیں ---- اور قوم میں دستور تھا کہ جھوٹے آدمی کو قتل کردیتے تھے ---- حضرت یونس علیہ السلام کو فکر ہوئی کہ شہر کے لوگ ---- اور میری قوم پہلے ہی مجھ سے خفا اور ناراض ہے اور اب تو ان کے ہاتھ بہانہ آگیا ہے ---- وہ مجھے جھوٹا قرار دے کر قتل کردیں گے ---- انھوں نے سوچا کہ اب شہر میں جاؤں تو کس منہ سے جاؤں ---- چنانچہ اس خفت اور شرمندگی سے بچنے کے لیے ---- اور لوگوں کے طعن و تشنیع سے بچنے کے لیے

---- اِسی رنج و الم اور غم کے عالم میں کسی دُوسری جگہ جانے اور ہجرت کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ حالانکہ اللہ ربّ العزت نے ابھی انھیں ہجرت کرنے کا حکم نہیں دیا تھا اور پیغمبر کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ کے حکم کے بغیر ہجرت نہ کرے۔
بس اتنی سی معمولی لغزش پر عتابِ الٰہی ہوا ---- اور اسی معمولی لغزش کی پاداش میں حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں رہنا پڑا۔

حضرت یونسؑ کشتی میں

حضرت یونس علیہ السلام چلتے چلتے فرات کے کنارے پہنچے ---- تو دیکھا کہ ایک کشتی مسافروں سے لبالب بھری ہوئی ہے ---- آپ بھی اس کشتی پر سوار ہوگئے --- کشتی کے ملاح نے حضرت یونسؑ کو پہچان لیا اور بغیر کرایہ کے سوار کرلیا۔ کشتی کچھ ہی آگے بڑھی تھی کہ طُوفانی ہواؤں نے کشتی کو آگھیرا ---- ناموافق ہوائیں چلنے لگیں ---- کشتی گرداب اور بھنور میں پھنس گئی اور ہچکولے کھانے لگی۔
کشتی والوں نے بوجھ ہلکا کرنے کے لیے ارادہ کیا کہ ایک آدمی کو کشتی سے باہر پھینک دیا جائے تاکہ باقی مسافر بچ جائیں۔
یا اپنے عقیدے اور مفروضے کے مطابق کہنے لگے کہ ہماری کشتی کی من جانب اللہ یہ شان ہے کہ جب اس میں کوئی ظالم گنہگار یا اپنے مالک سے بھاگا ہوا غلام سوار ہوتا ہے تو یہ کشتی گرداب میں پھنس جاتی ہے ---- اور جب تک وہ غلام کشتی سے الگ نہ ہوگا کشتی آگے نہیں بڑھے گی۔ ایسا کوئی شخص ہے تو اپنے آپ کو ظاہر کرے، تاکہ اس ایک شخص کی وجہ سے سارے لوگ مُصیبت میں نہ پھنس جائیں۔
حضرت یونس علیہ السلام نے یہ اعلان سنا تو دل میں یہ خیال آیا کہ اپنے مالک حقیقی سے بھاگا ہوا غلام تو مَیں ہوں ---- جو اپنے مالک حقیقی کی وحی اور حکم کا

اِنتظار کیے بغیر اِس طرح چلا آیا ---- اللہ ربُّ العزت کو میرا اِس طرح ہجرت کے سفر پر نکلنا پسند نہیں آیا ---- اِس لیے میری آزمائش اور امتحان کے آثار شروع ہو رہے ہیں۔

حضرت یونس علیہ السلام نے کشتی والوں سے کہا:

اپنے مالک سے بھاگا ہُوا غلام مَیں ہُوں ------ مُجھے کشتی سے باہر پھینک دو ---- تاکہ تم اطمینان سے دوسرے کنارے پہنچ جاؤ۔

کشتی کے ملاح نے اور دوسرے مسافروں نے بھی حضرت یونس علیہ السلام کی پاکیزہ فطرت سے مُتأثر ہو کر ان کی یہ بات ماننے سے انکار کر دیا ---- اور قرعہ اندازی کا فیصلہ ہوا۔

جب قرعہ اندازی ہوئی تو نام حضرت یونس علیہ السلام کا نِکلا۔

مگر کشتی والوں نے کہا: ---- نہیں یار اتنا خُوبصُورت و خُوب سیرت آدمی ہے --- اس کے چہرے کی معصُومیت تو دیکھو! پھر مذہبی راہنما ہے ---- ایسے لوگ دریا میں پھینکنے کے لائق ہوتے ہیں؟ ---- قرعہ اندازی دوبارہ کرو۔

دوسری بار قرعہ اندازی میں نام پھر حضرت یونس علیہ السلام کا نِکلا۔

کشتی والے شریف لوگ تھے ---- کہنے لگے: اس شخص کو ہم دریا کی لہروں کے حوالے نہیں کریں گے ---- قرعہ اندازی تیسری بار کی جائے۔

(سامعینِ گرامی قدر! کشتی کا ملاح اور مسافر اچھے لوگ تھے --- حضرت یونسؑ کی ظاہری شکل و صُورت کو دیکھ کر مُتأثر ہوگئے اور باوجود قرعہ اندازی میں بار بار نام نکلنے کے انھیں دریا کی لہروں کے حوالے کرنے کے لیے تیار نہیں ہوئے۔

شکر ہے وہاں، پاکستان کے لبرل مُسلمان نہیں تھے ---- انھوں نے قرعہ اندازی بھی نہیں کرنی تھی --- بلکہ کہنا تھا: اِسی مولوی داڑھی والے کو

دریا میں پھینک دو ---- یہ دہشت گرد ہے۔ معاشرے کی تمام تر نحوست بھی اِن ہی کی وجہ سے ہے ---- اور یہ کشتی جو گرداب میں پھنس رہی ہے، یہ بھی انہی کے اعمال کی سزا ہے۔

کہتے ہیں نا آپ کہ ملک میں تمام تر خرابی و فساد کے ذمہ دار مولوی ہیں ---- انھوں نے ملک کو تباہ کردیا ہے ---- انھیں ایک کشتی میں سوار کرواکے عین سمندر کے درمیان جاکے غرق کردینا چاہیے ---- ہمارے ملک کے ایک حکمران سکندر مرزا نے یہی کہا تھا ---- پھر ایسا ذلیل ہُوا کہ لندن کے ہوٹل میں آلو اور پیاز چھیلتا مر گیا۔

ہمیں تعجب ملک کے عوام پر ہے جو انصاف پر مبنی فیصلے نہیں کرتے اور تاریخ کی صداقتوں کو جُھٹلاتے ہیں۔ آپ تمام حضرات ذرا اِنصاف کو آواز دے کر بتلائیے کہ بانیِ پاکستان ---- محمد علی جناح سے لے کر آج یُوسف رضا گیلانی تک اِس ملک میں اِقتدار مسٹر کے پاس رہا یا مولوی کے پاس؟۔

اگر ملکِ کی تریسٹھ (۶۳) سالہ تاریخ میں اِقتدار اور حکومت اور اختیار مسٹر کے پاس رہا ہے تو پھر ملک کو برباد اور غیر خُوشحال مولوی نے کس طرح کردیا؟۔

لعنت ہو بدبخت اور مکّار صفت انگریز پر ---- خُود ہند و پاک کو چھوڑ گیا مگر اپنی کالی ذرّیت کو یہاں چھوڑ گیا ---- اپنی تعلیم، اپنی تہذیب، اپنا تمدّن، اپنا کلچر، اپنا لباس، اپنی زبان ---- اور اپنا قانون چھوڑ گیا۔

کمینہ اپنے مذہبی راہنماؤں کو فادر کا لقب دے گیا اور اسلام کے مذہبی راہنماؤں کو مُلّاں، صُوفی کے نام دے گیا ---- مولوی کا نام کمیوں کی فہرست میں درج کرکے گیا ---- اِس کا نتیجہ یہ نِکلا کہ آج کا مذہب اور دین سے بیزار نوجوان ---- اسلامی تعلیمات سے خائف نوجوان ---- اپنے مذہبی راہنماؤں کا

مذاق اڑاتا ہے۔

اور صرف مولوی کا نہیں، بلکہ اپنے محبوب اور شفیع پیغمبر ----- اور اپنے پیارے رسُولِ مکرم کی سُنّت ---- بلکہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی سُنّت داڑھی کے ساتھ تمسخر اور مخول کرتا ہے ----- کبھی اسے سائن بورڈ کہتا ہے ---- کبھی اسے کُوچی کے نام سے پکارتا ہے۔

تعجب ہے آج کے مُسلمان کہلانے والے پر ---- کہ جس کے پیچھے نماز، جُمعہ اور عیدین پڑھتے ہیں، پھر اپنی محفلوں اور مجلسوں میں اسی کے خلاف ہرزہ سرائی اور اس کی بُرائی کرتے ہیں۔

مُجھے ایک ہندو دکھاؤ جو اپنے مذہبی پیشوا کی توہین کرتا ہو ----- مُجھے ایک سکھ دکھاؤ جو اپنے مذہبی راہنما کا گلہ کرتا ہو ---- مُجھے ایک عیسائی دکھاؤ جو اپنے پادری کا مذاق اڑاتا ہو ---- مُجھے ایک یہودی دکھاؤ جو اپنے پوپ کے خلاف ہرزہ سرائی کرتا ہو۔

کوئی ہندو ---- کوئی سکھ ---- کوئی عیسائی ---- کوئی یہودی ----- کوئی مجوسی اور کوئی پارسی اپنے مذہبی راہنما اور اپنے دینی پیشوا کا مذاق نہیں اڑاتا ---- اس کی توہین نہیں کرتا ---- اس کے خلاف ہرزہ سرائی نہیں کرتا ----- اور اس کی بُرائی نہیں کرتا۔

یہ صرف مُسلمان ہے اور اسلام کا دعویدار ہے جو اپنے مذہبی راہنماؤں کا مذاق اڑاتا ہے ----- ان کی توہین کرتا ہے ---- ان کے گلے کرتا ہے اور ان کے متعلق ہرزہ سرائی کرتا ہے ---- انھیں معاشرے کا حقیر فرد سمجھتا ہے اور معاشرے اور سوسائٹی میں انھیں کوئی مقام دینے کے لیے تیار نہیں۔

میرے بھائیو! یہ مولوی لوگ آپ کی مساجد میں آپ کا کام کر رہے ہیں ---- مسجد کی صفائی، وقت پر اذان، صفوں کا بچھانا اور انھیں صاف

رکھنا --- وقت پر امامت کے لیے موجود ہونا --- جمعہ کے روز ---- جمعۃ المبارک کی تیاری --- خطبہ و امامت --- آپ کے بچوں کو پڑھانے کے لیے صبح و شام موجود رہنا۔

یہ آپ کی خدمت کر رہے ہیں --- خدا کے لیے انھیں اپنا نوکر اور ملازم نہ سمجھیے، بلکہ اپنا سردار اور اپنا محسن سمجھیے --- ان کی عزت کیجیے --- ان کے ساتھ احترام سے پیش آئیے --- ان کی خدمت کیجیے تاکہ پورے معاشرے میں علماء کا مقام اور وقار بحال ہو جائے۔)

رجوع بسوئے اصل موضوع

خیر جی! میں بیان کر رہا تھا کہ کشتی میں قرعہ اندازی ہو رہی ہے اور تین بار کی قرعہ اندازی میں ہر بار نام حضرت یونس علیہ السلام کا نکل رہا ہے۔ اب بات کچھ اس طرح بن گئی کہ حضرت یونسؑ کشتی میں بیٹھتے ہیں تو کشتی ڈوبتی ہے --- اور اگر انھیں کشتی سے باہر نکال دیا جاتا ہے تو کشتی تیرتی ہے اور ڈوبنے سے بچ جاتی ہے۔

اللہ رب العزت نے یہ مسئلہ سمجھایا --- اور یہ حقیقت واضح کی کہ لوگو! کشتیوں کا ڈبونا --- اور کشتیوں کا کنارے لگانا --- انبیاء اور اولیاء کے اختیار میں نہیں بلکہ میرے اختیار میں ہے۔

اگر کشتیوں کا پار لگانا اور بچانا نبیوں اور ولیوں کے اختیار میں ہوتا ---- تو وہ کشتی کبھی گرداب اور بھنور میں نہ پھنستی جس میں اللہ کے زندہ پیغمبر ---- حضرت یونس علیہ السلام بنفسِ نفیس تشریف فرما تھے۔

(سامعینِ گرامی قدر! یہاں ایک لمحہ کے لیے رک کر آپ کو غور و فکر کی دعوت دینا چاہتا ہوں کہ ایک طرف حضرت یونسؑ کی کشتی کا بھنور میں آنا ---- یہ واقعہ قرآن نے بیان فرمایا ہے ---- اس واقعہ کو دیکھیے۔

اور دُوسری طرف ہمارے جاہل واعظین اور قرآن و سُنت سے دُور مبلغین کی باتیں سنیے ---- جن باتوں کو سن کر پڑھی لکھی عوام ---- آنکھیں بند کر کے --- بلا فکر و تدبر ----- اور بغیر سوچے سمجھے ایمان لے آتے ہیں ----- وہ بالکل نہیں سوچتے کہ جو قصہ اور جو واقعہ ---- ہمارے خطیب صاحب بیان کر رہے ہیں --- اس کی کوئی دلیل ہے یا نہیں ----- بلکہ کبھی کبھی تو جو واقعہ بیان ہو رہا ہوتا ہے وہ عقل کے معیار پر بھی پُورا نہیں اترتا ---- مگر عوام الناس ---- کمزور عقیدے والے لوگ ---- ضعیف الاعتقاد احباب انھیں ایسے واقعات اور ایسے قصے بہت اچھے لگتے ہیں جن میں ایک ولی اللہ کو اللہ کی مسند پر بیٹھا ہُوا دکھایا جائے ----- اور اللہ والے اختیار وہ استعمال کر رہا ہو ----

﴿ وَاِنۡ يُّشۡرَكۡ بِهٖ تُؤۡمِنُوۡا ﴾ (۴۰ : ۱۲)

اللہ قیامت کے دن مشرکین سے کہے گا ---- دنیا میں جب خالص میری اُلوہیت ---- خالص میری معبُودیت ---- خالص میری پکار کی بات کی جاتی تھی تو تم جل بھن جاتے تھے اور انکار کرتے تھے ---- اور جب میرے ساتھ شریکوں کی بات کی جاتی تھی تو تم اچھل اچھل کر نعرے لگاتے تھے اور اسے مان لیا کرتے تھے۔

لوگو ! بھلا یہ بھی کوئی ماننے کی بات ہے ---- اور بھلا اِس میں بھی کوئی ولائت کی کوئی شان جھلک رہی ہے --- کہ ایک بارات کشتی میں جا رہی تھی ---- بوڑھی مائی نے گیارھویں (سوا روپے کی نیاز) نہیں دی تو پیرِ پیران شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ کو غصہ آگیا اور انھوں نے کشتی ڈبو کر ساری برات کو غرق کر دیا۔

لوگوں نے خطیب صاحب کی زبان سے یہ جھوٹا قصہ سن کر واہ واہ اور سبحان اللہ کہہ کے پوری مسجد سر پر اٹھالی۔

بات یہاں ختم ہوجاتی تو خیر تھی ---- مولانا آگے بیان کرتے ہیں کہ بارہ سال کے بعد پوری بارات بغداد والے پیر نے باہر نکال دی اور تمام باراتی زندہ ہوکر اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوگئے۔

ذرا ذہن پر زور دے کر سوچیے کہ اس واقعہ میں شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی عزت ہے یا توہین؟۔

کیا اسلام یہی سکھاتا ہے کہ ایک بوڑھی عورت کی غلطی پر (جو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں غلطی نہیں تھی) پوری بارات کو غرق کردیا جائے ---- کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہی ہے؟۔

ہرگز نہیں ---- بلکہ نبوی تعلیم تو یہ ہے کہ فتح مکہ کے دن جان اور خاندان کے دشمن جو تلواروں کی زد میں تھے ---- انھیں معاف کرکے آزاد کردیا جائے اور کہا جائے : لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ---- اَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ ----

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت، سُنّت اور اُسوہ تو یہ ہو کہ دشمنوں کو بھی معاف کردیا جائے اور پیر صاحب ایک بوڑھی عورت کی غلطی کی سزا پوری بارات کو دیتے ہیں ---- بھلا یہ ممکن ہے کہ پیر صاحب سُنّتِ نبوی اور اُسوۂ پیغمبری کے خلاف راستہ اختیار کریں؟۔

تم مانتے ہو تو مانتے رہو ---- مگر ہم اسے ماننے کے لیے تیار نہیں ---- کیونکہ ہم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے سچے پیروکار اور دل کی گہرائیوں سے ان کا احترام کرنے والے ہیں ---- ہم سمجھتے ہیں کہ اولیاء اللہ کا کردار و عمل سُنّتِ نبویؐ کے عین مطابق ہوتا ہے ---- ہم سمجھتے ہیں کہ اللہ کا ولی ہر قدم سُنّت کے مطابق اٹھاتا ہے ---- اور جس کا کردار، افعال اور اعمال میرے نبی کی سُنّت اور سیرت کے مطابق نہ ہوں، پھر وہ شُعبدہ باز تو ہوسکتا ہے مگر ولایت کے منصب پر فائز نہیں ہوسکتا۔

لوگو! ولی وہ ہوتا ہے جس کی ساری زندگی اتباعِ رسُول کا نمونہ ہوتی ہے ---- ہاں ولی وہ ہوتا ہے جو ایک ایک قدم اطاعتِ رسُولﷺ کی روشنی میں اٹھاتا ہے ---- ولی وہ ہوتا ہے جو زندگی کے ایک ایک موڑ پر اور زندگی کی ایک ایک حرکت میں اُسوۂ نبویؐ کا پیکر اور مجسمہ ہوتا ہے ---- اولیاء اللہ ---- اللہ کے مقرب ترین اور پیارے لوگ ہوتے ہیں ---- تقویٰ، پرہیزگاری اور خوفِ الٰہی ان کی پہچان ہوتی ہے۔

قرآن مجید اولیاء اللہ کی شان بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

﴿ اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴾ (۱۰ : ۶۲)

سنو! اللہ کے جو دوست ہیں نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

آگے بتلایا کہ اولیاء اللہ ہیں کون؟ ---- فرمایا:

﴿ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ ﴾ (۱۰ : ۶۳)

جو اللہ کے تمام احکامات پر ایمان لاتے ہیں۔ (موحد اور مُتبع سُنّت ہوتے ہیں) اور اللہ کی نافرمانیوں سے اپنے دامن کو بچا کر رکھتے ہیں۔

یہ عجیب و غریب واقعہ ---- عقل و خرد کا دشمن قصہ سن کر سامعین میں سے کوئی سمجھ دار آدمی اپنے خطیب صاحب سے نہیں پوچھتا کہ:

مولانا صاحب! جب بارات اور باراتی سب غرق ہوگئے تھے ---- تو جو مرد بارات میں تھے ---- ان کی بیویوں کو جب اطلاع ملی ہوگی کہ ہمارے خاوند اور ہمارے شوہر بارات ڈوبنے سے غرق ہوگئے ہیں ---- تو ان بیویوں نے دوسرے شوہروں سے نکاح کر لیے ہوں گے۔

پھر بارہ سال کے بعد پیر صاحب نے جب سب کو زندہ کرکے بارات کنارے لگا دی ہوگی ---- تو یہ لوگ جب اپنے گاؤں پہنچے ہوں گے اور دیکھا

ہو گا کہ ہماری بیویاں تو دُوسرے لوگوں کے نکاح میں ہیں ---- تو بڑا مسئلہ کھڑا ہو گیا ہو گا ---- ان ڈُوبنے والوں نے کہا ہو گا یہ بیویاں تو ہماری ہیں ---- دُوسرے شوہروں نے جواب دِیا ہو گا کہ تُم تو مر کھپ گئے تھے --- غرق ہو گئے تھے ---- تُم کہاں سے نکل کے آ گئے ہو ----- یہ تو پھر بڑا جھگڑا اور فساد اٹھ کھڑا ہو گا ----- مگر کیا کِیا جائے ---- اِتنی موٹی سی بات پُوچھنے والا کوئی رجلِ رشید اُن میں مَوجُود نہیں ہے۔

ایک لطیفہ

ہماری جماعت جمعیت اشاعت التوحید و السُّنّت کے ایک بزرگ واعظ ہوا کرتے تھے ---- مولانا حافظ اللّٰہ داد رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ ---- وہ سنایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ میں کشتی میں سوار ہو کر کہیں جا رہا تھا ---- کشتی سواریوں سے بھری ہوئی تھی کہ اچانک ناموافق ہوائیں چلیں اور کشتی گرداب میں پھنس کر ہچکولے کھانے لگی۔

کشتی میں سوار سب لوگ بغداد کی طرف ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے اور کُچھ لوگ پڑھنے لگے :

یَا شَیْخ عَبْدُ الْقَادِرِ جِیْلَانِی شَیْئًا لِلّٰہ

امداد کن امداد کن از بحرِ غم آزاد کن یا شیخ عبد القادرا

بغداد والے پیر مدد کر --- پیچ اور ہمیں اور ہماری کشتی کو بچا کر کنارے لگا۔

حافظ اللّٰہ داد صاحبؒ فرماتے تھے :

"وہ سب لوگ بغداد کی طرف مُنہ کر کے اور ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے اور مَیں اُن کی طرف ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا"۔

لوگوں نے مُجھے اس طرح کرتے ہوئے دیکھا تو کہا :

بابا جی ! ہم بغداد کی طرف ہاتھ باندھ کر ----- بغداد والے پیر سے مدد مانگ رہے ہیں کہ وہ کشتی کنارے لگا دے۔ اور آپ ہماری طرف ہاتھ باندھ کر کھڑے ہیں ---- اس کی کیا وجہ ہے؟۔

حافظ اللہ داد صاحب نے کہا :

"مَیں تُمھاری طرف ہاتھ باندھ کر تُمھاری منت کر رہا ہوں کہ ----- خُدا کے لیے اس مُصیبت سے نجات کے لیے کسی ایسی ہستی کو آواز لگاؤ جو کل تک کشتی کو بچا لے ---- کیونکہ کل جُمعہ ہے اور میں نے اپنے شہر میں جُمعہ پڑھانا ہے ----- اور جس بغداد والے کو تُم بلا رہے ہو، وہ پہلے بارہ سال غرق کرتا ہے پھر نکالتا ہے"۔

رُجُوع بسُوئے اصل واقعہ

ہاں جی ! تو بات ہو رہی تھی کہ تیسری مرتبہ بھی قرعہ اندازی میں نام حضرت یونس علیہ السّلام ہی کا نِکلا۔

ادھر کشتی میں ---- قرعہ اندازی میں بار بار نام حضرت یونس علیہ السّلام کا نکل رہا تھا اور ادھر ایک بہت بڑی مچھلی اللہ کے حکم کی تعمیل میں کشتی کے قریب مُنھ کھولے مَوجُود تھی ---- کہ جوں ہی حضرت یونس علیہ السّلام کشتی سے دریا میں چھلانگ لگائیں تو وہ انھیں اپنے پیٹ میں جگہ دے دے۔

حضرت یونس علیہ السّلام کشتی سے سمندر میں کُودے تو مچھلی نے انھیں لُقمہ بنا لیا---- اللہ ربُّ العزت نے مچھلی کو حکم دیا---- تیرے پیٹ میں پتھر آئے تو ہضم کر جا --- لکڑی اور کانٹے آئیں تو ہضم کرجا---- سخت سے سخت ترین چیزیں، ہضم کرجا ---- مگر میرا پیغمبر یونسؑ تیری غذا نہیں ہے، بلکہ تیرے پیٹ کو ہم نے اُس کے لیے مسکن بنایا ہے---- لہذا خبردار میرے پیارے پیغمبر یونسؑ کا ایک بال بھی بیکا نہیں ہونا چاہیے ---- بلکہ تیرا پیٹ اُس کے لیے ایئر کنڈیشنڈ کمرہ بن جانا چاہیے۔

اور دیکھ! میرے پیغمبر کو پیٹ میں لے کر سمندر میں تیرتے نہ رہنا اس طرح میرے پیغمبر کو ہچکولے آئیں گے ---- بلکہ آرام سے سمندر کی تہ میں جا کر بیٹھ جا۔

قرآن مجید نے اِس واقعہ کو اِس طرح بیان فرمایا ہے:

﴿ وَ اِنَّ یُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ○ اِذْ اَبَقَ اِلَی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ○ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِیْنَ ○ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَ هُوَ مُلِیْمٌ ○ ﴾

اور بلا شبہ یونسؑ بھی ہمارے رسُولوں میں سے ہے۔ جب وہ بھاگ کر گئے تھے بھری ہوئی کشتی کی طرف پھر قرعہ اندازی میں شریک ہوئے تو دھکیلے ہوئے لوگوں میں سے ہوگئے۔ پھر نگل لیا ان کو مچھلی نے اس حالت مین کہ وہ اپنے آپ کو ملامت کر رہے تھے۔ (سورۃ صافات ۳۷ : ۱۳۹۔۱۴۲)

یعنی اب حضرت یونس علیہ السلام سمجھ گئے اور انھیں معلوم ہوگیا کہ اللہ کے حکم کے بغیر مجھے ہجرت نہیں کرنی چاہیے تھی ---- اس بات پر وہ اپنے آپ کو ملامت کر رہے تھے ---- وَ هُوَ مُلِیْمٌ نَفْسَهٗ ---- حضرت یونس علیہ السلام جب مچھلی کے پیٹ میں پہنچے اور اپنے آپ کو وہاں زندہ پایا ---- مچھلی انھیں سمندر کی تہ تک لے کر گئی ---- مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں چالیس دن رہے ---- بعض مفسرین نے سات دن کا قول کیا اور کچھ مفسرین نے پانچ دن بھی کہا ہے۔

قرآن مجید دُوسری جگہ (سورۃ الانبیاء آیت ۸۷) اِس واقعہ کو اِس طرح بیان کرتا ہے:

﴿ وَ ذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا ﴾ (سورۃ الانبیاء ۲۱ : ۸۷)

اور یاد کرو مچھلی والے کو جب وہ چل دیا غضب ناک ہو کر ---- یعنی

غصہ میں بھرا ہوا ہجرت کے ارادے سے چل پڑا ---- مُغَاضِبًا ---- اَیْ غَضْبَانَ عَلٰی قَوْمِہٖ (روح المعانی)

﴿فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَیْہِ﴾ (۲۱ : ۸۷)

پھر اس نے خیال کیا کہ ہم اس پر کوئی گرفت نہیں کریں گے۔

یاد رکھیے یہاں لَنْ نَّقْدِرَ عَلَیْہِ میں قدر بمعنی تقدیر اور قدرت نہیں ہے کہ معنی اس طرح ہو کہ یونس نے گمان کیا کہ ہم اس کو پکڑ نہیں سکیں گے۔

کیونکہ ایسا عقیدہ ایک پیغمبر کے بارے میں رکھنا خطرے سے خالی نہیں ہے ---- یہ گمان کہ اللہ پکڑ نہیں سکتا ---- یہ گمان تو ایک ادنیٰ درجے کا مسلمان بھی نہیں کر سکتا، چہ جائے کہ ایک اُولُوالعزم رسُول ایسا گمان کرے۔ بلکہ یہاں قدر ---- تنگی کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور قدر کا ایک معنی تنگی کا عربی زبان میں مستعمل ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا اِرشاد ہے:

﴿اَللّٰہُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ وَیَقْدِرُ لَہٗ﴾

اللہ جس کے لیے چاہتا ہے روزی کو فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے روزی کو تنگ کر دیتا ہے۔ (سورۂ عنکبوت ۲۹ : ۶۲)

﴿فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَیْہِ﴾ میں بھی قدر تنگی کے معنی میں استعمال ہوا ہے ---- مطلب یہ ہوگا کہ:

حضرت یونس علیہ السلام وحی کا اور اللہ کے حکم کا انتظار کیے بغیر ---- اور اللہ کی مرضی معلوم کیے بغیر چل پڑے۔ انھوں نے یہ سمجھ لیا کہ ہم ان کی اس جلد بازی پر ان کو آزمائش اور تنگی میں نہیں ڈالیں گے اور کیا ہم ان کے لیے سزا اور آزمائش کا فیصلہ نہیں کریں گے۔ (تفسیر کبیر)

اور اگر لَنْ نَّقْدِرَ عَلَیْہِ "قدرت" سے ہو تو پھر یہ اِلزامُ المُخَاطَبِ

بِمَا لَا یَلْزَمُ کے قبیلے سے ہوگا---- یعنی محبت و پیار میں مخاطب کے ذمے ایسی بات لگا دینا جو بات وہ اپنے ذمہ لینے کا سوچ بھی نہیں سکتا---- یہ محبت کے باب میں سے ہے---- اب معنی اس طرح کریں گے :

اچھا ہمارا یونس ہمارے حکم کے بغیر ہجرت کے راستے پر چل نکلا---- اچھا وہ یوں جا رہا ہے کہ ہم اسے پکڑ نہیں سکتے۔

مچھلی کے پیٹ میں اللہ کی پکار

حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں ہیں----

سخت آزمائش---- اور کڑے امتحان میں گھر کر---- دکھ اور مصیبت کی ان گھڑیوں میں اور تین اندھیروں میں انھوں نے پکارا تو کس کو پکارا؟ غائبانہ مدد کے لیے---- اور اس مصیبت سے نجات کے لیے صدا لگائی تو کس کو لگائی؟ نہ اپنے سے پہلے کسی پیغمبر کو پکارا---- نہ اپنے جدامجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پکارا---- نہ اپنے بابا حضرت آدمؑ کو پکارا۔

بلکہ پکارا تو کس ذات کو؟ قرآن کہتا ہے :

﴿فَنَادٰی فِی الظُّلُمٰتِ﴾ (۲۱ : ۸۷)

پھر یونسؑ نے پکارا اندھیروں میں---- یعنی تہ در تہ اندھرے ہی اندھیرے---- تین گھٹا ٹوپ اندھیرے---- ایک رات کی سیاہ چادر کا اندھیرا---- دوسرا سمندر کی گہرائی کا اندھیرا---- تیسرا مچھلی کے پیٹ کا اندھیرا---- تین اندھیروں میں---- مصیبت و دکھ کی اس گھڑی میں--- غم اور پریشانی کے ان لمحات میں---- آزمائش و امتحان کی وادیوں میں---- ایسی لاچاری اور بے کسی میں---- اتنی مجبوری اور ایسی کمزوری میں--- ایسے دگر گوں اور مشکل ترین حالات میں حضرت یونسؑ نے کن الفاظ میں---- ہاں کتنے خوبصورت انداز میں اپنے رب کو براہِ راست پکارا، اور اپنی پکار میں کسی کا واسطہ، وسیلہ اور کسی کا

طفیل پیش نہیں کیا ---- بلکہ براہِ راست پکارتے ہوئے کہا :

﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ (۲۱ : ۸۷)

تیرے سوا کوئی اِلٰہ نہیں ہے ---- تیرے سوا عالم الغیب دوسرا کوئی نہیں ہے ---- تیرے سوا میری پکار کو تین اندھیروں میں سُننے والا اور کوئی نہیں ہے ---- مُجھے اس مُصیبت اور غم سے نجات دینے والا ہے تو صرف اور صرف تو ہی ہے۔

سُبْحٰنَكَ ----- تیری ذات پاک ہے --- تیری ذات میں کوئی شریک اور ساجھی نہیں ہے ---- اور تیری صفات میں بھی کوئی شریک نہیں ---- تیری ذات تمام عَیبوں سے، مجبُوریوں اور کمزوریوں سے ----- عاجزیوں اور محتاجیوں سے پاک اور مبرا ہے۔

اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ----- بے شک میں قصور واروں میں سے ہوں --- مجھ سے یہ قصور اور لغزش ہوگئی کہ تیری اجازت کے بغیر ہجرت کر کے چلا آیا ---- مولا ! مُجھے معاف فرما دے۔

(سامعین گرام قدر ! ایک لمحہ کے لیے یہاں رک کر ایک مسئلہ سمجھنے کی کوشش کیجیے ----- حضرت یونس علیہ السّلام کی اِس دعا اور پکار سے ---- اور دعا کے الفاظ سے ایک حقیقت واضح ہوگئی کہ اِلٰہ وہ ہوتا ہے جو غائبانہ پکاریں سُنتا ہو ---- اِلٰہ وہ ہوتا ہے جو پکاریں سن کر پکارنے والے کی مُصیبت کو دور کردینے کی طاقت رکھتا ہو ---- اسی لیے حضرت یونس علیہ السّلام اپنی مُصیبت ---- اپنی تکلیف ---- اور اپنے غم کی شکایت ان کلمات کے ذریعے کر رہے ہیں : لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ----- کہ تیرے سوا اِلٰہ کوئی نہیں ہے۔

حضرت یونسؑ کی دعا قبول ہوگئی

اللہ ربُّ العزت نے حضرت یونس علیہ السّلام کی دعا اور التجا کو سُن کر فرمایا :

﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَ نَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ﴾ (۲۱ : ۸۸)

پس ہم نے حضرت یونس علیہ السلام کی دعا کو قبول کرلیا---- اور انھیں اس دکھ اور غم سے نجات عطا فرمادی۔

(سامعین گرامی قدر! اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ جس ذات نے تین اندھیروں میں مچھلی کے پیٹ میں حضرت یونس علیہ السلام کی کمزور اور نحیف آواز اور پکار کو سن کر انھیں اس مصیبت اور غم سے نجات عطا فرمادی ---- وہی اللہ ہے جو مصیبت زدہ لوگوں کی اور دردمندوں کی فریاد اور پکار کو براہِ راست سنتا بھی ہے اور قبول بھی کرتا ہے۔

پھر اس نے صرف حضرت یونس علیہ السلام کی پکار اور التجا کو نہیں سنا ---- اس نے صرف حضرت یونس علیہ السلام کو غم اور دکھ سے نجات نہیں دی، بلکہ فرمایا:

﴿وَ كَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (۲۱ : ۸۸)

اسی طرح کوئی مومن بھی اگر ہمیں پکارے ---- اپنی مصیبت اور دکھ میں ہمیں بلائے ---- اپنی پریشانی اور غم میں ہمارے سامنے فریاد کرے ---- براہِ راست حضرت یونسؑ کی طرح ہمیں پکارے تو ہم اسے بھی دکھ اور مصیبت سے نجات عطا فرمادیں گے۔

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اِرشادِ گرامی اِس سلسلہ میں سماعت فرمائیے۔

دَعْوَةُ ذِي النُّوْنِ اِذْ دَعَا رَبَّهٗ وَ هُوَ فِيْ بَطْنِ الْحُوْتِ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ لَمْ يَدْعُ بِهَا رَجُلٌ مُسْلِمٌ اِلَّا مُسْتَجَابٌ لَهٗ (مسند احمد، ترمذی)

حضرت یونس علیہ السلام کی وہ دعا جو مچھلی کے پیٹ میں انھوں نے مانگی تھی

جو مسلمان آدمی اپنی جس مشکل میں انہی الفاظ سے دعا کرے گا اللہ اس کی دعا قبول فرمائے گا۔

اسی طرح امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور ارشادِ گرامی حاکم نے مستدرک میں نقل کیا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرامؓ سے پوچھا:

اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِشَیْءٍ اِذَا نَزَلَ بِاَحَدٍ مِّنْكُمْ كَرْبٌ اَوْ بَلَاءٌ فَدَعَا بِهٖ اِلَّا فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ۔

کیا میں تمھیں ایک ایسی چیز نہ بتلاؤں کہ جب تمھیں کوئی دکھ یا تکلیف پہنچے اور تم اس کے ساتھ بارگاہِ الٰہی میں فریاد کرو تو اللہ تعالیٰ تمھاری مصیبت اور دکھ کو دور کردے گا۔

قِیْلَ بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔

صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ ضرور بتلائیے۔

آپؐ نے فرمایا: جب تمھیں کوئی غم، دکھ اور پریشانی لاحق ہو تو وہی دعا مانگ لیا کرو جو دعا مچھلی کے پیٹ میں حضرت یونسؑ نے مانگی تھی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ ۝ لَلَبِثَ فِیْ بَطْنِهٖٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴾

(صافات ۳۷ : ۱۴۳-۱۴۴)

اگر یونس مچھلی کے پیٹ میں اللہ کی پاکی بیان نہ کرتے (خالص ہمیں نہ پکارتے) تو قیامت کے دن تک مچھلی کے پیٹ میں رہتے۔

حضرت یونسؑ مچھلی کے پیٹ سے باہر

حضرت یونس علیہ السلام نے اپنے قصور کا جب اعتراف کرلیا ---- اور اللہ ربّ العزت کی تسبیح بیان کی ---- خالص اللہ ربّ العزت

کو پکارا ـــ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کی درد بھری اِلتجا کو سنا اور مچھلی کو حکم دیا کہ وہ ہماری امانت کو جو تیرے پیٹ میں ہے۔ یعنی یونس کو باہر کنارے پر اگل دے۔

حکمِ ربانی کی تعمیل کرتے ہوئے مچھلی نے حضرت یونس علیہ السلام کو خشکی پر پھینک دیا۔ قرآن نے کہا:

﴿ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ ﴾ (۳۷ : ۱۴۵)

پھر ہم نے اسے ڈال دیا کھلے میدان میں (جہاں کوئی سایہ دار درخت نہ تھا، نہ کوئی آس پاس آبادی تھی) اور وہ بیمار تھا۔ (مچھلی کے پیٹ میں رہنے کی وجہ سے نحیف اور مضمحل ہو گئے تھے۔

مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مچھلی کے پیٹ میں رہنے کی وجہ سے ان کا جسم ایسے ہو گیا تھا جیسے پرندے کا نومولود بچہ ہوتا ہے۔ (تفسیر ابنِ کثیر) ـــ مچھلی کے پیٹ کی گرمی کی وجہ سے ان کے بدن پر کوئی بال نہیں رہا تھا۔)

اس حال میں خشکی پر ڈال دیے گئے۔

پھر اللہ کی رحمت متوجہ ہوئی اور ان کے جسم کی حفاظت کے لیے ایک بلیدار درخت اگا دیا ـــ قرآن نے کہا:

﴿ وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ﴾ (۳۷ : ۱۴۶)

اور ہم نے (ان کے جسم کی حفاظت کے لیے) ان پر ایک درخت بیل والا اگا دیا۔

يَقْطِيْنٍ ہر اس درخت کو کہتے ہیں جو بے ساق ہو اور بلیدار ہو۔

کچھ لوگوں نے کہا ـــ یہ کدو کی بیل تھی۔ جسے حضرت یونس علیہ السلام اپنے نحیف جسم پر لپیٹ لیتے تھے اور اس طرح وہ مکھیوں اور کیڑوں سے

محفوظ رہتے تھے۔

حضرت یونس علیہ السلام اس بیل کے سائے میں رہنے لگے ---- چند دنوں کے بعد ایسا ہوا کہ بیل کی جڑ کو کیڑا لگ گیا اور اس طرح وہ بیل دن بدن سوکھنے لگی ---- یہ دیکھ کر حضرت یونس علیہ السلام کو بڑا غم اور بہت دکھ ہوا ---- کہ اس بیل کی سائے میں ---- مَیں رہتا تھا ---- بڑا آرام تھا ---- مگر اب اس سائے سے محروم ہوجاؤں گا۔

اس وقت اللہ ربُّ العزت نے بذریعہ وحی ان کو مخاطب فرمایا:

میرے پیارے یونسؑ! تم نے یہ سایہ دار بیل اپنے ہاتھ سے لگائی بھی نہیں ---- اس پر آپ کی محنت بھی نہیں لگی ---- پھر بھی اس کے سوکھنے کا تھیں بہت غم ہوا۔

مگر تُم نے یہ نہ سوچا کہ تیرے شہر نینوئی کی ایک لاکھ سے زیادہ آبادی میری مخلوق ہے --- انھیں مَیں نے بنایا ہے ---- وہاں جانور بھی ہیں جو بے زبان اور بے قصور ہیں۔ کیا ان سب کو ہلاک کردینے میں ہمیں ناگواری نہیں ہوگی؟۔

اور کیا ہم اس مخلوق پر اس سے زیادہ مُشفق اور مہربان نہیں ہیں جتنے تم اس بیل سے مانوس ہو۔ مگر تم ان لوگوں کو چھوڑ کر چلے آئے اور میرے حکم کا انتظار بھی نہ کیا ---- ایک نبی کی شان اور مرتبہ کے یہ بات مناسب نہیں تھی۔

اب جائیے اپنی قوم کی طرف جس سے آپ ناراض ہو کر چلے آئے تھے --- انھوں نے عذاب کے آثار اور عذاب کی علامات دیکھ کر اجتماعی طور پر توبہ کرلی ہے ---- انھوں نے ہم سے معافی مانگ لی ہے اور جو پیغام دے کر ہم نے آپ کو بھیجا تھا وہ اس پیغام پر ایمان لا چکے ہیں ---- وہ ہمارے فرمانبردار اور مطیع بن چکے ہیں۔

جائیے اور ان کی رہبری و راہنمائی کیجیے تاکہ اللہ کی کثیر مخلوق ۔۔۔۔ ہماری رحمت کے فیض سے اور آپ کی مؤثر تبلیغ سے محروم نہ رہے۔

حضرت یونس علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اپنی قوم کے ہاں نینویٰ میں تشریف لائے۔ قوم کے لوگوں نے حضرت یونس علیہ السلام کو اپنے اندر موجود پایا تو بہت خوش اور مسرور ہوئے۔ باقی کی زندگی حضرت یونس علیہ السلام نے نینویٰ میں اپنی قوم کے اندر رہ کر گزاری اور دین کے معاملات میں ان کی راہنمائی کرتے رہے۔

حضرت یونس علیہ السلام کا انتقال بھی نینویٰ میں ہوا، اور ان کی قبر منوّر بھی نینویٰ میں بنی، جو بعد میں نینویٰ کی تباہی و بربادی کی وجہ سے نا معلوم ہوگئی۔

وما علینا الا البلاغ المبین
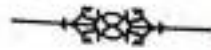
سیدنا عزیر علیہ السلام

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَآءِ وَ خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿ اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ وَّهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰی یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِكَ وَ شَرَابِكَ لَمْ یَتَسَنَّهْ ۚ وَ انْظُرْ اِلٰی حِمَارِكَ وَ لِنَجْعَلَكَ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَ انْظُرْ اِلَی الْعِظَامِ كَیْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ ﴾ (سورۃ البقرہ ۲ : ۲۵۹)

(صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ)

سامعینِ گرامی قدر! خطبے میں ---- میں نے جس آیتِ کریمہ کا سہارا لیا ہے یہ سورۃ البقرہ کی آیت ۲۵۹ ہے۔

اس آیتِ کریمہ میں ایک شخص کا تذکرہ اور ذکرِ خیر --- اللہ ربُّ العزت نے کیا ہے ---- ایک شہر اور قریہ کا ذکر بھی اس میں ہوا ---- مگر نام اس شخص کا ذکر نہیں کیا گیا اور نہ ہی اس بستی کا نام بتلایا گیا۔

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ان کے ناموں کی تعیین کے سلسلہ میں کوئی مستند روایت موجود نہیں ----- اصحاب رسول اور تابعین سے جو کچھ نقل کیا گیا ہے وہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ (جو تورات کے عالم تھا) سے ایسے اقوال منقول ہیں جن کو اسرائیلی روایات سے لیا گیا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ جس شخص کا تذکرہ اس آیت میں ہو رہا ہے وہ بنی اسرائیل کے ایک پیغمبر حضرت یرمیاہ علیہ السلام تھے اور بستی سے مراد بیت المقدس کی بستی ہے ---- اس قول کو صاحب قصص القرآن مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا ہے۔

مگر جمہور علماء امت کا خیال یہ ہے کہ اس شخص سے مراد اللہ رب العزت کے برگزیدہ پیغمبر حضرت عزیر علیہ السلام ہیں۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی تفسیر روح المعانی میں ----- اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے:

وَالْمَارُ هُوَ عُزَيْرُ بْنُ شَرْخِيَا كَمَا أَخْرَجَهُ الْحَاكِمُ عَنْ عَلِيٍّ وَ إِسْحَاقُ بْنُ بَشْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ سَلَامٍ وَإِلَيْهِ ذَهَبَ قَتَادَةُ وَعِكْرِمَةُ وَالرَّبِيعُ وَخَلْقٌ كَثِيرٌ۔

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا خیال یہ ہے کہ اس آیت میں جس شخص کا تذکرہ ہو رہا ہے ---- اس سے مراد مشہور پیغمبر حضرت عزیر علیہ السلام ہیں اور مشہور تابعی حضرت قتادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ، حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ تعالیٰ اور حضرت ربیع رحمۃ اللہ تعالیٰ کا بھی یہی خیال ہے۔ علاوہ ازیں اہل علم کی اکثریت کا بھی یہی قول ہے۔

اور جس شہر اور قریہ کا اس آیت میں تذکرہ ہوا اُس سے مُراد بیت المقدس ہے۔

قرآن مجید میں صرف ایک مقام پر (سورۂ توبہ کی آیت ۳۰ میں) حضرت علیہ السلام کا نام مذکور ہے ---- اور وہ بھی صرف یہود و نصاریٰ کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے۔

اِرشادِ باری ہے:

﴿ وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللّٰهِ ﴾

یہودی کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائیوں کا کہنا یہ ہے کہ عیسیٰ اللہ کا بیٹا ہے۔ (سورۂ توبہ ۹ : ۳۰)

ابن اللہ کہنے کی حقیقت

یہاں ایک مسئلہ سمجھانا چاہتا ہوں ---- اور ایک حقیقت کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں ---- آپ حضرات بھی میری اس بات کو ذرا غور سے سنیں اور ذہن نشین کریں کہ:

یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے تھے ---- اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا سمجھتے ہیں ---- اور مشرکینِ مکہ کا عقیدہ و نظریہ تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔

(مشرکین مکہ کے اس نظریے کو قرآن نے سورۃ صافات آیت ۱۴۹ سے لے کر آیت ۱۵۷ تک میں بیان فرمایا ہے۔)

یاد رکھیے یہود ہوں یا نصاریٰ ---- یا مشرکینِ مکہ یہ سب لوگ اللہ کے لیے بیٹے اور بیٹیاں اِس معنی میں نہیں مانتے تھے کہ معاذاللہ اللہ ربّ العزت نے شادی کی ہوگی ---- پھر وظیفۂ زوجیت ادا کیا ہوگا ---- پھر اللہ کی بیوی کے بطن سے حضرت عزیرؑ، حضرت عیسیٰؑ، اور فرشتے پیدا ہوئے ہوں گے۔ ایسے احمق اور ایسے پاگل نہیں تھے کہ اللہ ربّ العزت کے بارے ایسا

مضحکہ خیز عقیدہ اور نظریہ رکھتے۔ قرآن مجید کا گہری نظر سے مطالعہ کریں تو واضح ہو جاتا ہے کہ وہ کس معنی میں اور کس نظریے سے اللہ کے لیے اولاد تجویز کرتے تھے۔

اِرشادِ باری ہے :

﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا﴾ (۲ : ۱۱۶)

اور وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے بیٹا بنالیا---- ذرا اِتَّخَذَ کے لفظ پر غور فرمائیے جس کا معنی "بنانا" کے آتے ہیں۔

ایک ہوتا ہے بیٹا ہونا---- ایک ہوتا ہے کسی کو بیٹا بنالینا---- ان دونوں میں جو واضح اور نمایا فرق ہے وادنیٰ عقل و شعور رکھنے والے سے بھی مخفی اور پوشیدہ نہیں ہے۔

"بیٹا ہونا" کا مطلب ہے حقیقی بیٹا---- صلبی بیٹا جس نے بندے کی بیوی کی کوکھ سے جنم لیا---- اس کا خون، اور جسم کا حصہ۔

اور "بیٹا بنالینا" کا مطلب ہے کسی کو بیٹوں کی طرح چاہنا--- اس سے بیٹوں جیسا سلوک---- بیٹوں کی طرح پیار کرنا۔

یہود و نصاریٰ کا عقیدہ تھا کہ حضرت عزیرؑ اور حضرت عیسیٰؑ کو اللہ نے بیٹا بنالیا ہے---- انھیں وہ بیٹوں کی طرح چاہتا ہے اور ان سے پیار کرتا ہے۔

اور مشرکینِ مکہ کا نظریہ تھا کہ فرشتے اللہ کو اسی طرح محبوب اور پیارے ہیں جس طرح ایک انسان کو اپنی بیٹی سے پیار ہوتا ہے---- اور اللہ فرشتوں کو بیٹیوں کی طرح چاہتا ہے۔

اور جس طرح دنیا کا دستور ہے کہ باپ اپنے بیٹوں کی بات مان لیتا ہے ---- اور اپنے کچھ اختیار بیٹے کے حوالے کر دیتا ہے، اسی طرح اللہ بھی حضرت عزیرؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی سفارش کو رد نہیں کرتا

(ہماری سُنتا نہیں اور ان کی موڑتا نہیں، والا نظریہ آج ہمارے ہاں بھی

رائج اور مشہور ہے۔)

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے کچھ اختیارات حضرت عزیرؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے حوالے کردیے ہیں۔

اور جس طرح ایک باپ اپنی بیٹیوں کی بات مان لیتا ہے ---- ان کی ہر خواہش اور تمنا پوری کرتا ہے، اِسی طرح اللہ تعالیٰ بھی فرشتوں کی سفارش کو رد نہیں فرماتا۔

جس طرح بیٹے اور بیٹیاں کبھی ناز میں ---- کبھی لاڈ میں اپنی بات باپ سے منوالیتے ہیں ---- اور کبھی ضد کر کے اپنی بات تسلیم کروالیتے ہیں ---- اسی طرح حضرت عیسیٰؑ، حضرت عزیرؑ اور فرشتے بھی ہماری سفارش کر کے اللہ سے منوالیتے ہیں۔

اس رنگ میں اور اس نظریے سے وہ حضرت عزیرؑ اور عیسیٰؑ کو اللہ کے بیٹے اور فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے۔

اس سے ملتی جلتی ایک اور مثال قرآن مجید سے بیان کرنا چاہتا ہوں ---- ذرا توجہ اور غور سے سماعت فرمائیے ---- ان شاء اللہ العزیز مسئلہ کافی حد تک نکھر جائے گا۔

سورۂ توبہ آیت ۳۱ میں اللہ ربّ العزت نے فرمایا:

﴿ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ (۹ : ۳۱)

یہود و نصاریٰ نے اپنے علماء اور پیروں کو اللہ کے سوا رب بنالیا ہے۔

یہ آیتِ کریمہ جب اتری تو حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ جو عیسائیت سے اسلام کی طرف آئے تھے انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

یا رسول اللہ! ہم عیسائیوں میں تو ایسا کوئی شخص نہیں تھا جو اپنے

مولویوں کو اور پیروں کو رب کہتا ہو ---- پھر قرآن کے اس ارشاد کا مفہوم کیا ہے؟

آپؐ نے فرمایا: یہ ٹھیک ہے کہ انھوں نے زبان سے اپنے مذہبی پیشواؤں کو رب کبھی نہیں کہا ---- لیکن یہ بات تو ان میں پائی جاتی ہے نا؟ کہ جس چیز کو ان کے مذہبی راہنما حلال کہہ دیں وہ اس کو حلال سمجھتے ہیں اور جس چیز کو وہ حرام کہہ دیں وہ اسے حرام مان لیتے ہیں۔

عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے کہا: ---- یہ بات تو ہے ---- آپؐ نے فرمایا: یہی مفہوم ہے ان کو رب بنانے کا۔ (ترمذی)

اس لیے کہ حلال و حرام کا اختیار صرف اور صرف اللہ ربُّ العزت کو ہے ---- یہ اختیار جب کسی اور میں مانا جائے گا تو گویا کہ اسے رب مان لیا۔

رُجُوع بسُوئے اصل موضُوع

سامعینِ گرامی قدر! عرض میں یہ کر رہا تھا کہ پُورے قرآن میں صرف ایک مقام پر ---- سورۃ توبہ میں حضرت عزیر علیہ السلام کا نام نامی اور اسم گرامی مذکور ہے ---- اور سورۃ بقرہ میں جو محیّر العقول واقعہ بیان ہُوا ہے ---- اُس میں اگرچہ کسی شخصیت کا نام ذکر نہیں، ------ مگر جمہور علماءِ اُمت اور اکثر مُفسّرین صحابہؓ کا خیال یہ ہے کہ اس شخص سے مُراد سیّدنا عزیر علیہ السلام کی ذاتِ گرامی ہے۔

سیدنا عزیر علیہ السلام ایک بستی ---- بیت المقدس کے قریب سے گزرے ---- وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا ---- وہ بستی اپنی چھتوں کے بل گری ہُوئی تھی۔

بابل کے حکمران بخت نصر نے اپنی جابرانہ اور قاہرانہ طاقت سے بنی اسرائیل کو شکستِ فاش دے کر بیت المقدس اور فلسطین کے تمام علاقے کو

تباہ و برباد کردیا تھا۔

بیت المقدس کی بستی کھنڈر اور ویران ہوگئی تھی ---- نہ کوئی مکان رہا تھا، اور نہ ہی مکین رہا تھا ---- نہ گلیاں، نہ بازار ----- نہ دکانیں نہ عبادت گاہیں ---- پُوری بستی ملبے کا ڈھیر تھی ---- مٹے ہُوئے چند نقوش باقی تھے جو بستی کی بربادی، تباہی اور ویرانی کا مرثیہ پڑھ رہے تھے۔

حضرت عزیر علیہ السلام نے اُس وِیران اور تباہ شُدہ بستی کو دیکھ کر از راہِ تعجب و حیرت کہا:

﴿ اَنّٰی یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ﴾ (۲ : ۲۵۹)

اللہ کس طرح زندہ کرے گا؟ (یعنی آباد کرے گا) اِس بستی کو موت کے بعد۔ (یعنی ایسی تباہی و بربادی کے بعد)

ایسا کھنڈر اور تباہ حال ویرانہ ----- اُجڑی ہوئی یہ بستی اور عمارتیں پھر کیسے آباد ہوں گی ---- اور بظاہر یہ مُردہ بستی دوبارہ زندگی کس طرح پائے گی ---- ظاہراً تو ایسا سبب کوئی نظر نہیں آرہا۔

یاد رکھیے کہ حضرت عزیر علیہ السلام کے اس کہنے کا مطلب ہرگز ہرگز نہیں ہے کہ انھیں معاذاللہ اللہ کی قدرت اور بستی کو دوبارہ آباد کردینے کا یقین نہیں تھا۔

یہ یقین تو ایمان کا حصہ ہے اور ہر مومن کو حاصل ہے ---- اللہ کے نبی کو تو پھر بطریقِ اَولیٰ یہ یقین حاصل ہونا چاہیے۔

بلکہ وہ کیفیتِ اِحیاء ---- یعنی زندہ کرنے کی کیفیت کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرنا چاہتے تھے ---- صرف سُن کر بات کو مان لینا ---- اور ایمان لے آنا اور بات ہے اور اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا الگ بات ہے ---- شُنیدہ کے بُود مانندِ دِیدہ ---- سُننے اور دیکھنے میں بڑا نمایاں اور واضح فرق ہے۔

غرضیکہ حضرت عزیر علیہ السلام کو یقین بھی تھا ---- دوبارہ زندگی دینے پر ایمان بھی تھا ---- مگر اطمینانِ قلب کے لیے اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے تھے۔

جیسے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے واقعہ میں ہے ---- اور حضرت عزیر علیہ السلام کے واقعہ کو جس آیت میں ذکر کیا اس سے اگلی آیت میں اُنؑ کا واقعہ بیان فرمایا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک دن اپنے اللہ سے عرض کیا:

﴿ رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ﴾ (۲ : ۲۶۰)

اے میرے پالنہار مولا! مجھے دکھلا تو مُردوں کو کیسے زندہ کرے گا؟۔

﴿ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ﴾ (۲ : ۲۶۰)

اللہ نے کہا: میرے خلیل! کیا تیرا ایمان اور یقین نہیں ہے کہ میں مُردوں کو زندہ کر سکتا ہوں ---- حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: ---- بلٰی ---- کیوں نہیں میرے مولا ---- ایمان بھی ہے اور یقین بھی ہے۔

﴿ وَلٰكِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ ﴾

لیکن زندہ کرنے کی کئی صورتیں اور مختلف کیفیتیں ہو سکتی ہیں ---- جن کو مَیں نہیں جانتا ---- اس لیے اِطمینانِ قلب کے لیے وہ کیفیت معلوم کرنا چاہتا ہوں۔

اسی طرح حضرت عزیر علیہ السلام کا ایمان بھی تھا اور یقین بھی تھا کہ اللہ ربُ العزت مُردوں کو دوبارہ زندہ کر سکتا ہے اور کرے گا ---- مگر انھوں نے تعجب کے یہ کلمات اِس لیے کہے تاکہ عین الیقین اور حق الیقین حاصل ہوجائے ---- تاکہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں اور اپنے سامنے ملاحظہ کرلوں۔

حضرت عزیر علیہ السلام نے یہ کلمات کہے اور تھوڑی دیر آرام کرنے کی غرض سے ایک درخت کے نیچے لیٹ گئے ---- گدھے پر سوار تھے ----

اُسے درخت کے ساتھ باندھ دیا ---- توشہ دان جس میں کھانے پینے کا سامان تھا، اُسے درخت کی ٹہنی سے لٹکا دیا ---- درخت کے نیچے کچھ دیر آرام کے لیے جب لیٹے ہیں تو سورج قدرے بلند ہو چکا تھا۔

فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ (۲ : ۲۵۹)

وہ کچھ دیر کے لیے ---- آرام کرنے کی غرض سے لیٹے ہیں اور سوئے ہیں اور اللہ نے انھیں موت دے دی ---- اللہ نے اُن کی رُوح قبض کر لی۔

اور موت بھی ایک دو سال کے لیے نہیں ---- دس بیس سال کے لیے نہیں ---- اور قیامت تک کے لیے بھی نہیں ---- بلکہ مِائَةَ عَامٍ ---- موت دے دی سَو سال کے لیے۔

حضرت عزیر علیہ السلام پر سَو سال کے لیے مَوت طاری رہی ---- اُن کا جسمِ اقدس زمین کے اُوپر رہا ---- وہ دفن بھی نہیں ہُوئے ---- اُن کا جسدِ اقدس سَو سال تک محفُوظ رہا ---- اِس لیے کہ اہلِ سُنّت کا مُتفقہ عقیدہ اور اتفاقی نظریہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجساد وفات کے بعد قیامت تک محفُوظ رہتے ہیں ---- ان کو زمین کے کیڑے مکوڑے اور زمین کے ذرات نُقصان نہیں پُہنچا سکتے ---- ان کے اجساد تر و تازہ ---- اور نرم و نازک رہتے ہیں ---- انھیں رائی کے برابر تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔

اس قانون کے تحت حضرت عزیر علیہ السلام کا وجودِ مُعطّر، جسدِ مُنوّر ---- جسمِ مقدس زمین کے اُوپر رہا اور اُن کی رُوحِ مبارکہ جنّت کے اعلیٰ مقام پر رہی۔

﴿ ثُمَّ بَعَثَهٗ ﴾

سو سال کے بعد اللہ نے زندہ کر کے اٹھایا ---- دوبارہ زندگی بخشی۔

سامعینِ گرامی قدر! یہاں ایک لمحہ کے لیے ایک مسئلہ سمجھنے کی کوشش فرمائیے کہ:

اللہ رب العزت کا قانون اور دستور یہ ہے کہ انسان پر ۲ دو موتیں آتی ہیں اور اسے ۲ دو بار زندگی ملتی ہے ---- ۲ دو موتیں اور ۲ دو زندگیاں ---- ایک موت وہ جب ہم کچھ بھی نہیں تھے ---- یعنی نہ ہونے کو اور عدم کو موت سے تعبیر کیا۔ پھر ماں کے پیٹ سے باہر نکالا۔ یہ پہلی زندگی ہوئی ---- پھر ہر بندہ اپنی لمبی عمر پوری کرکے اپنے وقت پر موت کا جام پیئے گا۔ یہ دوسری موت ہوگی ---- اور پھر دوسری زندگی قیامت کے دن عطا ہوگی ---- یہ ہیں ۲ دو زندگیاں اور ۲ دو موتیں۔

اس کو اللہ رب العزت نے قرآن میں اس طرح بیان فرمایا :

﴿كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ (۲ : ۲۸)

(لوگو تم شرک کرکے اور غیر اللہ کی عبادت کرکے) کس طرح اللہ کے ساتھ کفر کرتے ہو۔ حالانکہ تم مُردے تھے۔ (یعنی بے جان نطفے باپوں کی پیٹھوں میں، یہ ایک موت ہوئی) پھر اللہ نے تمھیں زندہ کیا۔ (یہ ایک زندگی ہوئی) پھر تمھیں مارے گا۔ (یہ دوسری موت ہوئی) پھر تم کو زندہ کرے گا۔ (یہ دوسری زندگی ہوئی) پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

اسی طرح قرآن مجید نے ایک اور جگہ پر، مشرکین و کفار کی ایک بات کو نقل فرمایا جو بات وہ میدانِ محشر میں کہیں گے۔

﴿رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا﴾

اے ہمارے پالنہار مولا! تُو نے ہم کو موت دی ۲ دو بار اور زندگی دی ۲ دو بار۔ (مومن ۴۰ : ۱۱)

حضرت شاہ عبد القادر محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں :

پہلے مٹی تھے یا نُطفہ تو مُردے ہی تھے (پہلی موت)، پھر جان پڑی تو زندہ ہوئے (یعنی دنیا میں آئے) پھر مرے پھر زندہ کرکے اٹھائے گئے۔ یہ ہیں دو۲ موتیں اور دو۲ حیاتیں۔

قانون اور دستورِ الٰہی یہی ہے جو اِن دو۲ آیتوں میں بیان ہُوا ہے کہ دو۲ موتیں اور دو۲ زندگیاں ہر انسان کو حاصل ہیں۔

مگر حضرت عزیر علیہ السّلام کو تین۳ موتیں اور تین۳ زندگیاں حاصل ہُوئیں ---- یہ قدرتِ اِلٰہی ہے اور حضرت عزیر علیہ السّلام کا معجزہ ہے۔

اِس سے ملتی جلتی کئی مثالیں جو قدرتِ اِلٰہی پر شاہد ہیں۔ قرآن مجید نے بیان کی ہیں کہ اللہ ربُّ العزت نے انھیں مَوت دِی اور پھر یہیں اُن کو دوبارہ زندہ کردیا۔

سورۂ بقرہ کی آیت ۲۴۳ میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ بنی اِسرائیل کی ایک قوم نے جہاد کا حکم ملنے کے بعد جہاد سے جی چرایا ---- وہ وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے ---- انھیں خوف اور ڈر محسُوس ہوا کہ میدانِ جہاد میں جائیں گے تو مَوت آجائے گی ---- مارے جائیں گے ---- موت کے ڈر سے اور خوف سے بھاگ نکلے۔ قرآن کہتا ہے:

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ هُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ﴾

کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنے گھروں سے نکلے، وہ ہزاروں کی تعداد میں تھے مَوت کے ڈر سے نکلے۔ (۲ : ۲۴۳)

مُفسّرین نے کہا ان کی تعداد دس ہزار تھی ---- اپنے شہر سے بھاگ کر سب کے سب دو پہاڑوں کے درمیان ایک وسیع میدان میں پُہنچے۔

کچُھ مُفسّرین کا خیال ہے کہ ان کے شہر میں مُہلک وبا پھوٹ پڑی ---- تقدیر پر توکل اور یقین نہ کیا ---- اور اس خوف سے کہ وبا کی وجہ سے

مرجائیں گے بھاگ نکلے اور ایک وسیع میدان میں جا پہنچے۔

اللہ ربُّ العزت نے دو فرشتوں کو بھیجا ---- جو میدان کے دونوں کناروں پر کھڑے ہوئے اور ایسی چیخ نکالی کہ وہ سب کے سب اسی وقت لقمۂ اجل ہوگئے۔

پھر سات دِن کے بعد اللہ ربُّ العزت نے انھیں زندہ کردیا۔

اس عجیب واقعہ میں لوگوں کے لیے نصیحت بھی ہے، ہدایت بھی ہے اور عبرت بھی کہ جنگ کی وجہ سے یا کسی مُہلک وبا کی وجہ سے مَوت کے خَوف اور ڈر سے بھاگنا یہ کسی مومن اور تقدیرِ الٰہی پر ایمان رکھنے والے کے لیے ممکن نہیں ہے --- جس شخص کا یہ ایمان بھی ہو اور یقین بھی ہو کہ مَوت کا ایک وقت بھی مقرر ہے اور جگہ بھی معین ہے ---- مَوت اپنے مقررہ وقت سے ایک سیکنڈ پہلے بھی نہیں آسکتی اور ایک سیکنڈ کی تاخیر بھی نہیں ہوسکتی ---- اور جس جگہ پر مَوت نے آنا ہے اِس سے ایک انچ اِدھر اُدھر بھی نہیں ہوسکتی ---- تو پھر ایسے شخص کا مَوت کے خَوف سے بھاگنا فضول بھی ہے بے وقوفی بھی اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا سبب بھی۔

اس سے ملتے جلتے اور واقعات بھی قرآن نے بیان کیے کہ اللہ ربُّ العزت نے مَوت دینے کے بعد اِسی دُنیا میں پھر زندہ کرکے اپنی قدرت کا اِظہار فرمایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے ستر سردار جو کوہِ طُور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ آئے تھے ---- پھر انھوں نے ضد و عناد میں اور سرکشی میں مُبتلا ہو کر اِنتہائی نامناسب مطالبہ کِیا تو انھیں مَوت کے گھاٹ اتار دیا گیا ---- پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست پر انھیں زندہ کردیا۔

اِس واقعہ کی تفصیل سورۃ البقرہ آیت ۵۵-۵۶ میں بیان ہوئی۔

ایک اور واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی کے زمانے میں پیش آیا۔ جب ایک شخص کے مال پر قبضہ کرنے کے لیے اس کے چچازاد بھائیوں نے اسے قتل کر دیا---- پھر قاتلوں کے پتا نہیں چل رہا تھا تو اللہ نے اسے قاتلوں کا نام بتانے کے لیے زندہ کر دیا۔ (دیکھیے سورۃ البقرہ آیت ۷۲-۷۳)

رُجُوع بسُوئے اصل موضُوع

سامعین گرامی قدر! کسی واقعہ کو ---- اور کسی موضوع کو بیان کرتے ہُوئے ضمناً کچھ ایسی باتیں آجاتی ہیں جن کو بیان کرنا ---- اور ان کی تفصیل میں جانا خطیب کے لیے ضروری ہوتا ہے ---- اب آیئے اصل موضُوع کی طرف ---- مَیں عرض کر رہا تھا کہ حضرت عزیر علیہ السلام پر سَو سال کے لیے مَوت طاری رہی ---- سَو سال کے بعد اللہ ربُ العزت نے انھیں زندہ کر کے اٹھایا تو اُس وقت عصر کا وقت تھا ---- سورج ابھی غروب نہیں ہُوا تھا۔

اٹھانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے پُوچھا:

﴿ كَمْ لَبِثْتَ ﴾ ---- میرے پیارے پیغمبر یہاں کتنا ٹھہرے ہو۔

حضرت عزیر علیہ السلام نے جواب دیا:

﴿ لَبِثْتُ يَوْمًا ﴾ ---- میرے اللہ میں یہاں ایک دن رہا ہوں ---- پھر انھوں نے دیکھا کہ ابھی تو سورج بھی غروب نہیں ہوا، اور میں سویا تھا تو سورج طلوع ہو چکا تھا ---- پھر پورا دن تو نہیں بنتا ---- اس لیے ساتھ کہا:

﴿ أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ﴾ ---- یا دن کا کچھ حصہ رہا ہوں۔

یہ حضرت عزیر علیہ السلام کا محض تخمینہ تھا ---- اندازہ تھا ---- محض ان کا خیال تھا۔ انھیں اتنا طویل عرصہ ایک دن یا دن سے بھی کم محسُوس ہوا۔

اللہ ربُ العزت نے فرمایا:

﴿بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ﴾

میرے پیغمبر آپ یہاں سو سال ٹھہرے ہیں۔

ایک لمحہ کے لیے رُکیے

یہاں ایک لمحہ کے لیے ٹھہریے ----- اور ضد و عناد اور دھڑے بندی سے ہٹ کر ---- اور ہٹ دھرمی سے کنارہ کش ہو کر غور کیجیے ---- اِن شاء اللہ کئی مسئلے حل ہو جائیں گے۔

حضرت عزیر علیہ السلام نے سو سال کی مدت کے بعد کیا جواب دیا ---

لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ----- میں یہاں ایک دن رہا ہوں یا دن کا بھی کچھ حصہ رہا ہوں۔

حضرت عزیر علیہ السلام کے جواب سے یہ مسئلہ اور یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ جب کسی شخص کی روح اس کے بدن سے جدا ہو جاتی ہے اور اس پر موت کا فیصلہ ہو جاتا ہے ----- تو وہ شخص اِس دُنیا کے حالات سے بے خبر ہو جاتا ہے ---- پھر اسے دنیا کی اور دنیا والوں کی کوئی آواز سنائی نہیں دیتی ---- اور اس کے اِردگرد ہونے والے واقعات دکھائی نہیں دیتے۔

یاد رکھیے! جس پر موت کا فیصلہ ہو جائے ---- وہ چاہے نیک ہو یا بدکار ---- وہ چاہے اچھا ہو یا بُرا ---- وہ چاہے صالح ہو یا فاسق ---- وہ ولی اللہ ہو یا نبی اللہ ہو ---- پیغمبر ہو یا اُمتی ----- کوئی بزرگ ہو ---- کوئی پیر ہو ----- کوئی فقیر ہو ---- وہ دُنیا کے حالات سے ----- دُنیا کی آوازوں سے --- زمانے میں ہونے والے واقعات اور تغیرات سے بے خبر ہوتا ہے ---- غافل ہوتا ہے ---- پھر وہ نہ تو کسی کی کلام سُنتا ہے نہ کسی کا پیغام سُنتا ہے اور نہ کسی کا سلام سُنتا ہے ---- مرنے کے بعد مرنے والے کو کوئی پتا نہیں ہوتا کہ ہمارے پاس کون آیا ہے؟ اور کون نہیں آیا ---- زمانے میں کتنے تغیرات

پیدا ہو چکے ہیں اور کتنی تبدیلیاں آچکی ہیں؟

مسئلہِ سماعِ موتیٰ کا حل

آج ہمارے ملک میں ایک مسئلہ وجہِ نزاع بنا ہوا ہے ---- اس مسئلے پر مناظرے ہوتے ہیں ---- بلکہ بات مناظروں سے آگے بڑھ کر مباہلوں تک جا پہنچی ہے ---- مختلف جگہوں پر اور مساجد میں جھگڑے بلکہ فساد بپا ہوتے ہیں ---- ایک دُوسرے پر فتوے بازی اور بعض اوقات تبرابازی تک نوبت جا پہنچتی ہے۔

وہ مسئلہ ہے کہ مُردے سُنتے ہیں یا نہیں؟

پہلی جماعت

ایک جماعت اور ایک گروہ کا کہنا یہ ہے کہ مُردے دُنیا والوں کی باتیں سُنتے ہیں ---- قبر پر سلام کہو تو وہ سلام سُنتے بھی ہیں، اور جواب بھی دیتے ہیں ---- بلکہ قبر پر آنے والوں کو پہچانتے بھی ہیں ---- بعض غلو کے مریضوں کا کہنا ہے کہ وہ قبر کے اُوپر بیٹھے ہُوئے پرندوں کے مُتعلق یہاں تک جانتے ہیں کہ یہ نر ہے یا مادہ؟

جن لوگوں کا یہ خیال ہے ان کے پاس سوائے اٹکل پچو کے ---- سوائے تخمین و گمان کے ---- سوائے موضوع روایات کے ---- سوائے بزرگوں کے بے اصل اقوال کے کوئی مُستند دلیل نہیں ہے ---- ان کے پاس اپنے اس نظریے پر قرآن مجید کی کوئی آیت ---- کوئی مُستند خبر متواتر نہیں ہے ---- بس گمان و تخمینے پر ایک عمارت استوار کر رکھی ہے ---- دلائل کے علاوہ ان لوگوں نے مر کر بھی نہیں دیکھا کہ انھیں تجربہ ہو کہ مرنے والا مرنے کے بعد دُنیا کے حالات سے باخبر ہوتا ہے اور دُنیا والوں کی آواز کو سُنتا ہے۔

دُوسری جماعت

دوسری جماعت جس میں ہم غریب بھی شامل ہیں ---- اس کا عقیدہ اور نظریہ ہے کہ

مرنے والا چاہے کوئی ہو وہ دُنیا والوں کی کوئی بات، کوئی کلام، کوئی پیغام یا سلام نہیں سُن سکتا ---- اور نہ ہی دُنیا والوں کو دیکھ سکتا ہے ---- مرنے والے کے حواس خمسہ مفلوج اور ناکارہ ہوجاتے ہیں ---- اگر مرنے والا مومن اور نیک ہے تو اُس کی رُوح عالمِ برزخ میں اعلیٰ علیّین میں پہنچ جاتی ہے اور اگر مشرک و کافر ہے تو سجّین میں دھکیل دیا جاتا ہے اور اُس کی رُوح قیامت سے پہلے بدن میں نہیں آسکتی۔

قرآن کہتا ہے:

﴿ وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ﴾ (تکویر ۸۱ : ۷)

قیامت کا دن وہ دن ہوگا جس میں روحیں اپنے جسموں سے ملائی جائیں گی ---- بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ روح دنیا سے بہت دور ہے اور سُننا کام ہے روح کا ---- بدن کا کام سُننا نہیں ہے۔ (شاہ عبدالقادر محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ موضح القرآن میں لکھتے ہیں: "قبر میں پڑا دھڑ نہیں سُنتا"۔) ---- اور قبر میں دھڑ اور بدن ہے اس لیے نہ وہ سُنتا ہے، نہ دیکھتا ہے، نہ چل سکتا ہے، نہ پکڑ سکتا ہے اور نہ سونگھ سکتا ہے۔

جو لوگ مُردوں کے سُننے کے قائل نہیں ہیں، اگرچہ دلائل ان کے پاس ہیں ---- قرآن کی کئی آیات ہیں، احادیثِ مُبارکہ اور اِرشاداتِ نبویہ ہیں، امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے مُستند اقوال ہیں ---- حنفی علماء کی آراء ہیں ---- علماءِ دیوبند کے اِرشادات ہیں۔ (اس کے لیے میرا رسالہ "کیا مُردے سُنتے ہیں؟" کا مطالعہ فرمائیے۔)

مگر اتنے دلائل کے باوجود مر کر انھوں نے بھی نہیں دیکھا کہ ان کا مشاہدہ اور تجربہ ہو کہ مُردے نہیں سُنتے ---- تو آئیے فیصلہ ان سے نہیں کرواتے جو کہتے ہیں مُردے نہیں سُنتے، اس لیے کہ انھوں نے مر کر نہیں دیکھا

---- اور فیصلہ ان سے بھی نہیں کرواتے جو کہتے ہیں کہ مردے سُنتے ہیں۔ کیونکہ مر کر انھوں نے بھی نہیں دیکھا ---- آج فیصلہ اس شخصیت سے کرواتے ہیں جو معمولی انسان نہیں، بلکہ اللہ کا پیغمبر ہے اور انھوں نے پورے سَو سال تک مر کر دیکھا ہے ---- انھیں مَوت کا تجربہ اور مشاہدہ بھی ہے۔

وہ حضرت سیدنا عزیر علیہ السلام ہیں جنھیں سَو سال کے لیے مَوت آئی اور اللہ کے اس سوال پر کہ یہاں کتنا ٹھہرے ہو ---- جواب دیتے ہیں ایک دن رہا ہوں یا دن کا بھی کچھ حصّہ ---- حضرت عزیر علیہ السلام نے یہ جواب دے کر فیصلہ فرما دیا:

کہ جو شخص مَوت کی آغوش میں چلا جاتا ہے ---- چاہے پیغمبر ہی کیوں نہ ہو وہ دنیا کے حالات سے بے خبر ہوتا ہے ---- وہ دنیا والوں کی کوئی آواز نہیں سُنتا ---- وہ زمانے کی تبدیلی اور تغیرات کو دیکھ نہیں سکتا ---- اسے دنیا کے حالات اور آوازوں کی کوئی خبر نہیں ہوتی۔

سامعینِ گرامی! انصاف سے بتلائیے اگر حضرت عزیر علیہ السلام مَوت کے بعد دنیا کی آوازیں سُن رہے ہوتے اور حالات کو دیکھ رہے ہوتے تو کبھی سَو سال کی مُدت اور عرصے کو ایک دِن یا دِن کا کچھ حصّہ نہ کہتے۔

ذرا اندازہ لگائیے ---- معمولی سا غور فرمائیے! سَو سال کے عرصہ میں زمانے کے اندر کتنے تغیرات رونما ہوئے ہوں گے ---- کتنے واقعات و حادثات پیش آئے ہوں گے۔

سَو سال میں تقریباً چھتّیس ہزار دِن ہوتے ہیں ---- چھتّیس ہزار مرتبہ دِن آیا ہوگا اور چھتّیس ہزار بار رات کی تاریکی چھائی ہوگی ---- صبح بھی ہوتی ہوگی اور شام کے سائے بھی ڈھلتے ہوں گے ---- سَو سال کے طویل عرصہ میں سردیوں کی یخ بستہ راتیں بھی آئی ہوں گی ---- اور گرمیوں کی کڑکتی دوپہریں بھی

آئی ہوں گی ----- سورج روزانہ طلوع بھی ہوتا ہوگا اور روزانہ مغرب میں ڈوبتا بھی ہوگا ---- چاند ہر ماہ اپنی ضیاپاشیاں بکھیرتا ہوگا --- ہر رات ستارے جگمگاتے ہوں گے ---- بادل اُمڈ اُمڈ کے کئی بار آئے ہوں گے --- پھر گرجے ہوں گے ---- بجلیاں چمکی ہوں گی --- بارش برسی ہوگی ---- کبھی معمولی اور کبھی موسلا دھار --- اولے پڑے ہوں گے ---- ہوائیں چلتی رہی ہوں گی ---- کبھی نرم و نازک اور کبھی تُند و تیز ---- آندھیاں اور جھکڑ اور طوفان آتے رہے ہوں گے --- زلزلے بھی آئے ہوں گے، کبھی معمولی اور کبھی غیر معمولی --- پرندے فضاؤں میں بولتے ہوئے اور چہکتے ہوئے گزرتے رہے ہوں گے ---- مگر حضرت عزیر علیہ السلام ان تمام حالات و واقعات سے اور ان تمام آوازوں سے بے خبر رہے۔

اگر وہ ان تغیرات اور تبدیلیوں سے باخبر ہوتے ---- اگر وہ رات دن کے آنے جانے سے باخبر ہوتے ---- اگر وہ دھوپ چھاؤں کو محسوس کرتے ---- اگر وہ سردی اور گرمی کو محسوس کرتے ---- اگر وہ آندھیوں اور طوفانوں کی تیز آوازیں سُنتے ہوتے ---- اگر وہ بادلوں کی گرج کی آواز کو سُنتے اور بجلی کی چمک کو دیکھتے ہوتے ---- تو پھر سو سال کے عرصہ اور مدت کو ایک دن یا دن کا کچھ حصہ نہ کہتے۔

حضرت عزیر علیہ السلام کے واقعہ نے ---- اور ان کے جواب نے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح کردی ہے کہ موت کے بعد انسان کا رشتہ اور علاقہ دنیا سے کٹ جاتا ہے اور مرنے والا چاہے کوئی ادنیٰ ہو یا اعلیٰ ---- اُمتی ہو یا نبی ---- وہ دُنیا والوں کی نہ بات سُن سکتا ہے اور نہ دُنیا کے حالات کو دیکھ سکتا ہے۔

قرآن نے واضح فیصلہ فرمایا:

﴿ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴾ (فاطر ۳۵ : ۲۲)

میرے پیارے پیغمبر اور میرے محبوب رسُول ---- امام الانبیاء اور

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ---- اور تو اور رہے ---- میں ایروں غیروں کی بات نہیں کرتا، میں تو آپ کی بات کرتا ہوں کہ جو لوگ مر کر قبروں میں دفن ہو گئے ---- اگر آپ بھی ان کو سنانا چاہیں (جن کا کام ہی سنانا ہے) اگر آپ بھی قبروں میں مدفون لوگوں کو سنانا چاہیں تو آپ بھی ان کو نہیں سنا سکتے۔

﴿اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى﴾ (سورۂ نمل ۲۷ : ۸۰)

میرے پیغمبر! اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے۔

دُوسرا مسئلہ سمجھ آیا

حضرت عزیر علیہ السلام کے اس واقعہ سے دوسرا مسئلہ یہ ثابت ہوا اور سمجھ آیا کہ وفات کے بعد انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواحِ مقدسہ اِن کے وجود مسعود میں موجود نہیں ہوتیں بلکہ ان کے وجود مبارکہ زمیں میں دفن ہو جاتے ہیں اور ان کی ارواحِ طیبہ عالمِ برزخ میں ---- جنت الفردوس کے اعلیٰ و ارفع مقام پر استراحت فرما ہوتی ہیں اور ان کا تعلق اجساد کے ساتھ نہیں ہوتا ---- اس لیے ان کی حیاتِ دنیوی ناسوتی اور جسد عنصری کے ساتھ نہیں ہوتی ---- بلکہ ان کی حیات برزخی ہوتی ہے اور یہ حیاتِ برزخی ---- دنیوی حیات سے بہت اعلیٰ، بہت ارفع، بہت اکمل، اجمل، اجدر، اشرف، اور بہت اَولیٰ حیات ہے ----
جیسے سیدہ فاطمہ بنت محمد رضی اللہ عنہا نے بیان کرتے ہوئے کہا تھا:

مَنْ جَنَّةُ الْفِرْدَوْسِ مَاْوَاهُ (بخاری)

میرے بابا نے جنت الفردوس میں ٹھکانا پکڑ لیا ---- جنت الفردوس وہ جگہ ہے جس کی چھت اللہ کا عرش ہے ----

(حیات الانبیاءؑ کی حقیقت سمجھنے کے لیے میرا رسالہ "حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کا مطالعہ فرمائیے۔)

رُجُوع بسُوئے اصل موضُوع

سامعینِ گرامی قدر! میں عرض کر رہا تھا کہ حضرت عزیر علیہ السلام نے سو سال کی مدت اور عرصے کو اپنے گمان کے مطابق ایک دن یا دن کا بعض حصہ بتایا۔

پھر اللہ ربّ العزت نے فرمایا:

﴿بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ﴾

میرے پیغمبر جس مدت کو تم ایک دن یا دن کا بھی بعض حصہ بتلا رہے ہو وہ مدت سو سال ہے۔ آپ یہاں پورے سو سال رہے ہیں۔

ذرا اپنے کھانے کو دیکھیے ---- اتنے طویل عرصہ میں اس کے اندر ذرہ بھی بدبو پیدا نہیں ہوئی ---- وہ گلا سڑا نہیں ہے بلکہ آج بھی پہلے دن کی طرح ترو تازہ ہے۔

﴿فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ﴾

ہمارا کمال دیکھیے ---- ہماری قدرت ملاحظہ فرمائیے ---- کہ جو کھانے پینے کی اشیاء چند گھنٹے تک صحیح نہیں رہ سکتیں وہ سو سال کے طویل عرصہ تک ہر قسم کے تغیر و تبدل سے محفوظ ہیں ---- ان میں ذرہ برابر بدبو پیدا نہیں ہوئی۔

﴿وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ﴾

اب ذرا اپنے گدھے کی طرف دیکھیے ---- دیکھا تو وہاں سوائے ہڈیوں کے کچھ بھی نہیں تھا ---- اس کے گوشت پوست کو مٹی نے کھالیا تھا ---- اب دیکھیے ہم اسے کس طرح زندہ کرتے ہیں ----

﴿وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ﴾

تاکہ آپ کو عین الیقین ہو جائے اور اس طرح ہم آپ کو لوگوں کے لیے نشانی بنا دیں ---- یعنی مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر آپ کے اس

واقعہ کو لوگوں کے لیے دلیل اور برہان بنادیں۔

اب اللہ رب العزت حضرت عزیر علیہ السلام کو مشاہدہ کروانا چاہتے ہیں کہ ہم کس طرح اجڑی ہوئی بستیوں کو دوبارہ آباد کرسکتے ہیں ---- اور ہم کس طرح مُردوں تک کو زندہ کرنے پر قادر ہیں۔

﴿ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ﴾

اب دیکھیے کہ ہم کس طرح گدھے کی ہڈیوں کو ابھار کر اور جُنبش دے کر جوڑتے ہیں اور پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں۔

یعنی دیکھو! ہم گدھے کی ہڈیوں کو کس طرح جُنبش دے کر ---- ابھار کر --- اپنے اپنے جوڑ پر فٹ کرتے ہیں ---- اور پھر ان ہڈیوں پر گوشت، پوست چڑھاتے ہیں ---- اور پھر اس میں روح پھونک کر اسے دوبارہ زندہ کردیتے ہیں۔

ادھر وہ شہر جو تباہ و برباد ہو کر کھنڈر بن گیا تھا ---- اور جس کو دیکھ کر حضرت عزیر علیہ السلام نے از راہ تعجب کہا تھا:

﴿ اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ﴾

یہ تباہ شدہ شہر پھر کبھی آباد ہوگا؟۔

وہ شہر آباد ہو گیا ---- مکان بھی بن گئے اور مکین بھی آگئے --- بازار بھی آباد ہو گئے ---- مسجدیں بھی تعمیر ہو گئیں --- رونقیں بھی لوٹ آئیں۔

اللہ رب العزت نے فرمایا: میرے پیارے پیغمبر! ----- ذرا مڑ کر اس شہر کی طرف دیکھیے جس کی بربادی و تباہ حالی کا آپ کو از حد افسوس تھا اور اس کی دوبارہ آبادی پر تعجب تھا --- ہماری قدرت سے وہ شہر بھی آباد ہو گیا ہے۔

پھر جب یہ سب کچھ دیکھ کر ---- گدھے کا زندہ ہونا ----- برباد شدہ شہر کا آباد ہونا ---- جب اپنی جیتی جاگتی آنکھوں سے مشاہدہ کرلیا ---- اب انھیں علم الیقین کے بعد عین الیقین ہو گیا تو فوراً بول اٹھے :

﴿ اَعۡلَمُ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴾ (۲ : ۲۵۹)

اب مجھے مشاہدہ ہو گیا ہے --- اب مجھے عین الیقین ہو گیا ہے --- اب میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے کہ اللہ رب العزت کی ذاتِ گرامی ہر چیز پر قادر ہے ---- مجھے عین الیقین ہو گیا ہے کہ مولا تو بغیر اسباب و وسائل کے جو چاہے کرسکتا ہے ----- تجھے روکنے والا کوئی نہیں ---- تجھے ٹوکنے والا کوئی نہیں ہے ---- تو ایسا قادر ہے جو کبھی عاجز نہیں ہوتا ---- تو ایسا داتا ہے جو عطا کرکے خوش ہوتا ہے ---- تو ایسا سخی ہے کہ کسی کو خالی ہاتھ واپس نہیں کرتا ---- تو مُردوں سے زندہ اور زندوں سے مردے نکالتا ہے ---- زمین میں چھپے ہوئے ایک دانے کو سات سَو دانوں میں بدل دیتا ہے ---- تیرے سامنے کوئی چیز ناممکن نہیں ---- کوئی کام محال نہیں ---- تجھے کوئی عاجز نہیں کرسکتا..... اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ---- تیری صفت ہے ----- وَاللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰٓی اَمۡرِہٖ ---- تیرا اعلان ہے ---- وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیۡزٍ ---- تیری شان ہے ---- اِنَّ اللّٰہَ عَزِیۡزٌ ذُو انۡتِقَامٍ ---- تیری وصف ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

حضرت لقمان حکیم رضی اللہ عنہ

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ الْاَمِیْنِ وَ عَلٰۤی اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ؕ وَ مَنْ یَّشْكُرْ فَاِنَّمَا یَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ○ وَ اِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَ هُوَ یَعِظُهٗ یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ○ ﴾

(سورۃ لقمان ۳۱ : ۱۲۔۱۳)

(صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ)

سامعینِ گرامی قدر! سورۃ لقمان سے دو آیتیں میں نے آپکے سامنے تلاوت کی ہیں۔ آپ میں سے جو حضرات قرآن مجید سے کچھ بھی تعلق رکھتے ہیں وہ سمجھ گئے ہوں گے کہ ان آیتوں میں حضرت لقمان کا ذکرِ خیر اور تذکرہ ہوا ہے۔

قرآن مجید میں صرف اسی جگہ پر ان کا تذکرہ کیا گیا ہے ----- اور اس مناسبت سے پوری سورت کا نام ----- سورۃ لقمان رکھا گیا ہے۔

لقمان کون تھے؟

مفسرین اور مورخین نے حضرت لقمان کے بارے میں مختلف اقوال نقل کیے ہیں ----- کسی نے انھیں نوبہ کا باشندہ قرار دیا ہے ----- اور کسی نے ان کو عاد کے

خاندان سے منسوب کیا ہے ---- کسی نے کہا کہ وہ آزاد کردہ غلام تھے اور نجاری کا پیشہ کرتے تھے ---- کسی نے کہا کہ وہ غلام نہیں تھے۔ (جس طرح کی نصیحتیں انھوں نے اپنے بیٹے کو فرمائیں اس طرح کی نصیحتیں غلام شخص کے شایانِ شان نہیں۔) بلکہ بادشاہ تھے۔ اپنے بھائی شداد بن عاد کے بعد حکمرانی کے منصب پر فائز ہُوئے ---- کچھ حضرات نے یہ بھی کہا کہ حضرت لقمان ---- حضرت سیدنا ایوب علیہ السّلام کے بھانجے تھے ---- اور کچھ کا خیال ہے کہ خالہ زاد بھائی تھے۔

تفسیر بیضاوی میں ہے کہ حضرت لقمان کی عمر اتنی دراز ہُوئی کہ انھوں نے حضرت داؤد علیہ السّلام کا زمانہ بھی پایا ---- وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

لقمان نبی تھے یا ولی

بعض مفسرین نے حضرت عکرمہ تابعیؒ سے نقل کیا ہے کہ حضرت لقمان نبی تھے، مگر یہ قول تاریخی اعتبار سے صحیح نہیں ہے۔ (قرطبی)

جمہور علماءِ اُمت اور صحابۂ کرامؓ کا یہی نظریہ اور خیال ہے کہ حضرت لقمان نبی اور پیغمبر نہیں تھے بلکہ ولی تھے ---- پارسا شخص تھے ---- حکیم و دانا تھے اور وقت کے بادشاہ تھے۔

علامہ قرطبیؒ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے ایک روایت نقل کی ہے۔ ذرا اُسے سنیے:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ لَمْ يَكُنْ لُقْمَانَ نَبِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ عَبْدًا كَثِيْرَ التَّفَكُّرِ حُسْنَ الْيَقِيْنِ اَحَبَّ اللّٰهَ تَعَالٰى وَاَحَبَّهٗ وَمَنَّ عَلَيْهِ بِالْحِكْمَةِ۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہُوئے سنا کہ لقمان نبی اور پیغمبر نہیں تھے بلکہ وہ غور و فکر کے خوگر اور یقین کی دولت سے مالا مال بندے تھے۔ وہ اللہ سے محبت کرتے تھے اور اللہ

ان سے محبت کرتا تھا اور انھیں اللہ نے حکمت کی نعمت سے مالا مال فرمایا تھا۔

علامہ ابنِ کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی تاریخ میں کہا:

وَالْمَشْهُوْرُ عَنِ الْجُمْهُوْرِ اَنَّهٗ كَانَ حَكِيْمًا وَلِيًّا وَلَمْ يَكُنْ نَبِيًّا۔

اور جمہور کا مشہور قول یہ ہے کہ لقمان اللہ کے ولی اور حکیم و دانا شخص تھے، نبی نہیں تھے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۲ صفحہ ۱۲۵)

اللہ ربّ العزت نے قرآن مجید میں اِرشاد فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ ﴾ (۳۱ : ۱۲)

ہم نے لقمان کو حکمت عطا فرمائی۔

قرآن مجید میں حکمت کا لفظ کئی معنوں میں اِستعمال ہُوا ہے ----- حکمت بمعنی علم ---- حکمت سے مُراد عقل و فہم ----- دانش مندی و سمجھ داری بھی ---- اصابتِ رائے بھی، اور بردباری بھی ----- کئی جگہوں پر حکمت سے مُراد وہ کلام ہے جس سے لوگ نصیحت حاصل کریں۔ اور وہ کلام ان کے دلوں میں اتر جائے اور اِس کلام کو سُن کر اور محفوظ کرکے لوگ دُوسروں تک پہنچانے کی کوشش کریں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا خیال ہے کہ حکمت سے مراد عقل و دانائی اور فراست و ذہانت ہے۔

امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی رائے یہ ہے کہ علم کے مطابق عمل کرنے کا نام حکمت ہے۔

مگر ان تمام اقوال ---- اور مفسّرین کی رائے سرآنکھوں پر ----- ہر ایک نے حکمت کا خُوبصُورت سے خُوبصُورت معنی اور مفہوم بیان کیا ----- مگر قرآن مجید کی اِسی آیت کو غور سے پڑھیں اور تدبر کریں تو حکمت کا جو مفہوم سامنے آتا ہے وہ ہے اپنے رب کا شکرگزار بندہ بن جانا ---- اور اللہ کی

نعمتوں کا ہر وقت شکر ادا کرتے رہنا۔

اِسی لیے اللہ ربُّ العزت نے حضرت لقمان کو حِکمت عطا کرنے کا ذکر فرما کر ساتھ ہی فرمایا: اَنِ اشْکُرْ لِیْ ------ اس کا ایک معنی تو یہ ہوسکتا ہے کہ اَنِ اشْکُرْ لِیْ سے پہلے قُلْنَا محذوف مانا جائے اور معنی اس طرح کیا جائے:

ہم نے لقمان کو حِکمت عطا فرمائی ----- علم و عقل، فہم و فراست ----- ذہانت و دانش مندی، حِلم و بردباری، صبر و استقلال کی دولت عطا فرما کر حکم دیا کہ ان نعمتوں پر میرا شکر ادا کیا کرو۔

اور اَنِ اشْکُرْ لِیْ کا دوسرا معنی یہ ہوسکتا ہے کہ اَنِ اشْکُرْ لِیْ میں اَنْ مُفسّرہ مان لیا جائے اور معنی یوں کرلیا جائے کہ ہم نے حضرت لقمان کو جو حِکمت عطا کی تھی وہ یہی حِکمت تھی کہ ہم نے انھیں شکر کرنے کی توفیق بخشی۔

یعنی اللہ ربُّ العزت کی نعمتوں کا شکر کرنا یہی سب سے بڑی حِکمت ہے۔

سورت لقمان میں حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو کی گئی نصیحتوں کا گہری اور باریک نظروں سے مطالعہ کیا جائے تو حضرت لقمان کی دانائی اور فراست اور گفتگو کرنے کا سلیقہ اور خُوبصُورت انداز کا بخوبی علم ہوجاتا ہے ----- حضرت لقمان کی نصیحتوں میں بحرِ حِکمت کے سچے موتی موجود ہیں ----- انھوں نے کتنے خُوبصُورت طریقے سے ----- اور کتنی خُوبصُورت ترتیب سے نصیحتیں کی ہیں۔

سب سے پہلے عقائد کی درستگی پر زور دیا ------ پھر قیامت اور اللہ ربُّ العزت کے عِلم و قدرت یعنی توحید کا ذکر فرمایا ---- عقائد کی اِصلاح کے بعد اعمال کے اِصلاح کی طرف توجہ فرمائی۔ اعمال میں نماز کا ذکر فرمایا، جو سب پر مقدم ہے۔ عقائد و اعمال کے بیان کے بعد ----- یعنی اپنی اِصلاح کے بعد دُوسروں کی اِصلاح کی طرف توجہ دلائی ----- پھر آخر میں حُسنِ اخلاق اور حُسنِ معاشرہ کا ذکر فرمایا۔

سورۃ لقمان میں حضرت لقمان کی اُن نصیحتوں کا ذکر کیا گیا جو نصیحتیں انھوں نے اپنے محبوب بیٹے کو کیں تھیں۔ مقصد یہ تھا کہ عام لوگوں کے ساتھ نصیحت میں ریا کاری، تصنع، بناوٹ، دھوکا اور فریب کاری ہو سکتی ہے ----- مگر ایک شفیق باپ جب اپنے بیٹے کو نصیحت کرتا ہے تو اس میں سراسر سچائی ----- خلوص اور خیر خواہی کا جذبہ ہوتا ہے ---- وہاں غلط بیانی، عیاری اور مکاری کا امکان تک بھی نہیں ہوتا۔

اس کے علاوہ اہلِ عرب کے سامنے حضرت لقمان کی نصیحتوں کا تذکرہ کرنے سے ایک مقصد یہ بھی ہے کہ عرب کے مشرکین کو بتایا جائے کہ حضرت لقمان کو تُم بھی حکیم، دانش مند اور صاحبِ فراست مانتے ہو --- تُم بھی اُن کا اِحترام کرتے ہو---- اور اُن کے اقوال و اِرشادات کو اپنے خُطبات میں ---- اور اپنے اشعار میں فخریہ بیان کرتے ہو-----

ذرا اُن کی تعلیم پر غور و فکر کرو ----- ذرا اُن کی تعلیم پڑھ کر دیکھو ----- اور ذرا اُن نصیحتوں کو سنو جو انھوں نے اپنے بیٹے کو کیں تھیں ---- پھر اُن نصیحتوں کے آئینے میں دیکھو کہ حضرت لقمان کی تعلیمات کیا تھیں اور تُمھارے عقائد و اعمال اور کرتوت کیا ہیں۔

حضرت لقمان کی پہلی نصیحت

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۚ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴾ (سورۂ لقمان ۳۱ : ۱۳)

میرے پیارے بیٹے ! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا، بلاشک شرک بھاری بے اِنصافی اور ظلمِ عظیم ہے۔

یہ پہلی نصیحت ہے جو حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو کی ہے اور اس نصیحت میں عقائد کی درستگی ---- عقائد کی اِصلاح ---- شرک کی مذمت و

قباحت ----- شرک سے دُور رہنے اور توحید پر کاربند رہنے پر زور دیا ہے۔

کیونکہ جس طرح توحید ایمان کا جوہر ----- اِسلام کی رُوح ----- عبادات کی جان ----- اعمال کی قبولیت کی بنیاد ----- قیامت کے دِن نجات کا ذریعہ ----- باعثِ تخلیقِ کائنات ----- جنت میں داخلے کا سبب اور تمام دین کا مغز اور نچوڑ اور خلاصہ ہے۔

اسی طرح شرک ایمان کا قاتل ----- اِسلام کے لیے زہر ----- جہنم میں داخلے کا سبب ----- اور نیکیوں کے لیے بربادی ہے ----- اِسی لیے اسے سب سے بڑا گناہ اور سب سے بڑا ظلم قرار دیا گیا۔

قرآن مجید میں اِرشاد ہوتا ہے :

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴾ (سورۃ النساء ۴ : ۴۸)

بے شک اللہ شرک کو معاف نہیں کرے گا اور شرک کے علاوہ جس گناہ کو چاہے گا معاف کر دے گا کیوں کہ اللہ کے ساتھ جس نے کسی کو شریک ٹھہرایا اس نے بہت سخت گناہ کی بات کی اور بہت بڑا جھوٹ باندھا۔

یعنی اگر مشرک شخص بغیر توبہ کے مرگیا ----- تو چاہے وہ کوئی بڑا ہو یا چھوٹا ----- کوئی ادنیٰ ہو یا اعلیٰ ----- نبی کا بیٹا ہو یا نبی کا باپ ہو ----- کسی نبی کا چچا ہو یا کسی نبی کی بیوی ہو ----- یا نبی کا کوئی قریبی رشتے دار ہو ----- اس کی بخشش کی کوئی صورت نہیں ہے ----- اس کے لیے جہنم کا دائمی عذاب ہے اور جنت کی ہوا تک اس پر حرام ہے۔

﴿ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ ﴾ (مائدہ ۵ : ۷۲)

جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنایا اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے۔

شرک کے علاوہ جتنے بھی گناہ ہیں اللہ چاہے گا تو اپنی رحمت و کرم سے اور امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی شفاعت کو قبول کر کے معاف کر دے گا۔۔۔۔۔ مگر شرک بغیر توبہ کیے اور بغیر معافی مانگے معاف نہیں ہوگا۔

یاد رکھیے! شرک کا صرف ایک علاج ہے اور وہ ہے جیتے جی زندگی میں توبہ کر لینا۔۔۔۔ زندگی میں معافی مانگ لینا۔۔۔۔ ساری زندگی اور برسہا برس شرک کی نحوست، غلاظت میں گزارے۔۔۔۔۔ پھر زندگی کے کسی دور میں اللہ کی رحمت متوجہ ہوئی۔۔۔۔ توبہ کی توفیق نصیب ہو گئی تو اللہ تعالیٰ زندگی کے تمام تر گناہوں کو معاف فرما دے گا۔

مشرک کا نمازِ جنازہ

چونکہ مشرک آدمی (جو بغیر توبہ کیے مر گیا) کی بخشش کی کوئی صورت نہیں ہے۔ اور **قانونِ الٰہی** ہے کہ: مشرک کو معاف نہیں کرنا۔۔۔۔ اِس لیے مومنوں کو اور مسلمانوں کو منع کیا گیا کہ: مشرک کے لیے دعاءِ مغفرت نہیں کرنی اور مشرک کا جنازہ نہیں پڑھنا۔

شریعتِ اسلامیہ نے کسی بڑے سے بڑے گنہگار کا جنازہ پڑھنے سے اور اس کے لیے دعاءِ مغفرت کرنے سے منع نہیں کیا۔۔۔۔۔ قاتل و ظالم کا جنازہ پڑھ سکتے ہو۔۔۔۔۔ زانی و شرابی کا جنازہ پڑھ سکتے ہو۔۔۔۔۔ چور اور ڈاکو کا جنازہ پڑھ سکتے ہو۔۔۔۔۔ بے نماز شخص کا، والدین کے نافرمان کا۔۔۔۔۔ سود خور کا۔۔۔۔۔ شراب نوش کا۔۔۔۔۔ غرضیکہ ہر بڑے سے بڑے گنہگار کا جنازہ پڑھ سکتے ہو۔۔۔۔۔ مگر مشرک شخص کا نمازِ جنازہ بھی نہیں پڑھنا اور اس کے لیے بخشش کی دعا بھی نہیں کر سکتے ہو۔

قرآن اعلان کرتا ہے:

﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ

وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى ﴾ (سورۂ توبہ ۹ : ۱۱۳)

کسی نبیؑ کو اور نبیؑ کے ماننے والوں کو لائق اور مناسب نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے بخشش کی دُعا مانگیں۔ اگرچہ وہ مشرک ان کے قریبی رشتے دار ہی کیوں نہ ہوں۔

امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اپنے چچا ابوطالب کے لیے دعاءِ مغفرت کرنا چاہتے تھے، مگر یہ آیت نازل کر کے اللہ ربُّ العزت نے آپ کو اس سے منع فرما دیا۔

اسی طرح حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے دن حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اپنے مشرک والد کے حق میں لب کھولنا چاہیں گے ---- مگر اللہ ربُّ العزت انھیں روک دیں گے۔

شرک ظلمِ عظیم

سامعینِ گرامی قدر ! آپ سُن چکے ہیں اور مَیں بیان کر چکا ہوں کہ شرک اتنا قبیح اور غلیظ اور منحوس گناہ ہے کہ توبہ کے بغیر اگر مشرک شخص مر گیا تو اس کی معافی اور چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں ہے۔

مشرک شخص کی نمازِ جنازہ پڑھنے سے منع کر دیا گیا ---- مشرک شخص کے لیے دعاءِ مغفرت کرنے سے روک دیا گیا ---- مشرک شخص اتنا پلید اور نجس ہے کہ اسے مسجد حرام کے قریب آنے کی بھی اجازت نہیں ہے ---- باقی ہر گناہ ظلم ہے ---- چوری اور ڈاکا زنی ظلم ہے ---- شراب نوشی اور زنا کاری ظلم ہے، قتل اور بہتان تراشی ظلم ہے، کم تولنا اور ملاوٹ کرنا ظلم ہے، جھوٹی قسم اٹھانا اور جھوٹی گواہی ظلم ہے ---- مگر شرک کو صرف ظلم نہیں، بلکہ ظلمِ عظیم قرار دیا گیا ---- اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ------ جب شرک اکبر الکبائر اور ظلمِ عظیم ہے تو پھر ہر ذی ہوش اور ہر ذی عقل کو چاہیے کہ وہ صرف کھلے اور واضح شرک ہی سے نہ بچے بلکہ جس کام اور جس عمل میں شرک کا رائی کے دانے

کے برابر شبہ پڑ جائے اس کام سے بھی اپنے دامن کو بچالے۔

زہر زندگی کا قاتل ہے ---- تو پھر ہر انسان جس میں عقل نام کی کوئی شئے موجود ہے اور اسے اپنی جان عزیز ہے وہ ہر اس چیز سے اِجتناب کرے گا جس میں زہر کے چھوجانے کا وہم اور شبہ ہوگا۔ چاہے وہ چیز بظاہر کِتنی ہی خُوبصُورت، خُوش رنگ اور کِتنی ہی خُوش ذائقہ کیوں نہ ہو ---- بالکل اِسی طرح جس کو ایمان عزیز ہوگا، اِسلام پیارا ہوگا، دِین محبُوب ہوگا، اور وہ آخرت سنوارنا چاہتا ہوگا، اُسے چاہیے کہ جس کام میں شرک کا ادنٰی سا شبہ بھی واقع ہو اُس کام سے بھی اپنے دامن کو بچالے۔

اِس لیے کہ زہر زندگی کا قاتل ہے اور شرک ایمان کا قاتل ہے ---- زہر وجود کا قاتل ہے اور شرک رُوح کے لیے مَوت ہے ---- زہر کے اِستعمال سے زندگی برباد ہوجاتی ہے اور شرک کے اِرتکاب سے ایمان برباد ہوجاتا ہے۔

اِسی لیے اِمام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَاِنْ قُتِلْتَ وَحُرِّقْتَ۔ (مسند احمد)

اللّٰہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا، چاہے تجھے قتل کردیا جائے یا تجھے جلا دیا جائے۔

شرک کیا ہے؟

یہ بات تو مُتفق علیہ ہے کہ شرک سب گناہوں میں سے بڑا گناہ ہے ----

یہ حقیقت تو سب ہی مانتے ہیں کہ شرک ظُلمِ عظِیم ہے۔ اور تمام انبیاء کرام علیہم السَّلام شرک ہی کی بیخ کنی کے لیے مبعُوث ہوئے ---- اور شرک کا ارتکاب بالفرض و المحال اگر انبیاء سے بھی ہو (جو ہر قسم کے گناہوں سے معصُوم اور پاک ہوتے ہیں) تو ان کی زندگی کے تمام تر اعمال برباد کردیے جائیں۔

(تفصیل کے لیے دیکھیے سورۃ الانعام ۶ : ۸۸ اور سورۃ زمر ۳۹ : ۶۵)

جو شرک اکبر الکبائر ہے ---- جو گناہ ظلمِ عظیم ہے ---- جس گناہ کی بخشش کی کوئی صورت نہیں ہے ---- آئیے ! یہ بھی تو دیکھیں کہ شرک آخر ہے کیا؟ ---- شرک کسے کہتے ہیں ---- کون سے اعمال شرکیہ ہیں ---- اور کن افعال کا مرتکب شخص مشرک ہوجاتا ہے۔

آج ہمارے معاشرے میں ---- منبر و محراب کے وارث طبقہ کی اکثریت ---- بہت سارے خطباء اور مقررین اور واعظین ---- ایسے موضوعات اور ایسے مسائل بیان کرتے ہیں جن سے عوام الناس خوش ہوتے ہیں ---- ہمارے واعظین کی اکثریت اللہ ربُّ العزت کی رضا کو مدنظر رکھ کر وعظ نہیں کرتے، بلکہ عوام الناس کی رضا اور خوشی کو مدنظر رکھ کر تقریر کرتے ہیں ---- وہ لوگوں کو یہ تو بتاتے ہیں کہ شرک ظلمِ عظیم ہے ---- اکبرالکبائر ہے ---- منحوس ترین جرم اور غلیظ ترین گناہ ہے ---- مگر یہ بتاتے ہوئے ان کی زبانیں گنگ اور خشک ہوجاتی ہیں کہ شرک ہے کیا؟ ---- شرک کسے کہتے ہیں؟ ---- کون کون سے کام شرکیہ ہیں ---- اور کون سے اعمال و افعال کا مرتکب مشرک ہوجاتا ہے۔

ملک عزیز پاکستان میں اس نہج پر اگر صحیح معنوں میں کسی جماعت نے کام کیا ہے تو وہ اشاعت التوحید و السنت ہے اور شرک کی باریک سے باریک رگوں کو اگر کاٹ کر رکھ دیا ہے تو صرف اشاعت التوحید کے خطباء اور مقررین نے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ

سامعینِ گرامی قدر ! آئیے آج میں اختصار کے ساتھ آپ کو بتاؤں اور سمجھاؤں کہ شرک کی حقیقت کیا ہے؟۔

شرک عربی زبان کا لفظ ہے، اِس کے معنی لغت میں شرکت اور سانجھ پن کے آتے ہیں ---- مگر شریعت میں شرک نام ہے اللہ کی ذات

وصفات میں مخلوقات میں سے کسی کو شریک کرنے کا ----- مخلوقات میں سے کسی کو بھی ------ چاہے وہ نبی ہو یا ولی ------ پیر ہو یا فقیر ----- بزرگ ہو یا شیخ طریقت ----- فرشتہ ہو یا جِن ----- زندہ ہو یا مُردہ ---- کسی کو بھی اللہ کی کسی صفت میں ساجھی اور شریک بنانا شرک کہلائے گا۔

اللہ رَبُّ العزت کے علاوہ مخلوقات میں سے کسی کو عالم الغیب سمجھنا ---- کسی کو حاضر و ناظر جاننا ---- کسی کو غائبانہ نفع و نقصان کا مالک سمجھنا ---- کسی کو مُشکل کشا اور حاجت روا جاننا ---- اللہ کے سوا مخلوقات میں سے کسی کو اس عقیدے اور نظریے سے پکارنا کہ وہ غائبانہ میری پکار کو سُن رہا ہے ----- یا اللہ کے سوا کسی کے نام کی نذر و نیاز دینا شرک کہلائے گا۔

شرک کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی ایک عبارت سنیے ------ ان شاء اللہ مسئلہ بڑا واضح ہو جائے گا ---- مگر عبارت سُننے سے پہلے یہ بات ذہن میں رکھیے کہ شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ تعالیٰ اس دور کے اور اس زمانے کے عالم ہیں جس زمانے میں ابھی دیوبند کا مدرسہ بھی نہیں بنا تھا اور بریلی کا مدرسہ بھی معرضِ وجود میں نہیں آیا تھا ----- یعنی ابھی دیوبندیت و بریلویت کی یہ تقسیم نہیں ہوئی تھی ----- آج پاکستان کے تمام علماء ان کا برابر اِحترام کرتے ہیں۔

حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ سورت البقرہ کی آیت ۲۲۱ کی تفسیر کرتے ہُوئے تحریر کرتے ہیں:

> پہلے مُسلمان اور کافر میں نِسبت ناطہ جاری تھا۔ اس آیت سے حرام ٹھہرا۔ اگر مرد نے یا عورت نے شرک کیا نکاح ٹوٹ گیا۔ شرک یہ کہ اللہ کی صفت کسی اور میں جانے۔ مثلاً کسی کو سمجھے کہ اس کو ہر بات معلوم ہے یا وہ جو چاہے کر سکتا ہے یا

ہمارا بھلا اور بُرا اس کے اختیار میں ہے اور یہ کہ اللہ کی تعظیم
کسی اور پر خرچ کرے مثلاً کسی کو سجدہ کرے اور اس سے
حاجت مانگے اس کو مختار جان کر۔ (موضح القرآن)
آیئے ایک اِرشادِ نبویؐ کی روشنی میں شرک کی حقیقت کو سمجھنے کی
کوشش کریں۔
ایک موقع پر ایک شخص نے امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے سامنے کہا
----- مَا شَاءَ اللّٰہُ وَ مَا شَاءَ مُحَمَّدٌ ----- آپؐ نے اسے فرمایا -----
اَجَعَلْتَنِیْ نِدًّا ---- یہ جُملہ بول کر کیا تُو نے مجھے اللہ کا شریک اور ساجھی بنا دیا۔
لَا تَقُوْلُوْا مَا شَاءَ اللّٰہُ وَ مَا شَاءَ مُحَمَّدٌ وَ قُوْلُوْا مَا شَاءَ اللّٰہُ وَحْدَہٗ۔
اس طرح نہ کہا کرو کہ: "جو اللہ چاہے اور محمدؐ چاہے"۔ بلکہ یُوں کہا
کرو: "جو اللہ اکیلا چاہے"۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۴۰۸-۴۰۹)

ملا علی قاریؒ نے لکھا

اِس حدیث کی تشریح کرتے ہُوئے مشہور
حنفی عالم ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ اپنی
شہرہ آفاق کتاب "مرقات" میں لکھتے ہیں:
لَوْ قَالُوْا مَا شَاءَ اللّٰہُ وَ شَاءَ مُحَمَّدٌ لَکَانَ شِرْکًا جَلِیًّا۔
اگر کسی نے کہا جو اللہ چاہے اور محمدؐ چاہے تو یہ صریح شرک ہوگا۔
امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے اس کہنے نے اَجَعَلْتَنِیْ نِدًّا واضح کر دیا کہ
اِس طرح کا جُملہ بولنا کہ: "ہوگا وہی جو اللہ اور اُس کا رسُولؐ چاہے گا"
واضح شرک ہے۔
اب ذرا اپنے گریبان میں جھانکیے ---- اپنے اردگرد نظر دوڑایئے
---- اپنے ماحول اور معاشرے کو دیکھیے۔ آپ کو قدم قدم پر ---- روزانہ کئی
مرتبہ یہ الفاظ سُننے کو ملیں گے ---- اللہ رسُول دی مرضی، اللہ تے اللہ دا

نبی چاہے گا تے خیر ہو جائے گی ----- اللہ رسول نگہبان ----- اللہ نبی دی امان ----- اللہ تے اللہ دا نبی محافظ ہووے ----- اللہ نبی وارث ----- اللہ تے نبی دے حوالے ----- اللہ تے پنج تن پاک دا سہارا۔

امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے اِرشاد کی روشنی میں دیکھیں تو یہ سب الفاظ شرکیہ معلوم ہوتے ہیں جن سے اِجتناب ضروری ہے۔

ہمارے بڑے بڑے موحد کہلانے والے حضرات بھی لاشعُوری طور پر کہتے ہیں اللہ رسُول دی قسم ----- حالانکہ حلف اور قسم صرف اور صرف اللہ کے نام کی ہوتی ہے۔ اللہ ربُّ العزت کے علاوہ کسی اور کی قسم کھانا شرک ہے۔

امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللهِ فَقَدْ أَشْرَكَ۔ (ترمذی، مشکوٰۃ صفحہ ۲۹۶)

جس شخص نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔

اس لیے کہ قسم کھانے والے کا یہ عقیدہ اور یہ نظریہ ہوتا ہے کہ اللہ میرے دل کے راز کو جانتا ہے اور میں اپنے دل کی بات پر اللہ کو گواہ بنا رہا ہوں --- اگر میں جھوٹی قسم اٹھا رہا ہوں تو وہ مُجھے نُقصان پُہنچانے پر قادر ہے۔

اب جو شخص اللہ کے سوا کسی نبی، ولی یا امام کی قسم اٹھاتا ہے تو اس کا عقیدہ بھی یہی ہوتا ہے کہ وہ نبی اور ولی عالم الغیب ہے ----- میرے دل کی بات پر گواہ ہے ------ اور اسی کا نام شرک ہے۔

آج بدقسمتی سے ہمارے معاشرے اور پورے ماحول میں شرک کی تعفن بھری ہوائیں چل رہی ہیں ------ قبروں، مزاروں پر سرِ عام سجدہ ریزیاں ہیں ----- مزاروں کے برملا طواف ہوتے ہیں ----- غیر اللہ کو مدد کے لیے غائبانہ پکاریں ہوتی ہیں ------ اب برملا اور کھلے عام یہاں تک کہا جاتا ہے کہ ہمیں جو کچھ بھی ملا ہے یہ ہمارے حضرت صاحب کی نظرِ کرم ہے ----- ہماری خالی

جھولی داتا صاحب نے بھر دی ہے ---- صاحبِ قبر سے اپنی حاجتیں مانگی جاتی ہیں ----- عرضیاں لکھ لکھ کر لٹکائی جاتی ہیں ----- نذریں چڑھائی جاتی ہیں اور نیاز کی دیگیں اتاری جاتی ہیں ---- "یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیأً للہ" کے وظیفے پڑھے جاتے ہیں ------ یا معین الدین چشتی لگادے پار کشتی کے نعرے لگائے جاتے ہیں ---- انبیاء و اولیاء کو حاضر و ناظر اور عالم الغیب سمجھ کر غائبانہ پکارا جاتا ہے ----- "خواجہ نہ دے گا تو پھر کون دے گا؟" کی قوالیاں جھوم جھوم کر پڑھی اور سنی جاتی ہیں۔

میرے بھائیو! اگر یہ تمام اعمال، اقوال اور افعال شرکیہ نہیں ہیں تو پھر بتائیے شرک کس جانور کا نام ہے ---- پھر بتایئے شرک کسے کہتے ہیں۔

اللہ ربّ العزت کی تعظیم غیروں پر خرچ کرنے کا نام ہی تو شرک کہلاتا ہے ----- اللہ ربّ العزت کی صفات غیروں میں ماننا ہی تو شرک ہے۔

شاعر کہتا ہے: ؎

ہو جس میں عبادت کا دھوکا مخلوق کی وہ تعظیم نہ کر
جو خاص خدا کا حصّہ ہے بندوں میں اسے تقسیم نہ کر

اکبر الہ آبادی مرحوم نے کہا تھا: ؎

خدا ہی ہے نہیں اس کے سوا حاجت روا کوئی
خلاف اس کے جو ہو مشرک ہے میں ہُوں تُم ہو یا ہو کوئی

ایک شاعر نے کتنے خُوبصُورت انداز میں شرک کی وضاحت کی: ؎

سر عقیدت سے مزاروں پر جھکانا بھی ہے شرک
منتوں کا ماننا چادر چڑھانا بھی ہے شرک

حشر میں مشرک کی بخشش ہو نہیں سکتی کبھی
شرک سے ہوتی ہے توحید و سنت کی نفی

اور مولانا حالی مرحوم نے کتنے درد بھرے لہجے میں کہا ہے: ؎

کرے غیر گر بت کی پوجا تو کافر
جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر
جھکے آگ پر بہر سجدہ تو کافر
کواکب میں مانے کرشمہ تو کافر
مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں
پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں
نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں
اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
مزاروں پہ جا جا کے نذریں چڑھائیں
شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دعائیں

نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے
نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے

(شرک کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے میرا رسالہ "شرک کیا ہے" کا مطالعہ کیجیے۔)

رُجوع بسوئے اصل موضوع

خیر جی! بات دور نکل گئی۔ میں عرض یہ کر رہا تھا کہ حضرت لقمان نے حکمت سے بھرپور جو نصیحتیں اپنے لختِ جگر کو کیں ان میں سے پہلی اور اولین نصیحت یہ کی کہ شرک چونکہ ظلمِ عظیم ہے اس لیے کبھی بھی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک اور ساجھی نہ بنانا۔

دُوسری نصیحت

حضرت لقمان نے توحید کے بعد دوسری نصیحت اپنے بیٹے کو عقیدۂ آخرت کے متعلق فرمائی۔ اور کہا:

﴿ یٰبُنَیَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِیْ صَخْرَةٍ اَوْ فِی السَّمٰوٰتِ اَوْ فِی الْاَرْضِ یَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِیْفٌ خَبِیْرٌ ﴾ (۳۱ : ۱۶)

اے میرے بیٹے اگر کوئی نیکی (توحید) یا گناہ (شرک) رائی کے دانے کے برابر ہو----- میرے بیٹے اگر کوئی چیز یا کوئی خصلت اچھی یا بُری، رائی کے دانے کے برابر ہو۔ (رائی کا جو دانہ سامنے پڑا ہوا ہو تب بھی نظر نہیں آتا) رائی کا یہ دانہ سامنے بھی نہ ہو بلکہ ایک پتھر کے اندر پوشیدہ ہو یا وہ دانہ آسمانوں کی بلندیوں پر ہو یا رائی کا وہ دانہ زمین کے اندھیروں میں ہو یَأتِ بِهَا اللّٰهُ----- اللہ اس رائی کے دانہ کو بھی قیامت کے دن سامنے لائے گا۔

یعنی انسان کا کوئی عمل رائی کے دانہ کے برابر ہو---- کوئی نیکی یا کوئی بدی ذرہ بمقدار ہو---- اور چھپ کر کی ہو---- انسان کی کوئی حرکت، کوئی سکون، کوئی فعل، کوئی عمل، کوئی کام، کوئی قول اور کوئی حال اللہ سے پوشیدہ اور مخفی نہیں ہے۔

اللہ رب العزت ہر انسان کا ایک ایک عمل اور اس کا ایک ایک فعل قیامت کے دن اس کے سامنے لائے گا----- اور ہر انسان کو اپنے کیے ہوئے ایک ایک عمل کا حساب دینا پڑے گا----- اگر کسی شخص کا یہ عقیدہ اور یہ یقین حق الیقین اور عین الیقین میں بدل جائے تو پھر وہ شخص اللہ کی نافرمانیوں اور گناہوں سے کافی حد تک کنارہ کشی کر سکتا ہے۔

حضرت لقمان کی اس دوسری نصیحت میں ایک طرف تو قیامت کا دقوع اور ہر ہر عمل کی جزاء و سزا کا ذکر ہے تو دوسری طرف اللہ رب العزت کے علم غیب----- اللہ کے علم کی وسعت اور اس کی قدرتِ کاملہ کا بھی بیان ہے۔

تیسری نصیحت

عقیدۂ توحید اور عقیدۂ آخرت کے بعد تیسری نصیحت حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نماز کے بارے میں فرمائی۔

﴿ یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ ﴾ (۳۱ : ۱۷)

میرے پیارے بیٹے! نماز کو قائم رکھو۔

حضرت لقمان نے عقیدہ کی اصلاح اور پختگی کے بعد بیٹے کو اعمالِ صالحہ کی طرف متوجہ فرمایا اور یہ ترتیب قائم کر کے اس حقیقت کی جانب اشارہ کیا کہ اعمال کی قبولیت کا دار و مدار عقیدہ کی پختگی اور درستگی پر ہے۔

عقیدے کی اہمیت ایمان میں اور اسلام میں وہی ہے جو مکان میں بنیاد کی ہے ---- یا پھول میں خُوشبو کی ہے ---- یا جِسم میں روح کی ہے۔

اگر بنیاد صحیح نہیں ----- اگر بنیاد مضبُوط نہیں تو اس پر عمارت کھڑی نہیں ہو سکتی ------ اور اگر جِسم میں روح موجود نہیں تو وہ جِسم کسی کام کا نہیں۔

اسی طرح اگر عقیدۂ توحید درست اور پختہ اور مضبُوط نہیں تو پھر کوئی عمل بھی اللہ کے ہاں درجۂ قبولیت نہیں پاسکتا۔

اعمالِ صالحہ کی قبولیت کے لیے ضروری ہے کہ عقیدۂ توحید پختہ اور مضبُوط ہو ----- دل والا برتن صاف اور شفاف ہو ---- دل والے برتن سے شرک و کفر کی نجاست اور پلیدی کو کھرچ کے باہر نکالنا ہوگا ---- غیر اللہ سے جو امیدیں وابستہ کر رکھی ہیں ان کو ختم کرنا ہوگا ---- شرک سے کھُلی بغاوت کرنا ہوگی۔ پھر اعمالِ صالحہ درجۂ قبولیت پائیں گے۔

دودھ کِتنا صاف، شفاف، ستھرا اور پاکیزہ ہوتا ہے ---- مگر خراب برتن میں، نجاست والے برتن میں دودھ ڈالو تو یہ حلال ستھرا اور پاکیزہ دودھ بھی پلید اور خراب ہوجائے گا۔

پاکیزہ دودھ کے لیے برتن کا پاک ہونا اور صاف ہونا ضروری ہے اسی طرح اعمالِ صالحہ کی قبولیت کے لیے عقیدے کا درست ہونا اور دل والے برتن کا شرک کی گندگی سے پاک ہونا ضروری ہے۔

شرک کی نحوست اور گندگی عقیدے میں موجود ہو تو کوئی عمل بھی قبول نہیں ہوگا ----- کوئی نماز، کوئی روزہ، کوئی خیرات، کوئی حج، کوئی عمرہ، کوئی

قُربانی، کوئی نوافل، کوئی تہجد، وظیفے، پانچ سو دانوں کی تسبیح پر ذکر، ساری ساری رات ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر عبادتیں، ہفتہ وار ذکر کی محفلیں اور ضربیں ----- غرضیکہ کوئی نیکی درجۂ قبولیت نہیں پا سکتی۔

سنو اور غور سے سنو! اگر کسی انسان کے عمل اتنے زیادہ ہوں کہ زمین پر رکھے جائیں تو آسمان کی بلندیوں تک پہنچ جائیں ---- مشرق سے لے کر مغرب تک اور شمال سے لے کر جنوب تک ساری فضا کو بھر لیں ---- مگر اس انسان کے عقیدے میں رائی کے دانے کے برابر شرک موجود ہوا تو یہ شرک اس کے تمام اعمال کو اس طرح ضائع اور برباد کر دے گا جس طرح روئی کے ڈھیر میں ایک معمولی چنگاری رُوئی کو جلا کر خاکستر کر دیتی ہے۔

اسی لیے حضرت لقمان نے نصیحتیں کرتے ہوئے سب سے پہلے عقیدے کی درستگی کی نصیحت کی ---- اور پھر اعمالِ صالحہ کی نصیحت فرمائی ---- اور اعمالِ صالحہ میں سب سے پہلے نماز کو قائم رکھنے کی نصیحت کی۔

کیونکہ اعمالِ صالحہ میں سب سے اعلیٰ اور بلند مقام نماز کا ہے ---- اور نماز ایک ایسا عمل ہے جو ہر نبی کی شریعت میں کسی نہ کسی لحاظ سے فرض رہا ہے۔ شریعتِ محمدیہ میں بھی ---- اسلام کے تمام ارکان سے پہلے نماز فرض ہوئی تھی۔

نبوت عطا ہونے کے بعد پورے بارہ سال امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے لوگوں کے عقیدے کی اصلاح فرمائی ---- بارہ سال صرف ایک ہی وعظ، ایک ہی اعلان، ایک ہی پیغام، اور ایک مسئلے ہی کی دعوت دیتے رہے وہ تھی عقیدۂ توحید کی درستگی ---- توحیدِ ربانی کی تبلیغ ---- اللہ ہی کی الوہیت کی دعوت ---- بارہ سال لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی صداقت سمجھائی ---- شرک و کفر کی آلودگیوں سے ان کے دلوں کو پاک کیا ---- جب کچھ لوگ اپنے دل و دماغ میں اپنے رب کی وحدانیت و الوہیت کو جگہ دے چکے ---- ان کے دل شرک سے

پاک ہوگئے ---- وہ لوگ کفر سے رک گئے ---- انھوں نے غیر اللہ کی معبُودیت اور الوہیت کو دل سے کھرچ دیا--- تو اس وقت اعمال و ارکانِ اِسلام میں سے سب سے پہلے نماز فرض ہوئی اور اللہ ربُّ العزت نے اپنے حبیب مکرم رسُولِ مُحترم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو عرش پر اپنے پاس بلا کر نماز فرض فرمائی ---- کہا: میرے محبوب تیری اُمت کی معراج یہ ہے کہ وہ میرے سامنے سربسجود ہو جائیں۔ ؎

آقا تیری معراج کہ تو لوح و قلم تک پُہنچا
اور میری معراج کہ مَیں اُنؐ کے قدم تک پُہنچا

چوتھی نصیحت

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو چوتھی نصیحت کرتے ہُوئے فرمایا:

﴿ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾ (۳۱ : ۱۷)

دوسرے لوگوں کو نیکی کا حکم دے اور انھیں برائی سے منع کر۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے یہاں لکھا ہے: وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ یعنی التوحید --- وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ یعنی الشرك ---- دنیا کی سب سے بڑی نیکی توحید ہے اور دنیا کی سب سے بڑی بدی شرک ہے۔

حضرت لقمان کی نصیحتوں پر ذرا گہرا غور فرمائیے ---- پہلے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ اپنی ذات کی تکمیل کرو---- توحید پر کاربند رہو---- قیامت کا یقین رکھو ---- نماز قائم رکھو---- پھر کہا دوسرے لوگوں کی اصلاح کی بھی کوشش کرو ---- دوسرے لوگوں کو بھی نیکی کی ترغیب دیتے رہو---- تاکہ مُسلمانوں کا ایک بہترین معاشرہ معرضِ وجود میں آئے ---- اور تمام مُسلمانوں میں نیکی کا شعُور بیدار رہو۔

پانچویں نصیحت

﴿ وَاصْبِرْ عَلٰى مَاۤ اَصَابَكَ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴾ (۳۱ : ۱۷)

میرے بیٹے جب تو لوگوں کو نیکی کا حکم دے گا اور جب تو برائی سے لوگوں کو منع کرے گا ---- جب تو توحید کی دعوت دے گا ---- اور جب تو شرک کے خلاف اعلانِ جہاد کرے گا ---- تو لوگ تیری مخالفت کریں گے ---- تجھے طرح طرح سے تنگ کریں گے ---- کبھی جسمانی ایذائیں پہنچائیں گے اور کبھی ذہنی کوفت سے دو چار کریں گے ---- کبھی طعن و تشنیع کے نشتر چلائیں گے --- پھبتیاں کسیں گے ---- بہتان باندھیں گے ---- فتوے لگیں گے ---- جب تو ان کی دکھتی رگوں پر ہاتھ رکھے گا ---- برائی کے خلاف آواز اٹھائے گا ---- تو پھر مصائب اور مشکلات کا سامنا کرنا ہوگا ---- دکھ اور تکلیفیں آئیں گی ---- رستے رُکیں گے ---- میرے بیٹے ایسے کٹھن اور مشکل وقت میں بے صبری کا مظاہرہ نہیں کرنا ---- واویلا نہیں کرنا ---- گھبرا کر تبلیغِ حق سے کنارہ کش نہیں ہونا، بلکہ: ﴿وَاصْبِرْ عَلٰی مَآ اَصَابَکَ﴾ ---- جو تکالیف، دکھ اور مصائب اس راستے میں آئیں انھیں مردانہ وار برداشت کرنا ہے ---- انھیں حوصلے اور صبر سے جھیلنا ہے۔

چھٹی نصیحت

حضرت لقمان بڑی ترتیب کے ساتھ نصیحتیں فرما رہے ہیں ---- پہلے عقائد کی اِصلاح، پھر اعمالِ صالحہ کی ترغیب ---- پھر دوسروں کی اصلاح کی کوشش ---- اور اس اصلاح کے راستے میں آنے والے مصائب پر صبر کی تلقین فرمائی ---- آخر میں حُسنِ اخلاق اور حُسنِ معاشرت کی نصیحت فرمائی ---- کہ تجھے معاشرے میں کس طرح زندگی گزارنی ہے ---- رہن سہن کے طور طریقے کیا ہیں ---- اس لیے کہ حقیقی مُسلمان وہ ہے ---- جس کے معاملات اچھے ہوں ---- جس کا اخلاق اچھا ہو ---- جس کا چال چلن بہتر ہو ---- جس کا اہلِ محلہ اور رشتے داروں سے سلوک اچھا ہو ---- جس کی گفتار اور رفتار اچھی ہو ---- جس میں عاجزی، انکساری اور

تواضع ہو ---- جس کی گفتگو نرم اور میٹھی ہو ---- اور جس کی چال اور رفتار معتدل، میانہ رو اور باوقار ہو۔

اسی لیے حضرت لقمان نے اعمال کی اِصلاح کے بعد اپنے بیٹے کو حُسنِ اخلاق اور حُسنِ معاشرہ کی نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ﴾ (۳۱ : ۱۸)

اور اپنا رخسار لوگوں سے نہ پھیر۔ (یعنی لوگوں سے غرور و تکبر میں مُبتلا ہو کر بے رخی نہ اِختیار کر۔)

صعر اُونٹوں کی ایک بیماری کا نام ہے جب کسی اُونٹ کو یہ بیماری لگتی ہے تو اس کی گردن ٹیڑھی ہو جاتی ہے۔

اسی مناسبت سے جب کوئی شخص تکبر اور غرور سے اپنا مُنہ لوگوں سے پھیر لیتا ہے ---- سیدھے مُنہ بات نہیں کرتا تو عرب والے کہتے ہیں: ----
قَدْ صَعَّرَ خَدَّهٗ ---- اس نے اپنا مُنہ تکبر و غرور کی بنا پر اس اُونٹ کی طرح پھیر لیا ہے جسے صعر کی بیماری لگ جاتی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ دوسروں کو حقیر سمجھ کر ---- تکبر و غرور کی بنا پر لوگوں سے مُنہ نہ پھیر، بلکہ عاجزی، انکساری، ملنساری، تواضع اور محبت کا برتاؤ لوگوں کے ساتھ کر۔

﴿وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا﴾ (۳۱ : ۱۸)

اور زمین پر اِتراتا ہُوا نہ چل۔

کیونکہ اللہ ربُّ العزت کسی مُتکبر، اترانے والے، شیخیاں مارنے والے شخص کو پسند نہیں کرتا۔

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ﴾ (۳۱ : ۱۸)

مرح اس شدت انبساط ---- اور بے حد خوشی و مسرت کو کہتے ہیں

جو اپنی حدود پھلانگ جائے۔

علامہ ابن کثیر رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ:

مَرَح اس خوشی، نشاط اور مَسرّت کو کہتے ہیں جس میں ہلکا پن، گھٹیا سوچ اور سبکی پائی جاتی ہو۔

جس طرح گھٹیا اور کم ظرف لوگ خُوشی و مَسرّت کے موقع پر ادب و اخلاق اور غیرت کے تقاضوں کو پسِ پُشت ڈال دیتے ہیں---- شرم و حیا کی چادر اتار کر دور پھینک دیتے ہیں---- بلکہ خلافِ شریعت اور خلافِ اخلاق بعض اوقات ایسی حرکتیں کرتے ہیں جنھیں دیکھ کر غیرت و شرم کی آنکھ نمناک ہو جاتی ہے---- جنھیں دیکھ کر حیا مُنہ چھپا لیتا ہے۔

مُخْتَال ایسے مُتکبّر کو کہتے ہیں جس میں تکبّر کے ساتھ ساتھ خود پسندی کا عَیب بھی ہو۔

فَخُوْر مبالغہ کا صیغہ ہے---- جس کا معنیٰ ہے بہت اترانے والا---- بہت تکبّر کرنے والا---- بہت فخر کرنے والا---- خُصُوصًا وہ آدمی جو ایسی چیزوں پر فخر کرتا ہے جس میں اس کا ذاتی کمال نہیں ہے۔ دولتِ دُنیا پر فخر کرتا ہے---- مال و اسباب پر فخر کرتا ہے---- کاروں اور سواریوں پر فخر کرتا ہے---- خُوبصُورت بنگلوں اور کوٹھیوں پر فخر کرتا ہے---- مربعوں، جائیدادوں، زمینوں، باغات اور اپنے منصب پر فخر کرتا ہے۔ اِس بے وقوف اور احمق شخص سے کوئی پُوچھے کہ:

دولتِ دُنیا کے مل جانے میں تیرا کمال کیا ہے؟ کہ اس پر اتراتا ہے۔

کار، کوٹھی، باغات، دُکانیں، سونا چاندی۔ ان کے مل جانے میں تیرا کمال کیا ہے کہ تو اس پر فخر کرتا ہے۔

حضرت لقمان نے حُسنِ معاشرت کی نصیحت جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

﴿وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِكَ﴾ (۳۱ : ۱۹)

اپنی چال اور رفتار میں میانہ روی اختیار کر۔

﴿وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ﴾ (۳۱ : ۱۹)

اور اپنی آواز پست اور دھیمی رکھ۔

﴿اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ﴾ (۳۱ : ۱۹)

بلاشبہ سب سے وحشت انگیز اور ناپسندیدہ آواز گدھے کی آواز ہے۔

یعنی اپنی چال اور رفتار میں میانہ روی اور متانت اختیار کر---- اتنا تیز نہ چل کہ تکبّر کا شائبہ ہو اور اتنا آہستہ بھی نہ چل کہ لوگ مریل اور ذلیل سمجھ لیں --- اسی طرح بات کرو تو بلا ضرورت چیخ چیخ کر بلند آواز سے بات نہ کر کہ سُننے والا کان میں انگلیاں دے لے اور وحشت محسُوس کرے --- اگر چیخنا اور چلانا اور بلند آواز سے بولنا کوئی خُوبی ہوتی تو پھر گدھے میں خُوبی تُجھ سے زیادہ پائی جاتی ہے۔

سامعینِ گرامی قدر! حضرت لقمان کی آخری نصیحت میں کتنی خُوبصورتی سے خاکساری، تواضع، ملنساری، اور عاجزی کی ترغیب دی گئی ہے کہ بات کرنے میں لوگوں سے بے رخی نہ کی جائے ---- زمین پر اکڑ کر نہ چلا جائے ---- چال ڈھال میں فخر اور غرور کا شائبہ نہ ہو --- اور بات کرتے ہُوئے آواز میں بھی غرور و تکبّر کی وجہ سے سختی اور کرختگی نہ ہو۔

تواضع کی تعلیم

پہلی شریعتوں میں بھی اور ہماری شریعت میں بھی تواضع و انکساری کی تعلیم دی گئی ہے اور اُسے پسندیدہ اور محبوب فعل قرار دیا گیا ہے۔

امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ

جو اللّٰہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عاجزی و انکساری اختیار کرتا ہے، اللّٰہ تعالیٰ

اپنی رحمت و فضل سے اسے بلند و بالا فرما دیتا ہے۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ:

جو شخص مالدار ہے صاحبِ اِستطاعت ہے ----- اچھا لباس پہننے کی طاقت رکھتا ہے مگر عاجزی اور خاکساری کی وجہ سے نہیں پہنتا اللہ ربُّ العزت ایسے شخص کو قیامت کے دِن تمام مخلوق کے سامنے بلا کر فرمائے گا کہ ایمان کا جو لباس اس کو پسند ہے وہ اسے پہن لے۔

تکبّر سے روکا

شریعتِ اسلامیہ نے تکبر و غرور سے منع کیا ہے اور تواضع و اِنکساری کا حکم دیا ہے ---- تکبر کو اللہ تعالیٰ کی صفت کہا گیا ہے جس میں وہ کسی کی شرکت اور سانجھ پن کو برداشت نہیں کرتا۔

﴿ وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ (سورۃ جاثیہ ۴۵ : ۳۷)

اور اسی اللہ کے لیے بڑائی ہے آسمانوں اور زمین میں۔

اس لیے بندوں کی شان نہیں اور بندوں کے لائق نہیں کہ وہ تکبر و غرور کریں۔

امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

جس شخص کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر و غرور ہوگا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

اِسی طرح ایک اور اِرشاد ہے کہ:

جو شخص یہ پسند کرتا ہو کہ لوگ اس کے سامنے کھڑے رہیں تو اس کو چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانا جہنّم میں بنا لے۔

ایک موقع پر آپ نے اِرشاد فرمایا:

مَنْ جَرَّ ثَوْبَهٗ خُيَلَاءَ لَمْ يَنْظُرِ اللّٰهُ اِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

جو شخص غرور اور تکبر سے اپنا کپڑا گھسیٹے گا اللہ ایسے شخص کی طرف قیامت کے دن (رحمت کی) نظر سے نہیں دیکھے گا۔ (ابوداؤد)

ایک حدیث میں ہے:

اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِاَھْلِ الْجَنَّۃِ کُلُّ ضَعِیْفٍ مُتَضَعَّفٍ۔

کیا میں تم کو بتلاؤں کہ جنت کا حق دار کون ہے؟--- ہر وہ شخص جنتی ہے جو کمزور ہے اور لوگ اُسے کمزور سمجھیں۔

ایک اور اِرشاد نبویؐ ہے:

اِحْتَجَتِ النَّارُ وَ الْجَنَّۃُ فَقَالَتِ النَّارُ ھٰذِہٖ یَدْخُلُنِی الْجَبَّارُوْنَ۔ الْمُتَکَبِّرُوْنَ وَقَالَ الْجَنَّۃُ ھٰذِہٖ یَدْخُلُنِی الضُّعَفَآءُ وَ الْمَسَاکِیْنُ۔

جنت اور جہنم نے باہمی مباحثہ اور مناظرہ کیا---- جہنم نے کہا: مجھ میں سرکش اور مُتکبر و مغرور لوگ داخل ہوں گے---- جنت نے کہا: مجھ میں کمزور اور مُحتاج و مسکین لوگ داخل ہوں گے۔ (مُسلم)

سامعینِ گرامی قدر! میں اس موضوع پر کتنی حدیثیں اور امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے کتنے اِرشادات آپ کے سامنے پیش کروں۔

جتنے اِرشادات اور جتنی حدیثیں میں نے آپ کو سنائیں----- ان کے ایک ایک لفظ سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ تواضع و انکساری----- اور عاجزی و خاکساری اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے----- عاجزی کرنے والے لوگ جنت کے مُستحق ہیں اور ان کے لیے بہت خُوشخبریاں ہیں۔

اور جو لوگ مُتکبر و مغرور ہیں اور تکبر و غرور اور فخر کی بیماری میں مُبتلا ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی نگاہوں میں ناپسندیدہ اور مبغُوض ہیں----- اللہ ایسے لوگوں کی طرف رحمت کی نظر نہیں کرے گا----- اور انھیں جنت کی ہوا بھی نہیں لگے گی۔

تکبّر کس کا نام ہے؟

یاد رکھیے ----- تکبر اچھے اور خوبصورت لباس پہننے کا نام نہیں ہے---- تکبّر اچھے مکان میں رہائش رکھنے کا نام نہیں ہے---- تکبر اچھی سواری کے استعمال کرنے کا نام نہیں ہے---- بلکہ تکبّر نام ہے دوسروں کو حقیر اور ذلیل سمجھنے کا---- اچھا لباس پہن کر---- اچھی سواری استعمال کرتے ہوئے غریبوں کو حقیر اور گھٹیا اور ذلیل سمجھنا---- غریبوں کو سلام کرنا تو دور کی بات ہے ان کے سلام تک کا جواب نہ دینا---- وہ بیمار ہوجائیں تو ان کی عیادت نہ کرنا ---- مرجائیں تو ان کے جنازے کے ساتھ نہ جانا---- انھیں اپنی محفل اور مجلس میں بیٹھنے کے لائق نہ جاننا---- اسی کا نام تکبّر ہے---- اسے غرور کہتے ہیں---- اور یہی عمل اللہ کے ہاں بھی ناپسندیدہ ہے---- اور ایسے متکبّر و مغرور شخص سے معاشرے کا ہر فرد تنگ ہوتا ہے۔

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو آخری نصیحت میں اخلاق کا درس دیا---- حُسنِ معاملات کی تاکید کی---- حُسنِ معاشرت کی نصیحت کی---- تکبّر و غرور سے روکا---- گفتگو کرنے کا انداز سکھایا کہ بات کرو تو اس میں نرمی اور لطافت ہو۔

چلنے کا ڈھنگ بتایا کہ اِس میں وقار اور اِعتدال ہو---- بات کرنے کا ڈھنگ سکھاتے ہوئے بے رُخی اور مُنہ پھیر کر اور مُنہ پھلا کر بات کرنے سے روکا کہ اس میں غرور اور تکبّر پایا جاتا ہے---- اور تکبّر اللہ رَبُّ العزت کی صفت ہے۔

غرضیکہ حضرت لقمان نے چند الفاظ میں حُسنِ اخلاق اور حُسنِ معاشرت کے اصول ایک لڑی میں پرو دیے۔

اللہ رَبُّ العزت ہمیں بھی ان نصیحتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

حضرت سیدنا زکریا علیہ السلام

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہٗ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہِ الَّذِیْنَ اَوْفَوْا عَھْدَہٗ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿ کٓھٰیٰعٓصٓ ○ ذِکْرُ رَحْمَتِ رَبِّکَ عَبْدَہٗ زَکَرِیَّا ○ اِذْ نَادٰی رَبَّہٗ نِدَآءً خَفِیًّا ○ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَھَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَ اشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْبًا وَّلَمْ اَکُنْ، بِدُعَآئِکَ رَبِّ شَقِیًّا ○ وَ اِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ وَ کَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَھَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّا ○ یَّرِثُنِیْ وَ یَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ ۖ وَ اجْعَلْہُ رَبِّ رَضِیًّا ○ یٰزَکَرِیَّآ اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمِ ۨاسْمُہٗ یَحْیٰی ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّہٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا ○ ﴾

(سورۃ مریم ۱۹ : ۱۔۷)

(صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ)

سامعینِ گرامی قدر! سورۃ مریم کی ابتدائی آیاتِ کریمہ ----- جن کو تلاوت کرنے کا مجھے شرف حاصل ہوا ----- ان آیات میں ایک اولوالعزم پیغمبر حضرت سیدنا زکریا علیہ السلام کا ذکرِ خیر اللہ ربُ العزت نے فرمایا ہے۔

قرآن مجید میں چار جگہوں پر حضرت زکریا علیہ السلام کا تذکرہ کیا گیا ہے ---- سورۃ آلِ عمران میں ---- سورۃ الانعام میں ---- سورۃ مریم میں -----

اور سورۃ الانبیاء میں۔

اِن چار سورتوں میں سے سورۃ الانعام میں انبیاء کرامؑ کے اسماءِ گرامی کی فہرست میں صرف اُنؑ کا نام لیا گیا ہے ------- اور باقی تین سورتوں میں قدرے تفصیل اور وضاحت کے ساتھ ان کا واقعہ اور تذکرہ موجود ہے۔

حضرت سیدنا زکریا علیہ السلام کو یہ شرف بھی حاصل تھا کہ نبوت کے منصب پر فائز ہونے کے ساتھ ساتھ "کاہن" بھی تھے ----- "کاہن" بنی اِسرائیل میں ایک معزز مذہبی عہدہ تھا، اور ہر قبیلے سے الگ الگ کاہن مُنتخب ہوتے تھے ----- کاہنوں کے ذمہ یہ خدمت تھی کہ وہ بیت المقدس کی پاکیزہ رسُوم ادا کرتے تھے۔

(دورِ جاہلیت میں عرب کے اندر جو کاہن کا ایک تصور پایا جاتا ہے کہ کاہن غیب کی خبریں اور مُستقبل کے حالات بتایا کرتے تھے ---- وہ ان کاہنوں سے الگ شئے ہے ----- اسی لیے ہماری شریعت نے کاہنوں کے پاس جانے سے منع فرمایا ----- ان کی بتلائی ہوئی باتوں پر ایمان لانا ---- اور اُن سے غیب کی خبروں کے پوچھنے کو کفر قرار دیا۔)

حضرت زکریاؑ نجار تھے

مَیں پہلے بھی کئی مرتبہ دُوسرے انبیاءِ کرامؑ کے تذکروں میں بیان کرچکا ہُوں کہ تمام انبیاءِ کرامؑ اپنی روزی ہاتھ کی محنت سے کماتے تھے اور کسی پر بوجھ نہیں بنتے تھے ----- اللہ کا نبی چاہے دُنیا کا بادشاہ اور حکمران ہی کیوں نہ ہو ---- مگر اپنی معیشت کے لیے اور بال بچوں کے پیٹ پالنے کے لیے مزدوری اور محنت کرتا تھا ---- اِسی لیے ہر نبی نے اور ہر رسُول نے جب اپنی اُمت اور اپنی برادری اور اپنی قوم کو اللہ کا پیغام پُہنچایا ---- دعوت دی اور تبلیغ کی تو اس کے ساتھ ہی برملا اِعلان فرمایا :

﴿ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾
میں تم سے اس تبلیغ پر کوئی اجرت نہیں مانگتا، میرا اجر رب العالمین کے سوا اور کسی کے پاس نہیں ہے۔ (سورۃ شعراء ۲۶ : ۱۰۹)

﴿ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ﴾ (سورۃ ہود ۱۱ : ۲۹)
مَیں تم سے اِس تبلیغ پر مال کا سوالی نہیں ہوں، میری مزدوری اللہ کے ذمہ ہے۔

حبیب نجار شہید نے اپنی قوم کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا:
﴿ اِتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْئَلُكُمْ اَجْرًا ﴾ (سورۃ یاسین ۳۶ : ۲۱)
پیروی کرو اس شخص کی جو تُم سے اجرت کا طالب نہیں ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام بھی اپنی روزی کے لیے ---- بال بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے نجاری (بڑھئی) کا پیشہ کرتے تھے۔

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
کَانَ زَكَرِيَّا نَجَّارًا --- مسلم کتاب الانبیاء)
حضرت زکریا نجاری کا کام کرتے تھے۔

مریم کی پیدائش اور زکریاؑ کی کفالت

حضرت زکریا علیہ السلام کے رشتے داروں میں

ایک شخص عمران بن ناشی اور اس کی بیوی حنہ ---- نیک، شریف، صالح اور پارسا انسان تھے۔

وہ دونوں اولاد کی نعمت سے محروم تھے --- ہر وقت اللہ سے اولاد کی نعمت کی دعا کرتے رہتے تھے ---- پھر اللہ کی رحمت متوجہ ہوئی اور عمران کی بیوی امید سے ہوئی ---- عمران کی بیوی نے ایک منت اور نذر مانی جسے قرآن نے اِن الفاظ میں ذکر فرمایا:

﴿ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ۚ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴾ (سورۃ آلِ عمران ۳ : ۳۵)

اے میرے پالنہار مولا ! مَیں منت اور نذر مانتی ہوں تیرے لیے کہ جو کچھ میرے پیٹ میں ہے ---- (خاص تیرے لیے دوسری ذمہ داریوں اور کاموں سے) آزاد کیا ہوا بے شک تو ہی ہے سُننے والا (تمام دعاؤں کا) اور تو ہی ہے جاننے والا (تمام حالات کا۔)

یعنی میرے پیٹ میں جو امانت ہے اگر تو اسے لڑکا بنا دے ---- تو میں اس بچے کو گھر کے تمام کام کاجوں سے ---- اپنے کاموں سے ---- دنیا کے دھندوں سے آزاد اور فارغ کر کے ---- تیرے گھر بیت المقدس کی خدمت کے لیے ---- جاروب کشی کے لیے ---- اور تیری عبادت کے لیے وقف کر دوں گی۔

عمران کی بیوی کو امید تھی کہ میرے ہاں لڑکا ہوگا ---- تو اسے بیت المقدس کے لیے وقف کر دوں گی ---- مگر پیدا ہوئی لڑکی ---- جس کا نام انھوں نے مریم رکھا، جو آگے جا کر حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ بنیں۔

مریم کی کفالت کے لیے قرعہ اندازی

اگرچہ لڑکیاں بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف نہیں ہوتی تھیں ---- مگر مریم کو اللہ ربُّ العزت نے اس خدمت کے لیے قبول فرمالیا، اور مریم بیت المقدس کی خدمت کے لیے بیت المقدس پہنچا دی گئیں۔

اب تمام کاہنوں کی اور بیت المقدس کے تمام خادموں کی تمنا اور خواہش تھی کہ یہ لڑکی ہماری کفالت میں دی جائے تاکہ ہم اس کی تربیت اور پرورش کریں ---- حضرت زکریا علیہ السلام بھی بیت المقدس کے خادموں میں سے تھے ---- اور مریم کے خالو بھی تھے ---- اور خالہ ماں کی طرح ہوتی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ---- اَلْخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الْأُمِّ
(بخاری باب الحضانة) ---- خالہ ماں کی جگہ رکھتی ہے ---- شاید خالہ کو پنجابی میں اسی لیے "ماسی" کہا جاتا ہے ---- یعنی "ماں سی"۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے مریم کے ساتھ اس رشتے کو دلیل بنا کر خواہش کی کہ مریم میری کفالت میں دی جائے۔

مگر تمام کاہن چونکہ مریم کو اپنی کفالت اور پرورش میں لینے کے خواہش مند تھے ---- اس لیے قرعہ اندازی کا فیصلہ ہوا اور قرعہ اندازی میں نام حضرت زکریا علیہ السلام ہی کا نکلا۔

اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں اس قرعہ اندازی کا ---- اور کاہنوں کے باہمی جھگڑے کا تذکرہ اس طرح فرمایا ہے:

﴿ وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ص وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ○ ﴾ (سورۃ آلِ عمران ۳ : ۴۴)

میرے پیارے اور آخری پیغمبر! آپ ان کے پاس موجود نہیں تھے جب وہ لوگ اپنے قلم (قرعہ اندازی کے لیے ڈال رہے تھے کہ ان میں سے کون مریم کی پرورش کرے اور آپ ان لوگوں کے پاس موجود نہیں تھے جب وہ لوگ مریم کی کفالت کے بارے میں آپس میں جھگڑ رہے تھے۔

(سامعینِ گرامی قدر! یہاں ایک لمحہ کے لیے ٹھہر کر غور کیجیے ---- میں نے صرف واقعہ بیان نہیں کرنا بلکہ واقعہ بیان کرتے ہوئے ایسے مسائل جن سے عقیدہ کی اصلاح ہوتی ہو ---- انھیں بھی بیان کرنا ہے۔ تاکہ آپ کا عقیدۂ توحید پختہ اور مضبوط ہو اور شرک کی رگیں کٹ جائیں۔

ذرا اس آیتِ کریمہ کو ایک بار غور سے پڑھیں اور اس کے ترجمہ پر غور فرمائیں تو یہ حقیقت اور یہ مسئلہ بالکل واضح ہو جاتا ہے اور یہ بات نکھر کر

سامنے آتی ہے کہ امام الانبیاء خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم باوجود بڑی شان اور اونچے مقام کے حاضر و ناظر نہیں ہیں ---- وہ ہر جگہ موجود نہیں ہیں ---- اللہ رب العزت کتنے کھلے، واضح اور صاف انداز مین فرما رہا ہے کہ جب وہ لوگ مریم کی کفالت کے لیے جھگڑ رہے تھے تو میرے پیغمبر آپ ان کے پاس موجود نہیں تھے ---- لوگو! اپنا عقیدہ درست کرلو ---- اپنا نظریہ قرآن کے مطابق بنالو کہ مخلوقات میں سے کوئی نوری، کوئی ناری، کوئی خاکی ----- کوئی فرشتہ ---- کوئی جن ---- کوئی انسان ---- اور انسانوں میں سے کوئی نبی، ولی، پیر، فقیر حاضر و ناظر نہیں ہے ---- ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا صفت ہے تو صرف اللہ رب العزت کی ہے۔)

خیر جی! قرعہ اندازی کے فیصلے کے مطابق مریم حضرت زکریا علیہ السلام کی کفالت و پرورش میں دے دی گئیں۔ جب مریم کچھ بڑی ہوگئیں ----- باتوں کو اور معاملات کو سمجھنے کے قابل ہوگئیں ---- تو حضرت زکریا علیہ السلام نے بیت المقدس میں ایک کمرہ ان کے لیے مخصوص کر دیا ---- جہاں وہ دِن گزارتیں اور رات اپنی خالہ کے ہاں جا کر بسر کرتیں۔

مریم کے ہاں بے موسم پھل

حضرت زکریا علیہ السلام جب کبھی کسی کام کی غرض سے باہر تشریف لے جاتے تو مریم کے کمرے کو باہر سے بند کر کے جاتے ---- مگر جب وہ واپس تشریف لاتے اور دروازہ کھولتے ---- تو دیکھتے کہ مریم کے پاس بے موسم پھل اور میوے موجود ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت زکریا علیہ السلام نے بند کمرے میں مریم کے ہاں بے موسم پھل دیکھ کر ازراہِ تعجب دریافت فرمایا:

﴿يَا مَرْيَمُ أَنَّى لَكِ هَٰذَا﴾ (۳:۳۷)

اے مریم ان پھلوں کا زمانہ اور موسم بالکل نہیں --- تیرے پاس

کہاں سے آئے ہیں ---- یا یہ پھل کسی منڈی میں نہیں ملتے تیرے پاس کہاں سے آئے ہیں۔

مریم نے جواب میں کہا:

﴿هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ (۳ : ۳۷)

یہ پھل اس اللہ کی طرف سے آئے ہیں جو موسموں اور منڈیوں کا محتاج نہیں ہے اور وہ جسے چاہتا ہے بغیر حساب اور بے گمان رزق اور روزی عطا فرماتا ہے۔

بڑھاپے میں اولاد کی دعا

حضرت زکریا علیہ السلام ابھی تک اولاد کی نعمت اور دولت سے محروم تھے ---- ان کی عمر ایک روایت کی بنا پر ستر سال ---- ایک قول کے مطابق نوے سال ---- ایک قول کے مطابق ۹۹ سال ---- اور ایک روایت کے مطابق ایک سو بیس سال ہو چکی تھی۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۲ صفحہ ۴۹)

علاوہ ازیں ان کی زوجۂ محترمہ بانجھ تھیں اولاد جننے کے قابل ہی نہیں تھیں ---- حضرت زکریا علیہ السلام کو اس بات کا بھی اِحساس تھا کہ میں اولاد جیسی نعمت اور دولت سے محروم ہوں ---- مگر ان کو زیادہ فکر اور زیادہ خیال اس بات کا تھا کہ میرے رشتے دار اور بھائی بند ---- اور میرے پیچھے آنے والے لوگ اس لائق نہیں ---- اس قابل نہیں کہ میرے بعد بنی اِسرائیل کی رہبری و راہنمائی کرسکیں ---- قوم کی رشد و ہدایت کا فریضہ سرانجام دے سکیں ---- وہ دین و مذہب کا کام اور منصب سنبھال سکیں ---- وہ دعوت الی اللہ ---- اور تبلیغ کا فریضہ سرانجام دے سکیں ---- اس لیے اگر اللہ رب العزت میری گود ہری کردے ---- اور مجھے بیٹے کی نعمت سے مالا مال کردے تو مجھے اِطمینان اور سکون ہوجائے گا کہ میرے بعد بھی بنی اِسرائیل کی رہبری و راہنمائی کرنے والا ---- اور دین کی خدمت کرنے والا موجود ہے۔

اِس لیے جب دُعا مانگی تو کہا:

﴿ یَرِثُنِیۡ وَ یَرِثُ مِنۡ اٰلِ یَعۡقُوۡبَ ﴾ (۱۹ : ۶) ---- کہ مجھے ایک وارث عطا فرما جو میرا بھی وارث بنے اور یعقوب کے خاندان کا بھی وارث بنے۔

کیا انبیاء کی وراثت ہوتی ہے

اس آیت سے اہلِ تشیّع استدلال کرتے ہیں کہ انبیاء کرامؑ کی وراثت ہوتی ہے اور دوسرے لوگوں کی طرح انبیاء کرامؑ کے اموال اور جائیداد بھی میراث کے طور پر وارثوں میں تقسیم ہوتی ہے۔

مگر اہل سنت کا نظریہ اور مسلک یہ ہے کہ انبیاءِ کرام کی خُصوصیات میں سے ایک خُصوصیت یہ ہے کہ وہ نہ کسی کے وارث ہوتے ہیں اور نہ ان کا کوئی وارث بنتا ہے ---- انبیاء کرام اپنے بعد دنیا کا مال، باغات، زیورات اور دنیا کی جائیداد وراثت میں نہیں چھوڑتے ---- بلکہ علم و حکمت وراثت میں چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوتے ہیں۔ (مَیں حضرت سیدنا سُلیمان علیہ السّلام کے واقعہ میں اسے تفصیل سے بیان کرچکا ہوں۔)

اہلِ سُنّت اور اہلِ تشیّع کی مُستند کُتب میں یہ روایت موجود ہے:

اِنَّ الۡعُلَمَآءَ وَرَثَۃُ الۡاَنۡبِیَآءِ وَ ذَالِكَ اِنَّ الۡاَنۡبِیَآءَ لَمۡ یُوَرِّثُوۡا دِرۡهَمًا وَ لَا دِیۡنَارًا اِنَّمَا وَرَّثُوۡا اَحَادِیۡثَ مِنۡ اَحَادِیۡثِهِمۡ فَمَنۡ اَخَذَ بِشَیۡءٍ مِّنۡهَا فَقَدۡ اَخَذَ بِحَظٍّ وَّافِرٍ۔

علماء انبیاء کے وارث ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم انبیاء درہم و دینار کا وارث کسی کو نہیں بناتے بلکہ اپنے حکیمانہ اقوال وراثت چھوڑتے ہیں جس نے ان اقوال و اِرشادات میں سے کوئی چیز حاصل کی تو اس نے نبوت کی میراث کا بڑا حصہ پایا۔

علاوہ ازیں حضرت زکریا علیہ السّلام جیسے برگزیدہ پیغمبر اور نبی کی ذات اس

سے بہت بلند و بالا ہے کہ اسے یہ فکر ہو کہ میرے بعد میری جائیداد اور میرے مال کا کوئی وارث نہ ہوا تو پھر اسے لوگ لے اڑیں گے۔ اس لیے کوئی میرا وارث ہونا چاہیے جو میرے بعد میری جائیداد اور میرے مال کو سنبھال سکے۔

ایک پیغمبر لازماً مال و متاع کی محبت میں اسیر نہیں ہوتا ---- اسے دنیا کی جائیداد اور مال سے پیار نہیں ہوتا ---- وہ اپنا دل دنیا کی نفیس سے نفیس چیز کے ساتھ نہیں لگاتے ---- بلکہ دنیا کے مال سے بے پرواہ ہو کر اپنے دل و دماغ میں اپنے خالق و مالک کو سما لیتے ہیں۔

اور پھر ذرا یہ بھی تو دیکھیے نا! کہ حضرت زکریا علیہ السلام کوئی اتنے بڑے سرمایہ دار اور جاگیر دار تو نہیں تھے کہ انھیں اپنے پیچھے چھوڑی ہوئی ڈھیر ساری دولت اور کثیر مال کی فکر ہو ---- بلکہ حضرت زکریا علیہ السلام معمولی کام کاج کر کے اپنا اور اپنے گھر والوں کا پیٹ پالتے تھے۔

حضرت زکریاؑ کی دعا

مَیں عرض کر رہا تھا کہ حضرت زکریا علیہ السلام بند کمرے میں آئے ---- دیکھا کہ مریم کے پاس بے موسم پھل موجود ہیں ---- گرمیوں کے موسم کے پھل سردیوں میں ---- اور سرد موسم کے پھل گرمیوں میں ---- پھر ان کے پوچھنے پر مریم نے کہا یہ بے موسم پھل ---- قادر و قدیر اللہ رَبُّ العزت کا عطیہ ہے۔

حضرت زکریاؑ کو محسوس ہوا کہ یہ سب کچھ محض اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل اور رحمت اور کرم ہے تو ان کے دل میں یہ خواہش اور تمنا انگڑائی لینے لگی کہ جو قادر و قدیر ---- اور غالب و عزیز ذات مریم کو بند کمرے میں بے موسم پھل عطا کر سکتا ہے ---- وہ مجھے بھی بڑھاپے میں بیٹے کی دولت سے نواز سکتا ہے۔

بس یہ امنگ پیدا ہوئی ---- یہ تڑپ سی دل میں اٹھی ---- تو حضرت زکریاؑ جن قدموں پر کھڑے ہو کر مریم سے سوال کر رہے تھے وہ قدم اپنی جگہ سے

نہیں ہٹائے ----- ان ہی قدموں پر ---- اسی جگہ اور اسی وقت ----- دعا

زَکَرِیَّا رَبَّہٗ ---- انھوں نے اپنے رب کو پکارا ----- اور پکارا بھی کس طرح

اور کس انداز سے اس کو اللہ ربُّ العزت نے قرآن میں بیان فرمایا ہے:

﴿اِذْ نَادٰی رَبَّہٗ نِدَآءً خَفِیًّا﴾

جب زکریا نے اپنے رب کو پکارا چپکے چپکے۔

دُعاء آہستہ آواز سے

زکریا علیہ السلام نے ---- چپکے چپکے ---- آہستہ اور پست آواز سے پکارا ----

اس لیے کہ دعا اور پکار میں اخفاء بہتر اور پسندیدہ ہے ---- ایک تو اس میں ریاکاری، دکھلاوا ----- بناوٹ اور نمائش کا خطرہ نہیں ہوتا ---- آہستہ آواز میں پکارنا اخلاص کی علامت ہے۔

دوسرا اس لیے کہ جس کو پکارا جا رہا ہے اس کے لیے بلند و پست آواز برابر ہے ---- اس کے ہاں خفی و جہر ایک جیسا ہے ---- ﴿وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى﴾ (طٰہٰ ۲۰ : ۷)

بعض مفسرین نے آہستہ اور پست آواز سے پکارنے کی وجہ یہ لکھی ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کی عمر بہت زیادہ ہو گئی تھی ---- اور بڑھاپے کی کمزوری اور نقاہت اور ضُعف کی وجہ سے ان کی آواز میں بھی ضُعف اور کمزوری پیدا ہو گئی تھی ---- وہ بلند آواز سے بات نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے آہستہ آواز سے پکارنے کا ذکر ہوا ----- اور آہستہ آواز کے ساتھ چپکے چپکے پکارنے کی ایک وجہ علماء نے یہ بھی لکھی ہے کہ اس لیے آہستہ پکارا کہ کہیں قریبی رشتے دار میری دعا کو نہ سُن لیں ---- اگر انھوں نے سُن لیا کہ ایک سو بیس سال کا بوڑھا اِس عمر میں بیٹا مانگ رہا ہے تو وہ تمسخر کریں گے اور ---- مذاق اڑائیں گے ---- واللہ اعلم بالصواب۔

﴿رَبِّ اِنِّیۡ وَہَنَ الۡعَظۡمُ مِنِّیۡ وَ اشۡتَعَلَ الرَّاۡسُ شَیۡبًا﴾ (۱۹ : ۴)

حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنی آرزو، تمنا سے پہلے ---- بیٹے کی اِلتجا اور دُعا کرنے سے پہلے ---- اپنی کمزوری، بے بسی، عاجزی اور ناتوانی کا ذکر کیا۔

میرے پالنہار مولا ! میری ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں ---- بوسیدہ ہو گئی ہیں ---- بدن میں سب سے سخت چیز ہڈی ہوتی ہے ---- تب وہ سخت شے کمزور ہو گئی ہے تو دوسرے بدن کا حال تو اس سے بھی زیادہ پتلا ہوگا ---- گوشت پوست تو پھر بہت ہی کمزور ہوں گے ---- حضرت زکریا علیہ السلام نے عاجزی اور تواضع کرتے ہوئے ظاہری اسباب پر اعتماد نہیں کیا بلکہ اللّٰہ کی رحمت ---- اللّٰہ کی مدد و نصرت پر بھروسا کیا۔

﴿وَ اشۡتَعَلَ الرَّاۡسُ شَیۡبًا﴾ (۱۹ : ۴)

مَولا ! بڑھاپے کی وجہ سے میرا سر مکمل طور پر سفید ہو گیا ہے ---- تجربہ شاہد ہے کہ انسان کی داڑھی پہلے سفید ہوتی ہے اور سر کے بال بعد میں سفید ہوتے ہیں ---- حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے سر کے بالوں کی سفیدی کا ذکر کیا ---- کہ اب تو سر کے بالوں میں بھی چاندی جھلکنے لگی ہے اور وہ بھی برف کی طرح سفید ہو گیا ہے۔

﴿وَلَمۡ اَکُنۡۢ بِدُعَآئِکَ رَبِّ شَقِیًّا﴾ (۱۹ : ۴)

مَولا ! مَیں تجھ سے مانگ کر محروم نہیں رہا ہُوں۔

مولا ! میں تیرا وہ بندہ ہوں جسے تو نے عرصۂ دراز سے اپنے لُطف و کرم کا خوگر بنایا ہے ---- میں نے جب کبھی مانگا تو نے عطا کیا ---- میں نے جب کبھی دستِ سوال دراز کیا تو نے کبھی خالی ہاتھ نہیں لوٹایا ---- تیری عنایت و عطا نے ہمیشہ میری آرزوں کی لاج رکھی ---- تیرے کرم نے آج تک مجھے کبھی محروم نہیں کیا۔

رئیس المفسرین مولانا حسین علی رحمۃ اللہ تعالٰی نے وَلَمْ اَكُنْ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا --- کا معنی بڑا خوبصورت فرمایا:

بِدُعَآئِكَ ---- میں "با" سببیہ ہے۔ اور معنی یوں کریں گے ---

مولا! تجھ سے مانگ کر ---- اور تجھ ہی سے مانگنے کے سبب میں بدبخت نہیں ہوں ------ بدبخت تو وہ ہے جو تیرا دروازہ چھوڑ کر غیر اللہ کو پکارتا ہے -----

بدبخت اور بد نصیب تو وہ ہے جو حَیٌّ لَّا یَمُوْتُ کو چھوڑ کر انھیں پکارتا ہے جو قبروں میں سو گئے ---- بدبخت اور بد نصیب تو وہ ہے جو مالک الملک ---- قادر و قدیر ---- غالب و عزیز اور زبردست کو چھوڑ کر انھیں پکارتا ہے جو عاجز، بے بس اور مجبور ہیں ---- انھیں پکارتا ہے جو لَا یَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کا مصداق ہیں۔

بدبخت اور بد نصیب تو وہ ہے جو سَمِیْعُ الدُّعَآءِ ذات کو چھوڑ کر ان کو پکارتا ہے جو اس کی پکار کو قیامت کی صبح تک سُننے کی طاقت نہیں رکھتے ----- اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآئَكُمْ ---- (اگر تم انھیں پکارو تو وہ تُمھاری پکار نہیں سُنتے۔) کا مصداق ہے۔

بدبخت اور بد نصیب تو وہ ہے جو لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ---- ذات کو چھوڑ کر انھیں پکارتا ہے جو نیند کی وادی میں پہنچ کر دنیا اور دنیا کے حالات سے بے خبر اور غافل ہو جاتے ہیں۔

بدبخت تو وہ ہے جو قادر و مالک کو چھوڑ کر عاجزوں کو پکارتا ہے ---- بے نیاز اور غنی کو چھوڑ کر مُحتاجوں کو پکارتا ہے ---- داتا کو چھوڑ کر منگتوں کو پکارتا ہے ---- مُعطی کو چھوڑ کر فقیروں کو پکارتا ہے ---- جو حاجت روا کو چھوڑ کر حاجت مندوں کو پکارتا ہے ---- مُشکل کشا کو چھوڑ کر مُشکلات میں گھرے ہوؤں کو پکارتا ہے ---- جو القوی، طاقت ور، زور آور، غالب، عزیز ---

زبردست ---- القہار، الجبار ---- القادر ۔ القدیر ۔ المقتدر ---- الخلاق ---- الرزاق کو چھوڑ کر ان کو پکارتا ہے جو کروٹ بدلنا نہیں جانتے ہیں ---- ہاں ہاں جو اپنے چہرے سے مکھی اڑانے کی طاقت نہیں رکھتے ---- جو اپنے یتیم بچوں کے سر پر ہاتھ رکھنے کی قوت نہیں رکھتے ---- جو بولنے سے عاجز آ گئے ---- جو سننے کی صلاحیت سے محروم ہو گئے ---- جو دیکھ نہیں سکتے ---- کسی کو نفع یا نقصان پہنچانا جن کے اختیار میں نہیں ---- عزت بخشنا اور ذلت میں مبتلا کرنا ان کے بس میں نہیں ---- اولاد عطا کرنا ان کی قدرت میں نہیں ---- جو ایسے عاجزوں، محتاجوں کو مصائب میں یا اولاد لینے کے لیے پکارتا ہے اس سے بڑا بدبخت اور بدنصیب اور کون ہو سکتا ہے؟۔

اس سے بڑا احمق اور بے وقوف بھلا اور کون ہوگا؟

اس سے بڑا گمراہ، دنیا میں اور کون ہوگا؟

سچ کہا ہے قرآن نے :

﴿ وَ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗۤ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ﴾ (سورۃ الاحقاف ۴۶ : ۵)

اور اس سے بڑا گمراہ کون جو اللہ کے سوا ان کو پکارتا ہے جو قیامت تک اس کی پکار کا جواب نہیں دے سکتے اور وہ ان کی پکار سے غافل اور بے خبر ہیں۔

خیر جی ! میں عرض کر رہا تھا کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے بیٹے کے لیے رب کے حضور التجا اور دعا کرتے ہوئے پہلے اپنے بڑھاپے اور اپنی کمزوری و عاجزی کا ذکر کیا ---- پھر کہا :

﴿ وَكَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا ﴾ (۱۹ : ۵)

اور میری بیوی بھی بانجھ ہے ---- طبی لحاظ سے بچہ جننے کے قابل نہیں ---- پھر میری بیوی کی عمر نوے سال کے قریب ہے ---- نوے سال کی

عورت تو ویسے بھی بچہ جننے کے قابل نہیں ہوتی، پھر اوپر سے بانجھ بھی ہو۔

میرے کریم مولا! جو ظاہری اسباب اور قوتیں ہیں وہ سب کی سب مفقود ہیں ---- دنیا کے قانون اور دستور وہ سب کے سب معدوم ہیں ---- بیٹا لینے کا موسم بھی میرا کوئی نہیں ---- مگر مولا! جس طرح تو نے بند کمرے میں مریم کو بغیر اسباب کے بے موسم پھل عطا کیے ہیں اسی طرح مجھے بھی بے موسم بیٹا عطا فرما دے۔

یہ قانون اور قاعدے ---- یہ دستور اور ضابطے ---- یہ اصول و علتیں ---- میرے مولا! ہم عاجزوں کے لیے ہیں ---- تیری ذات قاعدوں، قوانین اور اصولوں کی پابند نہیں --- تُو ضابطوں کا محتاج نہیں --- تُو تو قدرتوں والا ہے --- تُو تو نیست کو ہست کرنے والا ہے --- تُو تو نابود کو بود کرنے والا ہے ---- تُو ہر چیز کو عدم سے وجود میں لانے والا ہے --- میرے مولا! آج اپنی قدرتوں کا مظاہرہ کر کے مجھے اِس بڑھاپے میں بانجھ بیوی کے بطن سے بیٹا عطا فرما۔

دعا مانگتے ہوئے ذرا حضرت زکریا علیہ السلام کا انداز دیکھیے:

﴿ فَهَبْ لِي مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا ﴾ میرے پالنہار! مجھے اپنے پاس سے ایک کام اٹھانے والا (بیٹا) بخش دے۔

ذرا ﴿ مِن لَّدُنكَ ﴾ ---- کے لفظ پر غور فرمائیے ---- اپنے پاس سے! سبحان اللہ!

ایک اور جگہ پر قرآن مجید نے ان کی دعا کو اس طرح ذکر فرمایا:

﴿ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَّأَنتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ ﴾ (انبیاء ۲۱ : ۸۹)

میرے پالنہار مولا! مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تُو سب سے بہترین وارث ہے۔

(یعنی اولاد دے جو میرے بعد دین کے حوالے سے قوم کی خدمت کرے اور میری تعلیم کو دنیا میں عام کرے ---- وارث بھی اسی دین کے کام

کے سنبھالنے کے لیے طلب کر رہے تھے۔ یَّرِثُنِیْ وَ یَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ
--- (۱۹ : ۶) --- اسی مناسبت سے وَاَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ --- کہہ دیا۔)

قرآن نے ایک اور جگہ پر اُن کی دعا کا تذکرہ فرمایا:

﴿رَبِّ هَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّیَّةً طَیِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِیْعُ الدُّعَآءِ﴾ (۳ : ۳۸)

اے میرے رب! مجھ کو اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد بخش، بے شک تُو ہے پکار اور دعا کا سُننے والا۔

دُعا قبول ہوگئی

حضرت سیدنا زکریا علیہ السلام دعا کر کے ابھی اپنے حجرے میں نماز میں مشغول تھے کہ نماز کے دوران ہی فرشتے بیٹے کی خوشخبری کا پیغامِ مسرت لے کر آگئے۔

﴿یٰزَکَرِیَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۨاسْمُهٗ یَحْیٰی ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا﴾

اے زکریا ہم خوشخبری دیتے ہیں تجھ کو ایک لڑکے کی جس کا نام یحییٰ ہوگا۔ ہم نے اس سے پہلے اس کا کوئی ہم نام نہیں بنایا۔ (۱۹ : ۷)

میرے زکریا! تم نے تو صرف بیٹا مانگا ہے --- جتنا ظرف تھا، اس کے مطابق مانگا ہے --- مگر میں ایسا سخی اور ایسا داتا ہُوں --- میں ایسا مُعطی ہُوں کہ بندے کو مانگنے سے زیادہ عطا کرتا ہُوں --- بندے کا دامن اور جھولی تنگ ہوجاتی ہے مگر میری بخشش و عطا ختم نہیں ہوتی --- تُم نے صرف بیٹا مانگا ہے میں بیٹا بھی دُوں گا --- آسمانوں سے اُس کا نام بھی رکھ کر دُوں گا --- اور جب جوان ہوجائے گا تو اُس کے سر پر نبوت کا تاج بھی سجاؤں گا --- سبحان اللہ!

حیرت اور تعجب اور افسوس ہے، ان لوگوں پر جو ایسے سخی اور ایسے داتا کو چھوڑ کر ---- ایسے کریم اور ایسے مہربان کو چھوڑ کر انھیں پکارتے ہیں اور ان سے مانگتے ہیں جو کھجور کی گٹھلی کے اوپر چڑھے ہوئے باریک پردے کے بھی مالک نہیں ہیں ---- ﴿مَا یَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِیْرٍ﴾ (فاطر ۳۵ : ۱۳) ----

جو اپنے کفن کے مالک بھی نہیں ---- جو ایک مکھی پیدا کرنے پر قادر نہیں ---- ﴿لَن يَخْلُقُوا ذُبَابًا﴾ (سورۃ حج ۲۲ : ۷۳)

حضرت زکریا علیہ السلام کا تعجب

سامعینِ گرامی قدر! ایک لمحہ کے لیے تصور کیجیے اور سوچیے کہ ---- ایک سو بیس سال کی عمر کے بوڑھے کو ---- جس کی بدنی قوتیں مفقود ہو چکی ہوں ---- جس کی ہڈیاں کپاس کی طرح نرم ہو چکی ہوں ---- جس کی بیوی کی عمر تقریباً نوے سال ہو ---- پھر وہ بانجھ ہو ---- ایسے شخص کو جب اللہ ربُّ العزت کا پیغام پہنچا ہو گا کہ ہم تجھے یحییٰ نام کا ایک بیٹا عطا کریں گے ---- تو اس شخص کی خوشی و مسرت اور انبساط کا کیا عالم ہو گا؟

اسی خوشی و مسرت کے لمحات میں حیرت و تعجب کے طور پر پوچھتے ہیں :

﴿رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّ كَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّ قَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا﴾

میرے پالنہار مولا! کیسے اور کہاں سے ہو سکتا ہے میرے ہاں لڑکا، حالانکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کی انتہاء کو پہنچ گیا ہوں۔ (یعنی انتہائی کمزور اور ضعیف ہو چکا ہوں۔) (۱۹ : ۸)

حضرت زکریا علیہ السلام کے سوال کی توجیہ

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے بیٹے کی خوشخبری ملنے پر تعجب کا اظہار کیوں کیا ---- کہ میرے ہاں لڑکا کیونکر، کس طرح اور کیسے ہو گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے یہ پوچھ کر تعجب کا اظہار نہیں کیا ---- بلکہ یہ معلوم کرنا چاہا کہ ان کے ہاں بیٹا کیسے پیدا ہو گا ---- آیا ہم میاں بیوی اسی بڑھاپے کی حالت میں ہوں گے اور بیٹا ہو گا ---- یا اللہ میری جوانی لوٹا دے گا اور میری بیوی کا بانجھ پن دُور کر دے گا، پھر بیٹا ہو گا۔

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت زکریاؑ کو معاذ اللہ، اللہ ربّ العزت کی قدرت پر شک و شبہ نہیں تھا، بلکہ بیٹے کی خوشخبری ملنے پر خوشی و مسرت کی شدت کی وجہ سے فرحت و مسرت کی شدت کی وجہ سے یہ الفاظ زبان پر آگئے ---- جس طرح حضرت سارہ رضی اللہ عنہا بیٹے کی خوشخبری سن کر از راہ فرحت و مسرت کہنے لگیں:

﴿ یٰوَیْلَتٰٓی ءَ اَلِدُ وَ اَنَا عَجُوْزٌ وَّ هٰذَا بَعْلِیْ شَیْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عَجِیْبٌ ﴾

اے خرابی کیا مجھ سے بچہ ہوگا، حالانکہ میں بڑھیا ہوں اور میرا شوہر (ابراہیمؑ) بوڑھا ہے، بے شک یہ تو عجیب بات ہے۔ (سورۂ ہود ۱۱ : ۷۲)

حضرت زکریاؑ بیٹے کی خوشخبری ملنے پر کہتے ہیں ---- ﴿ رَبِّ اَنّٰى یَكُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ ﴾ (۱۹ : ۸) ---- میرے ہاں لڑکا کس طرح اور کیسے ہوگا ---- بیوی میری بانجھ ہے جو بچہ جننے کے بالکل قابل نہیں ---- کیا میری بیوی کا بانجھ پن دور کردیا جائے گا ---- اور میری اپنی حالت یہ ہے کہ بڑھاپے کی انتہاء اور آخری سرحدوں کو چھو رہا ہوں۔

عِتِيًّا ---- ایسے بوڑھے کو کہتے ہیں جس کی ہڈیاں بھی خشک ہو گئی ہوں ---- ﴿ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ ﴾ (۱۹ : ۴)

لغت کے مشہور و معروف امام علامہ راغب نے ---- عِتِيًّا کا معنی و مفہوم اس طرح بیان فرمایا:

حَالَةٌ لَا سَبِیْلَ اِلٰی اِصْلَاحِهَا ---- یعنی بڑھاپے کی وہ حالت جب کمزوری اپنی انتہا کو پہنچ جائے اور اس کی صحت اور درستگی کی صورت کوئی نہ ہو۔

حضرت شاہ عبد القادر محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے موضح القرآن میں بڑی لطیف، پر مغز اور نفیس بات تحریر فرمائی ہے کہ: ---- "انوکھی چیز مانگتے ہوئے تعجب نہیں آیا، جب سنا کہ (بیٹا) ہوگا تب تعجب کیا"۔

یاد رکھیے ! انبیاء کرام علیہم السّلام کی طرف سے اس قسم کے سوالات (جس قسم کا سوال حضرت زکریّاؑ نے کیا) کا مطلب یہ ہرگز ہرگز نہیں ہوتا کہ معاذاللہ وہ اللہ ربّ العزت کی قدرت کاملہ کے بارے میں شک و شبہ میں مبتلا ہوتے ہیں بلکہ اس طرح کے سوالات سے ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان پر واضح کر دیا جائے کہ قدرتِ الٰہی کا کرشمہ کس نوعیت ---- اور کس کیفیت کے ساتھ وجود میں آئے گا۔

اللہ ربّ العزت نے حضرت زکریا علیہ السّلام کے پوچھنے پر جواب دیا:

﴿ قَالَ كَذٰلِكَ ﴾ ---- کہا یونہی ہوگا ---- یہ ہمارا کمال ہے کہ تم اسی طرح بوڑھے ہی رہو گے اور بیٹا عطا ہوگا۔

﴿ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ﴾ (۱۹ : ۹)

تیرا پالنہار کہتا ہے کہ اس بڑھاپے کی حالت میں بیٹا عطا کرنا میرے لیے آسان بات ہے۔

﴿ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴾ (۳ : ۴۰)

کہا: بات اسی طرح ہے کہ بیوی تیری بانجھ ہے اور تو خود بڑھاپے کی انتہا کو پہنچ چکا ہے ---- مگر اللہ مرضیوں کا مالک ہے ---- قدرتوں والا ہے، جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔ اسے کوئی پُوچھنے والا نہیں ہے ---- اس کے لیے کوئی کام دشوار اور مشکل نہیں ہے۔

میرے بوڑھے پیغمبر ! اس بڑھاپے میں بیٹا کس طرح ہوگا، اس پر حیرت و تعجب کا اظہار کر رہے ہو ---- ذرا دیکھو تو سہی اپنی پیدائش کو؟۔

﴿ قَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْـًٔا ﴾ (۱۹ : ۹)

میں نے اس سے پہلے تمھیں بھی پیدا کیا ہے حالانکہ تم کچھ بھی نہیں تھے ---- تُمھارا وجود نہیں تھا ---- ہم نے عدم کو وجود بخشا ---- نیست کو ہست

کر دیا ---- جس قادر و قدیر ذات نے تجھے بنایا ہے اس کے لیے کیا مشکل ہے کہ اس پیرانہ سالی اور بڑھاپے میں تجھے بیٹے کی دولت سے نواز دے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی ایک درخواست

حضرت زکریا علیہ السلام کہتے ہیں:

﴿قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً﴾ (۱۹ : ۱۰) ---- میرے پروردگار! میرے لیے کوئی نشانی اور علامت مقرر فرما ---- جس کے ذریعہ مجھے معلوم ہو کہ بشارت نے وجود کی صورت اختیار کر لی ہے ---- جس کے ذریعے مجھے معلوم ہو کہ جو وعدہ (بیٹے کا) مجھ سے کیا گیا ہے اس کے پورا ہونے کا وقت آگیا ہے۔ تا کہ میں بیٹے کی پیدائش سے پہلے ہی تیرے ذکر و شکر میں مصروف ہو جاؤں۔

اللہ رب العزت نے حضرت زکریا علیہ السلام کی اس درخواست کے جواب میں فرمایا:

﴿اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا﴾ (۳ : ۴۱)

تیری نشانی اور علامت یہ ہے کہ تو لوگوں سے بات نہیں کر سکے گا تین دن مگر اشارے سے۔

سورۃ مریم میں اس کو اس طرح بیان فرمایا:

﴿اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا﴾ (۱۹ : ۱۰)

تیرے لیے علامت اور نشانی یہ ہے کہ باوجود صحت مند اور تندرست ہونے کے تم تین راتوں تک لوگوں سے بات نہ کر سکو گے۔

جب دیکھو کہ سوائے ذکر کرنے کے آپ کی زبان دنیا کی باتیں کرنے سے بند ہو گئی ہے ---- تو سمجھ لینا کہ بیٹا عنقریب آرہا ہے۔

تین مسئلے حل ہو گئے

قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے حضرت زکریا علیہ السلام کی ایک ایک بات اور ایک ایک التجا کا تذکرہ فرمایا ---- تا کہ عوام الناس پر کچھ حقیقتیں واضح ہو جائیں

---- تاکہ لوگ ان کے واقعہ کو پڑھ کر ---- اور ان کی التجاؤں کو دیکھ کر اپنے عقیدے کی اصلاح کرلیں۔

پہلا مسئلہ

حضرت زکریا علیہ السلام ساری زندگی اولاد جیسی نعمت سے محروم رہے ---- پھر انھوں نے انتہائی بڑھاپے میں اولاد لینے کے لیے پکارا تو صرف اپنے ربِ کریم کو ---- نہ انھوں نے اپنے سے پہلے کسی پیغمبر کو آواز لگائی ---- نہ اپنے جد امجد حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ کو ندا دی ---- نہ انھوں نے اپنے بابا حضرت آدمؑ کو پکارا ---- نہ جبریل امین کے آگے التجا کی ---- اور اللہ سے مانگتے ہوئے انھوں نے نہ کسی نبی یا فرشتے کا وسیلہ اور واسطہ پیش کیا ---- نہ طفیل نہ صدقہ ---- بلکہ براہِ راست اللہ ہی کو بیٹا لینے کے لیے پکار کر ---- یہ حقیقت واضح کی کہ اولاد کا عطا کرنا ---- اللہ ربُّ العزت ہی کے اختیار میں ہے۔

سنو لوگو ! اور میری بات کو پلے باندھ لو !

اللہ ربُّ العزت کے سوا کوئی بڑا ہو یا چھوٹا ---- کوئی نیک ہو یا بد ---- کوئی پیر ہو یا پیغمبر ---- کوئی ولی ہو یا نبی ---- کوئی انسان ہو یا جن ---- کوئی دیوی ہو یا دیوتا ---- کوئی پری ہو یا فرشتہ ---- کوئی قبر ہو یا شجر ---- کوئی تارہ ہو یا چاند سورج ---- آگ ہو یا پانی ---- حضرت عیسٰیؑ ہوں یا عزیرؑ ---- حضرت ابراہیمؑ ہوں یا اسماعیلؑ ---- لات ہو یا منات ---- عزیٰ ہو یا ہُبل ---- کوئی صحابی ہو یا تابعی ---- کوئی اِمام ہو یا مُجتہد ---- کوئی مُفسّر ہو یا محدث ---- شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ہوں یا بہاء الحق ملتانیؒ ---- جُنیدؒ ہوں یا بایزیدؒ ---- علی ہجویریؒ ہوں یا فریدالدینؒ ---- سُلطان باہوؒ ہوں یا معین الدین اجمیریؒ ---- کوئی ہو۔

کسی کے اختیار اور کسی کے بس میں نہیں ہے کہ اولاد کی نعمت سے کسی کو مالا مال کرسکے ---- کسی کو بیٹا دے سکے یا بیٹی عطا کرسکے۔

اگر اللہ رب العزت کے علاوہ ---- اولاد دینا کسی دوسرے کے اختیار میں ہوتا تو حضرت زکریا علیہ السلام ایک سو بیس سال تک اس نعمت سے محروم نہ رہتے --- ان کے ہاں درجنوں بیٹے ہوتے ---- مگر آپ سن چکے ہیں کہ بڑھاپے میں انھوں نے بیٹے کے لیے اپنے اللہ رب العزت کو پکار کر واضح کردیا اور یہ مسئلہ سمجھا دیا کہ اولاد دینا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے --- وہی ہے --- ہاں صرف وہی ہے اولاد عطا کرنے والا۔

جس طرح حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اولاد ملنے کے بعد بطور شکر کے کہا تھا:

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ ﴾ (۱۴ : ۳۹)

تمام صفات کارسازی اس اللہ کے لیے ہیں جس نے بڑھاپے میں مجھے اسماعیل اور اسحاق عطا فرمائے، بیٹے کے لیے دعا مانگتے ہوئے حضرت ابراہیم نے بغیر کسی وسیلے اور واسطے کے براہِ راست اپنے پروردگار کو پکارتے ہوئے کہا:

﴿ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴾ (صافات ۳۷ : ۱۰۰)

میرے پالنہار! مجھے صالح بیٹا عطا فرما۔

قرآن مجید نے ایک جگہ پر اس کو بڑے واضح انداز میں اس طرح بیان فرمایا:

﴿ یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ۝ اَوْ یُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّ اِنَاثًا ۚ وَ یَجْعَلُ مَنْ یَّشَآءُ عَقِیْمًا ﴾ (سورۂ شوریٰ ۴۲ : ۴۹-۵۰)

جس کو اللہ چاہتا ہے لڑکیاں عطا کرتا ہے۔ (لڑکوں سے محروم رکھتا ہے) اور جس کو چاہتا ہے لڑکے ہی لڑکے بخشتا ہے (لڑکیوں سے محروم رکھتا ہے اور وہ ساری زندگی لڑکیوں کے لیے ترستے رہتے ہیں۔)

اور جس کو چاہتا ہے انھیں لڑکے اور لڑکیاں ملا کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بانجھ بنا دیتا ہے ---- نہ بیٹے اور نہ بیٹیاں ---- وہ تمام عمر اولاد کی

نعمت کے لیے ترس جاتے ہیں --- دعائیں مانگتے ہیں --- التجائیں کرتے ہیں --- منتیں مانتے ہیں --- علاج معالجہ پر خرچ کرتے ہیں --- کروڑوں میں کھیلنے والے --- کاروں میں پھرنے والے --- سینکڑوں مربعوں کے مالک --- عالی شان کوٹھیاں اور دنیا میں پھیلے ہوئے کاروبار --- نوکر اور ملازم ہر وقت دست بستہ حاضر --- مگر اولاد کی نعمت سے محروم --- اللہ رب العزت نے اولاد والی نعمت کے دروازے ان پر بند کردیے --- کوئی مائی کالال ایسا نہیں جو ان بند دروازوں کو کھول سکے اور ان تالوں کو توڑ سکے۔

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کوئی معمولی عورت نہیں ہے --- صدیق باپ کی صدیقہ بیٹی ہے --- عتیق باپ کی عتیقہ بیٹی ہے --- امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی طیبہ اور طاہرہ زوجۂ محترمہ ہے --- مومنوں کی ماں ہے --- جس کی پاکیزگی پر نُطقِ فطرت نے شہادت دی ہے --- جس کے لیے عرش والا وکیل صفائی بن گیا تھا --- جسے بار بار رب کے سلام آئے --- اتنی عظمتوں والی عائشہ --- اتنی بلند مقام والی عائشہ --- اتنے اونچے مرتبے والی عائشہ پورے نو سال امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں اور گھر میں رہیں --- مگر اولاد کی نعمت سے محروم رہیں --- اللہ رب العزت نے یہ مسئلہ سمجھایا --- اور یہ حقیقت واضح کی کہ اگر میں اولاد نہ دینا چاہوں تو کائنات کے سرتاج کے بستر پر رہنے والی عائشہؓ بھی بے بس نظر آتی ہے۔

آج ذرا اپنے ارد گرد نظر دوڑایئے --- آج ذرا اپنے ماحول کو دیکھیے --- اپنے مذہبی معاشرے کی طرف توجہ کیجیے --- جگہ جگہ درباروں پر اولاد کے ڈپو کھلے ہوئے ہیں --- کوئی مُسلمان کہلانے والی میری بہن کسی دربار میں بیری کے درخت کے نیچے جھولی پھیلائے کھڑی ہے کہ جھولی میں جتنے بیر گریں گے اتنے بیٹے ہوں گے۔

کوئی اسلام کی دعویدار عورت تعزیے کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑی ہے کہ اس طرح بزرگ راضی ہوں گے اور میری جھولی بھری ہو جائے گی۔

کوئی گائے کو دیوتا اور معبود مان کر اولاد اس سے مانگ رہا ہے ----

اور کوئی ایمان و اسلام کا دعویدار ---- اپنے آپ کو محمد عربی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا امتی کہلانے والا گھوڑے کی منتیں کر رہا ہے کہ اسے اولاد کی دولت اور نعمت مل جائے۔

کوئی درباروں اور مزاروں کی خاک چھانتا پھرتا ہے --- منتیں مانتا اور دیگیں اتارتا ہے کہ میری حاجت یہاں سے پوری ہوگی --- میری گود بھری ہو جائے گی۔

کوئی کہتا پھرتا ہے ---- جی ! یہ بڑی طاقتوں والے ہیں ---- یہ بڑے کرنیاں بھرنیاں والے ہیں ---- یہ اللہ کے پیارے اور محبوب ہیں۔ اللہ ان کی بات کو رد نہیں کرتا ---- یہ اللہ سے بات منوا لیتے ہیں ----

مگر قرآن مجید مشرکین کے معبودوں کی بے بسی ---- عاجزی اور بے کسی کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتا ہے :

﴿ وَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّ هُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴾

اور جن جن کو وہ مشرکین اللہ کے سوا پکارتے ہیں (انھیں مالک و مختار سمجھ کر --- مشکل کشا اور حاجت روا سمجھ کر) وہ کوئی شے بھی پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ تو اپنی پیدائش اور تخلیق میں اللہ رب العزت کے محتاج ہیں۔ (سورہ نحل ۱۶ : ۲۰)

اَمْوَاتٌ ---- جن کو تم پکارتے ہو وہ مردہ ہیں ---- غَيْرُ اَحْيَآءٍ ---- زندہ نہیں ہیں ---- وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ---- ان کو تو اتنا بھی پتا نہیں کہ وہ قبروں سے کب اٹھائے جائیں گے۔

ایک اور جگہ پر ارشاد ہوتا ہے :

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ (سورۂ حج ۲۲ : ۷۳)

بے شک جن جن کو تم پکارتے ہو ---- مالک و مختار سمجھ کر ان کے

سامنے اپنی حاجتیں بیان کرتے ہو---- انھیں مشکل کشا مانتے ہو---- ان کو اولاد دینے والا سمجھتے ہو---- ہاں ہاں جن جن کو تم غریب نواز سمجھ کر پکارتے ہو ---- انھیں گنج بخش اور دستگیر سمجھ کر پکارتے ہو---- ان کے نام کی نذر و نیاز دیتے ہو اور کہتے ہو کہ وہ بڑی طاقتوں والے ہیں وہ جو چاہیں کریں انھیں کوئی پوچھنے والا نہیں---- وہ تمھارے معبود اور مشکل کشا اتنے عاجز اور کمزور ہیں کہ:

﴿لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ﴾ (۲۲: ۷۳)

وہ سب کے سب مل کر ایک دوسرے کی مدد کریں تب بھی ایک مکھی پیدا نہیں کر سکتے۔

آگے فرمایا:

﴿وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ﴾ (۲۲: ۷۳)

مکھی کا بنانا تو درکنار---- مکھی کا بنانا تو دور کی بات ہے---- اس لیے کہ مکھی بنانی ہوگی تو اس کی آنکھیں بنانی پڑیں گی---- اس کا منھ، ناک---- جگر، دل---- بنانا پڑے گا---- اس کے پر بنانے پڑیں گے پھر اس میں روح پھونکنی پڑے گی---- یہ تو بڑا مشکل کام ہے۔

﴿وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا﴾ ---- اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین کر لے جائے---- تم جو نذریں اور نیازیں وہاں رکھتے ہو---- عرسوں پر شیرینیاں بانٹتے ہو---- قبروں مزاروں پر دیگیں پکاتے ہو---- مٹھائیاں تقسیم کرتے ہو---- کسی زندہ مشکل کشا کے سامنے سے یا کسی فوت شدہ کی قبر کے اوپر رکھی ہوئی شیرینیوں سے مکھی اگر کوئی چیز چھین کر اڑ جائے---- ذرہ بمقدار اپنے منھ میں اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھ پاؤں میں لے کر اڑ جائے---- ﴿لَا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ﴾ ---- تمھارے مشکل کشا مل کر بھی مکھی سے اپنا نقصان واپس نہیں لے سکتے۔

﴿ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ﴾ (۲۲ : ۷۳)

مانگنے والا بھی کمزور اور ضعیف اور جس سے مانگا جا رہا ہے وہ بھی کمزور و ضعیف ---- اتنا کمزور کہ مکھی کا پر بنانے سے عاجز اور قاصر ---- اور مکھی کوئی چیز اس سے چھین لے تو وہ مکھی سے اپنا نقصان واپس لینے سے عاجز اور قاصر۔

پھر حیرت اور تعجب اور افسوس ہے حضرت انسان پر کہ اَلْقَوِیُّ کو چھوڑ کر کمزوروں کو پکارتا ہے ---- اَلْغَالِبُ کو چھوڑ کر مغلوب سے مانگتا ہے ---- اَلْغَنِیُّ کو چھوڑ کر محتاجوں سے مانگتا ہے ---- داتا کو چھوڑ کر منگتوں سے مانگتا ہے۔

جو مکھی کا پر نہ بنا سکیں ---- جو کھجور کی گٹھلی کے باریک پردے کے مالک نہ ہوں ---- ان سے اولاد مانگتا ہے اور بیٹوں کی درخواست کرتا ہے۔

(سامعینِ گرامی قدر ! ذرا ﴿وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا﴾ (۲۲ : ۷۳) ---- کے انداز پر غور فرمائیے گا ---- یوں نہیں کہا مکھی ان سے کوئی چیز لے جائے ---- بلکہ فرمایا مکھی ان سے کوئی چیز چھین کر لے جائے ---- چھین کر لے جائے ---- ذرا اس پر توجہ فرمائیں --- جو چھین لیتا ہے وہ طاقت ور ہوتا ہے ---- اور جس سے چھن جائے وہ کمزور ہوتا ہے ---- اللہ نے فرمایا : میرے سوا دوسروں کو حاجت روا سمجھ کر پکارنے والو ! تمھارے معبود اور مشکل کشا اتنے کمزور ہیں کہ مکھیاں بھی ان سے چیزیں چھین لیتی ہیں۔)

دُوسرا مسئلہ

حضرت زکریا علیہ السلام کے واقعہ سے دوسرا مسئلہ یہ سمجھ آیا کہ عالم الغیب صرف اور صرف اللہ ربُّ العزت کی ذات ہے --- اس کے سوا کوئی پیغمبر اور نبی بھی عالم الغیب نہیں ---- اگر حضرت زکریا علیہ السلام عالم الغیب ہوتے تو اللہ ربُّ العزت سے بیٹے کے آنے کی نشانیاں نہ پوچھتے رَبِّ اجْعَلْ لِّيْ آيَةً

----- میرے لیے کوئی نشانی اور علامت مقرر کردے ----- جو بیٹے کی پیدائش کی نشانیاں اور علامتیں پوچھتا ہو وہ عالم الغیب نہیں ہوسکتا ----- جس کو اتنا علم نہ ہو کہ میری بیوی کے پیٹ میں امانت آچکی ہے وہ ہر ہر چیز کا جاننے والا کیسے ہوسکتا ہے۔

تیسرا مسئلہ

حضرت زکریا علیہ السلام کے نشانی طلب کرنے پر اللہ رب العزت نے بھی کیا خوب نشانی مقرر فرمائی کہ

﴿ اٰیَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِیًّا ﴾ (۱۹ : ۱۰) --- تیرے لیے علامت اور نشانی یہ ہے کہ صحیح اور تندرست ہونے کے باوجود تم تین دن رات تک لوگوں سے بات نہیں کرسکوگے ----- یعنی ہم سوائے اپنے ذکر کے باقی باتوں سے آپ کی زبان بند کردیں گے۔

سبحان اللہ! اللہ رب العزت نے حضرت زکریا علیہ السلام کی زبان بند کرکے یہ مسئلہ سمجھایا اور یہ حقیقت واضح کی کہ لوگو! پیغمبر کی زبان بھی اس کے قبضہ اور اختیار میں نہیں ہوتی ----- وہ میری مرضی سے بولتا ہے ----- میں چاہوں تو بولے اور میں نہ چاہوں تو زبان سے کوئی کلمہ اور کوئی جملہ بھی نہ نکال سکے ----- تم کہتے ہو انبیاء اور اولیاء مختارِ کل ہوتے ہیں اور متصرف فی الامور ہوتے ہیں ----- اور قرآن کہتا ہے ہر ہر چیز کا اختیار اور تصرف تو رہا اپنی جگہ ----- ان کی اپنی زبان بھی اپنے اختیار اور تصرف میں نہیں ہوتی۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش

حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے بیٹے کے لیے جب دعا مانگی تھی تو اس میں کہا تھا

﴿ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّیَّةً طَیِّبَةً ﴾ (۳ : ۳۸) ----- مولا! میرا بیٹا ذریت طیبہ ہو، پاکیزہ اولاد ----- نیک سیرت و صالح ذریت عطا فرما۔

اللہ رب العزت نے ان کی دعا کو قبول و منظور فرمایا اور یحییٰ جیسا مقدس

زند عطا فرما دیا ---- صالحین کا سردار ---- زہد و تقویٰ میں بے مثال ---- نہ انھوں نے شادی کی اور نہ ان کے دل و دماغ میں کبھی گناہ کا خطرہ پیدا ہوا۔

﴿ سَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴾ (۳ : ۳۹)

یحییٰ (اللہ اور اس کے بندوں کی نظر میں) برگزیدہ ہوگا ---- اور گناہوں سے کنارہ کش اپنے نفس پر قابو رکھنے والا ہوگا اور نبی ہوگا صالحین سے۔

﴿ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ﴾ (۱۹ : ۱۲)

اور ہم نے یحییٰ کو بچپن ہی میں فہم و دانائی عطا فرمائی تھی۔

کچھ لوگوں نے یہاں الحکم سے مراد نبوت لی ہے ---- مگر یہ صحیح اور درست نہیں ہے، اس لیے کہ نبوت جیسا عظیم اور اہم منصب کسی کو بچپن میں عطا ہو یہ عقل و نقل کے خلاف ہے۔

صحیح بات وہی ہے جو علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ سے نقل کی ہے کہ الحکم سے مراد علم و دانائی ہے، جو حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بچپن میں عطا ہوئے تھے۔

سیرت کی کتابوں نے نقل کیا کہ حضرت یحییٰ جب بچے تھے اور ان کے ہم عمر بچے ان کو کھیلنے کی دعوت دیتے تو وہ فرماتے اللہ نے مجھے لہو و لعب اور کھیل کود کے لیے پیدا نہیں کیا۔

﴿ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا ﴾ انھیں دل کی نرمی ---- رحمت و شفقت سے مالا مال کیا ---- ﴿ وَزَكٰوةً ﴾ ---- نفس کی پاکیزگی عطا فرمائی۔ ﴿ وَكَانَ تَقِيًّا ﴾ (۱۹ : ۱۳) ---- وہ پرہیزگار اور متقی تھے ----- ﴿ وَّبَرًّا ، بِوَالِدَيْهِ ﴾ ---- وہ ماں باپ کا خدمت گزار تھا ---- ﴿ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ﴾ (۱۹ : ۱۴) ---- وہ سخت گیر اور نافرمان نہیں تھے۔

﴿ وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ﴾ (۱۹ : ۱۵)

یحییٰ کو سلامتی و امان ہو جس دن وہ پیدا ہوا (مس شیطان سے) اور جس دن اس پر موت آئے گی (وحشتِ موت سے) اور جس دن اٹھ کھڑا ہوگا زندہ ہو کر (آخرت میں ہولِ قیامت سے)

اللہ ربُّ العزت حضرت یحییٰ علیہ السلام کی تعریف و توصیف قرآن مجید میں بیان فرما رہا ہے ---- حضرت یحییٰؑ جوانی کی عمر کو پہنچے تو اللہ نے نبوت کا تاج ان کے سر پر رکھا ---- انھیں مسندِ رسالت کا امین بنایا ---- انھوں نے دعوت و تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیتے ہوئے یہود تک اللہ کا پیغام پہنچایا ---- وہ خود بھی تورات کے احکام پر عمل پیرا ہوئے اور لوگوں کو بھی اس کی تلقین کرتے رہے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام تبلیغ و دعوت کا فریضہ بھی سرانجام دیتے رہے اور ساتھ ساتھ لوگوں کو بتاتے رہے کہ مجھ سے بڑے ایک پیغمبر ---- یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام آنے والے ہیں ---- وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خوشخبری اور بشارت دیتے رہے اور ان کے آنے سے پہلے زمین کو رشد و ہدایت کے لیے ہموار سازگار کرتے رہے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی قوم کے لوگ اپنے آباء و اجداد کی اندھی پیروی میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کے مخالف اور دشمن ہو گئے ---- اور جس طرح حضرت یحییٰؑ سے پہلے کئی انبیاء کرامؑ کو بنی اسرائیل نے قتل کیا تھا اسی طرح انھیں بھی شہید کر دیا۔

معراج میں حضرت یحییٰؑ سے ملاقات

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم معراج کے سفر میں جب مختلف آسمانوں سے گزرتے ہوئے مختلف انبیاء کرامؑ سے ملاقاتیں کر رہے تھے --- تو دوسرے آسمان پر پہنچے تو وہاں حضرت یحییٰ علیہ السلام کو موجود پایا۔ حضرت جبریل امین نے کہا یا رسول اللہ! یہ یحییٰ ہیں، ان کو سلام کیجیے۔

حضرت زکریاؑ کی وفات

علماء اُمت کے درمیان یہ مسئلہ اختلافی رہا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کی وفات کس طرح ہوئی ہے ---- آپ نے طبعی طور پر انتقال فرمایا یا آپ کو بھی آپ کے بیٹے حضرت یحییٰؑ کی طرح شہید کیا گیا۔

کچھ علماء کرام کا خیال یہ ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو شہید کرنے کے بعد ---- وہ لوگ حضرت زکریا علیہ السلام کو شہید کرنے کے لیے بڑھے تو حضرت زکریا علیہ السلام بھاگے ---- سامنے ایک درخت کے شگاف میں داخل ہوگئے ---- مخالفین نے درخت پر آرہ چلا کر ان کے جسم کے دو ٹکڑے کردیے۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۲ صفحہ ۵۲)

اور کچھ علماء کرام کا خیال یہ ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام شہید نہیں ہوئے بلکہ انھوں نے طبعی موت سے وفات پائی۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۲ صفحہ ۵۲)

مشہور قول اور پختہ اور مضبوط بات یہ ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کو یہود نے شہید کیا تھا---- مگر یہ ربُ العزت ہی بہتر جانتا ہے کہ ان کو کہاں شہید کیا گیا اور کس طرح شہید کیا گیا۔

سامعینِ گرامی قدر! حضرت زکریا علیہ السلام کے واقعہ سے جہاں بہت سارے سبق ملتے ہیں ---- ان میں ایک سبق یہ بھی ملتا ہے کہ:

انسان کو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل و کرم سے کبھی بھی اور کسی وقت بھی مایوس اور نا امید نہیں ہونا چاہیے ---- اگر دُنیا کے ظاہری اسباب مفقود ہوگئے ہوں ---- قوانین اور ضابطے ختم ہوگئے ہوں۔ پھر بھی نا امید نہیں ہونا چاہیے ---- کبھی کبھی اللہ ربُ العزت اپنی قدرتوں کے مظاہرے کرکے ایک سَو بیس سال کے کمزور بوڑھے کو نوّے سال کی بانجھ بیوی سے بیٹا عطا کردیتا ہے۔

اگر کبھی خلوص سے مانگی ہوئی دُعائیں درجۂ قبولیت نہ پا رہی ہوں ---- تو یہ نہیں سمجھ لینا چاہیے کہ رحمتِ الٰہی کے سمندر نے رُخ پھیر لیا ہے ---- بلکہ خالقِ کائنات جو حکمتوں کا جاننے والا ہے وہ انسان کی مُرادیں پُوری کرنے اور نہ کرنے کی حکمت بہتر جانتا ہے ---- ہو سکتا ہے جو چیز انسان مانگ رہا ہے وہ اس کے لیے سُودمند اور بہتر نہ ہو۔

بہر حال اللہ تعالیٰ کی رحمت و فضل سے مومن شخص کو کسی حال میں بھی مایوس اور نا اُمید نہیں ہونا چاہیے۔ رحمتِ الٰہی سے نا اُمیدی مومن کا نہیں کافر کا شیوہ ہے۔

﴿ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴾ (سورۂ یوسف ۱۲ : ۸۷)

اللہ کی رحمت سے نا امید مت ہو۔ اس لیے کہ اللہ کی رحمت سے کافر نا امید ہوتے ہیں۔

وما علینا الا البلاغ المبین
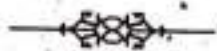
حضرت سیدنا عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّیْ وَ نُسَلِّمُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَآءِ وَ الْمُرْسَلِیْنَ وَ عَلٰٓی اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿ وَ اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا یَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ ۗ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَ لَاۤ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ۝ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَاۤ اَمَرْتَنِیْ بِهٖۤ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبَّكُمْ ۚ وَ كُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ ؕ وَ اَنْتَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ۝ ﴾

(سورۃ مائدہ ۵ : ۱۱۶-۱۱۷)

(صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ)

سامعینِ گرامی قدر! آج کے خطبہ میں ----- میں آپ حضرات کے سامنے حضرت سیدنا عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ ---- اور سیرتِ مبارکہ کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام زمرۂ انبیاء میں اللہ رب العزت کے جلیل القدر، صاحبِ کتاب، صاحبِ شریعت، صاحبِ معجزات اور اولوالعزم پیغمبر و رسول ہیں۔

جس طرح اللہ ربُّ العزت نے یہ مرتبہ اور یہ درجہ اور یہ شرف ہمارے پیارے پیغمبر امام الانبیاء رحمتِ کائنات صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو عطا فرمایا ہے کہ آپ خاتم الانبیاء ہیں ---- آپ کی ذات پر نبوت کا دروازہ بند کر دیا گیا --- آپ کے بعد کوئی نیا نبی اور رسُول نہیں آئے گا۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ عظمت اور یہ شرف حاصل ہے کہ وہ انبیاء بنی اِسرائیل کے خاتم ہیں۔

بنی اِسرائیل کے تمام انبیاء کرام حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں سے تشریف لائے ----- جن کی تعداد ہزاروں میں ہے ----- ان سب سے آخر میں حضرت سیدنا عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام مبعُوث ہوئے ---- اس لیے وہ بنی اِسرائیل میں آنے والے تمام انبیاء کے خاتم ہیں۔

امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم وہ اکیلے پیغمبر ہیں جو حضرت سیدنا اِسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تشریف لائے اور خاتم الانبیاء کے عظیم منصب پر فائز ہوئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ہمارے محبوب پیغمبر حضرت سیدنا محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی نبی اور کوئی پیغمبر مبعُوث نہیں ہُوا ---- یہ درمیانی عرصہ جو تقریباً پانچ سو ستّر سال پر مُحیط ہے "فترة" یعنی انقطاعِ وحی کا زمانہ کہلاتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایک خصُوصیت یہ ہے کہ وہ مجددِ انبیاء بنی اِسرائیل ہیں ---- اس معنی میں کہ تورات کے نزولِ کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کو فراموش کر کے بنی اِسرائیل میں طرح طرح کی جو گمراہیاں ---- اور بدکاریاں پھیل گئی تھیں ---- اور بنی اِسرائیل نے تورات کے احکامات کو پسِ پُشت ڈال کر دینِ توحید میں فساد بپا کر کے شرک کے دروازے کھول دیے تھے ---- حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی تعلیمات کے ذریعے اور انجیل کے ذریعے یہودیوں کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کی ---- اور انھیں

حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا فراموش شدہ پیغام ہدایت یاد دلایا---- عقائد کی یہ کھیتی جو مدتوں سے خشک ہو رہی تھی اسے اپنی تعلیمات اور انجیل کے ذریعہ بارانِ رحمت سے زندہ کردیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے لوگوں کو بشارت اور خوشخبری سنائی کہ میرے بعد ایک رسول آنے والا ہے جس کا اسم گرامی احمد ہوگا---- اس لحاظ سے حضرت عیسیٰ امام الانبیاء حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے مبشر ٹھہرے۔

قرآن مجید نے جن اولوالعزم انبیاء کا تذکرہ قدرے تفصیل سے کیا ہے ان میں ایک نمایاں نام حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا بھی ہے۔

ہمارے پیارے پیغمبر حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مابین ایک خاص تعلق---- ماضی اور مستقبل کے لحاظ سے ایک خاص رابطہ اور نسبت پائی جاتی ہے۔

کون نہیں جانتا کہ:

ماضی کے حساب سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہمارے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے مبشر بن کر تشریف لائے۔

اور مستقبل کے لحاظ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام قربِ قیامت میں تشریف لاکر امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں گے---- شریعتِ محمدیہ کے پیروکار ہوں گے اور وفات کے بعد آپ کے ساتھ دفن ہوں گے۔

اور پھر قیامت کے دن امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اللہ ربُّ العزت کے دربار میں---- اللہ کے پوچھنے اور سوال کرنے پر وہی جواب دیں گے جو آپ سے پہلے حضرت عیسیٰ ابنِ مریم علیہ السلام جواب دے چکے ہوں گے۔

(اس کی تفصیل میں آگے جاکر بیان کروں گا۔ ان شاء اللہ)

حضرت عیسیٰؑ اور قرآن

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات و واقعات کی مناسبت اور تعلق چونکہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے بہت زیادہ ہے ---- اس لیے قرآن مجید نے ان کے حالات، ان کی زندگی کے نشیب و فراز --- ان کی حیاتِ طیبہ کے اہم واقعات کا تذکرہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے ---- تقریباً تیرہ سورتوں میں ان کا ذکرِ مقدس ہوا ہے --- ان میں کسی جگہ ان کا نام نامی اسم گرامی "عیسیٰ" ذکر کیا گیا ---- کسی مقام میں "مسیح" کے لقب سے یاد کیا گیا --- کسی سورۃ میں "عبداللہ" کے طور پر متعارف کروایا گیا --- اور کئی جگہوں پہ اُن کی کنیت "ابنِ مریم" کے ساتھ ان کا ذکر ہوا۔

قرآن مجید کی مختلف سورتوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ اور محیرالعقول پیدائش کا بھی ذکر ہے --- پیدائش کے بعد کے حالات کا بھی ذکر ہے ---- رسالت و نبوت کے عطا ہونے کا بھی تذکرہ ہے ---- ان پر اترنے والی کتاب انجیل کا بھی ذکر ہوا ---- ان کو عطا ہونے والے عظیم الشان معجزات کا بھی ذکر ہے ---- ان کی دعوت و تبلیغ کا بھی تذکرہ ہے ---- قوم کی مخالفت کا بھی بیان ہے ---- قوم کی تدبیریں، سازشیں، مشورے اور مکر و فریب کا بھی بیان ہے --- حواریوں کی وفاداری اور نصرت کا بھی تذکرہ ہے ---- مخالفین کا پھانسی دینے کے لیے تدبیریں کرنا اور اللہ ربُّ العزت کا انھیں زندہ آسمانوں پر اٹھا لینا اور مخالفین کے مکر و فریب اور تدبیروں کو ناکام بنا دینے کا بھی بیان ہے۔

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور سوال و جواب کے لیے آنا ---- اللہ ربُّ العزت کا سوال کرنا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جواب دینا ----- یہ سب واقعات قرآن مجید نے بڑی وضاحت و تفصیل کے ساتھ بیان فرمائے ہیں۔

والدۂ عیسیٰؑ حضرت مریمؑ

سامعینِ گرامی قدر! حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سیرت و حالات کو بیان کرنے سے پہلے ---- ضروری ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ حضرت سیدہ مریم علیہا السلام کا ذکرِ خیر اور تذکرہ کیا جائے ---- اس لیے کہ یہ پاکیزہ خاتون بھی قربِ الٰہی کے خاص مراتب پر فائز ہے ---- اور ان کی پیدائش بھی عجیب طریقے سے ہوئی ہے۔

حضرت مریمؑ کے والد عمران اور والدہ حنہ ---- اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نانا اور نانی بے اولاد تھے ---- بشری اور فطری تقاضوں کے تحت دونوں کو اولاد کی شدید خواہش اور بے حد تمنا تھی ---- اس نعمت اور اس دولت کے لیے وہ ہر وقت اللہ ربُّ العزت کے حضور التجائیں کرتے ---- دعائیں مانگتے اور گڑگڑاتے رہتے۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ ایک مرتبہ عمران کی بیوی ---- حضرت مریمؑ کی والدہ حنہ اپنے گھر کے صحن میں بیٹھی ہوئی تھیں ---- کہ انھوں نے دیکھا کہ ایک معصوم پرندہ اپنے ننھے سے بچے کے ساتھ کھیل رہا ہے ---- خوراک کے دانے اس کے منھ میں ڈالتا ہے --- (چوگ دے رہا ہے) ---- اپنے بچے سے پیار کر رہا ہے۔

مریم کی ماں نے یہ منظر دیکھا تو تڑپ اٹھی ---- اور اولاد کی خواہش اور تمنا کا سمندر کناروں سے باہر آگیا ---- بے قرار ہو گئی۔

اسی وقت اپنے عاجز ہاتھ اللہ ربُّ العزت کی بارگاہ میں اٹھا دیے ---- زاری اور عاجزی کرتے ہوئے کہا:

مولا! مجھے بھی اسی طرح اولاد کی دولت سے مالا مال کر دے جو میری آنکھ کا نور بنے اور میرے دل کا سرور بنے ---- دل سے نکلی ہوئی دعا ----

عرش کا سینہ چیر کر رب کے دربار میں شرفِ قبولیت پا گئی ----- چند دنوں کے بعد حضرت مریم کی والدہ نے محسوس کیا کہ وہ امید سے ہیں۔

انھوں نے اِنتہائی خوشی اور بے حد مَسرت و شادمانی میں اللہ کے حضور نذر و منت مان لی:

﴿رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا﴾ (سورۃ آلِ عمران ۳: ۳۵)

میرے پالنہار مولا! میں نے نذر مان لی ہے کہ میرے پیٹ میں جو امانت ہے وہ تیری راہ میں (بیت المقدس کی خدمت کے لیے) آزاد ہے۔

﴿فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ۚ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ﴾ (۳: ۳۵)

میرے مولا! تو میری اس نذر کو قبول فرما بلا شک تو ہی ہے (تیرے سوا اور کوئی نہیں) ہر ایک کی پکار کو سُننے والا اور ہر ایک کے حال کو جاننے والا۔

بنی اِسرائیل کی مذہبی رسُومات میں سے ایک مذہبی رسم بہت مقدس اور مبارک سمجھی جاتی تھی کہ وہ اپنے بیٹے کو بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف کر دیتے تھے ---- عمران کی بیوی ---- حضرت مریم کی والدہ نے بھی یہی نذر مانی کہ اپنے پیدا ہونے والے بچے کو بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف کر دیں گی۔

مگر قدرت کے رنگ دیکھیے کہ عمران کی بیوی نے جب بچہ جنا تو وہ لڑکا نہیں لڑکی تھی ----- جہاں تک خوشی و مَسرت کا تعلق تھا تو ان کے لیے یہ لڑکی بھی لڑکے سے کم نہیں تھی ---- مگر اس خوشی کے ساتھ افسوس اس بات کا تھا کہ میں نے جو نذر مانی ہے وہ پوری نہیں ہو سکے گی ---- اس لیے کہ بیت المقدس کی خدمت کے لیے لڑکی کس طرح وقف کی جائے گی ---- خدمت کا یہ کام لڑکیوں کا نہیں لڑکوں کا ہے۔

مگر اللہ ربّ العزت نے فرمایا:

عمران کی بیوی! غم اور افسوس نہ کر---- تیرے مانگے ہوئے لڑکے سے ہماری عطا کردہ لڑکی کہیں اعلیٰ اور بہتر ہے۔

اور ہم نے بیت المقدس کی خدمت کے لیے اپنی رحمت و فضل سے تیری بیٹی کو بھی قبول فرمالیا ہے۔

عمران کی بیوی نے اپنی ہونے والی بیٹی کا نام "مریم" رکھا---- "مریم" سُریانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی "زاہدہ" یا "خادمہ" کے آتے ہیں۔

مریم کچھ بڑی اور باشُعور ہوئیں تو اپنے خالو حضرت زکریا علیہ السلام کی کفالت میں آگئیں---- حضرت زکریا علیہ السلام بیت المقدس کے متولی اور خادم تھے---- ان کی کفالت میں مریم کو بند کمرے میں بے موسم پھلوں کی صُورت میں روزی اللہ ربُ العزت کی طرف سے عطا کی جاتی تھی۔

عابدہ مریمؑ پر انعاماتِ الٰہیہ کی بارش

حضرت مریم دن رات اللہ ربُ العزت کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے عبادت میں مشغُول اور مصروف رہتیں---- ان کا تقویٰ---- ان کی پرہیزگاری کی لوگ مثالیں دیا کرتے تھے۔

عالم لوگ بھی اور حضرت زکریا علیہ السلام بھی مریم کے زہد و پاکیزگی سے بے حد مُتاثر تھے کہ اللہ ربُ العزت نے مریم کی عظمت و مقام کو اور زیادہ اونچا کردیا اور فرشتوں کے ذریعے اسے خطاب فرمایا:

﴿ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ ﴾

اے مریم اللہ نے تجھے چن لیا (بزرگی عطا فرمائی) اور تجھے ستھرا بنایا اور دنیا کی تمام عورتوں سے تجھے چنا اور پسند فرمایا۔ (۳ : ۴۲)

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ---- اللہ ربُ العزت نے تجھے بزرگی عطا فرمائی تجھے مُنتخب کرلیا اور چن لیا کہ دستور کے مطابق لڑکی بیت المقدس کی خادمہ نہیں

بن سکتی تھی مگر اللہ نے تجھے بیت المقدس کی خدمت کے شرف کے لیے پسند فرمایا --- بچپن میں بے موسم پھلوں کے ساتھ روزی عطا کر کے بلند و بالا مقام سے نوازا۔

وَ طَهَّرَكِ ----- اے مریم تجھے ایک جلیل القدر پیغمبر کی والدہ ہونے کا شرف حاصل ہونے والا تھا۔ اس لیے تجھے عیوب سے پاک کر دیا --- ستھرے اخلاق سے مالا مال فرمایا --- ظاہری اور باطنی طہارت و تقدس عطا فرما کر بیت المقدس کی خدمت کے لائق بنایا۔

وَ اصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ----- اور جہان بھر کی عورتوں سے تجھے بزرگی عطا فرمائی ---- تجھے تمام عورتوں میں سے پسندیدہ بنایا --- پورے جہانوں کی عورتوں سے تجھے چنا --- اس کا مفہوم یہ ہے کہ مریم کا تقدس و طہارت ---- عصمت و عفت ---- پاکیزگی و تقویٰ جیسی صفات ----- حضرت عیسیٰ علیہ السّلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کی والدہ ہونے کا شرف ---- خاص کر کے مرد کے چھوئے بغیر ان کے ہاں حضرت عیسیٰ کی ولادت باسعادت ---- یہ سب ایسے امور ہیں جن کی وجہ سے حضرت مریم کو باقی عورتوں پر فضیلت و برتری حاصل ہے۔

مگر نِسَآءُ الْعَالَمِيْنَ ------ از اول تا آخر زمانہ کی عورتیں مُراد نہیں ---- بلکہ اُن کے زمانے اور اُن کے دَور کی عورتیں مُراد ہیں۔

قرآن مجید نے بنی اِسرائیل کے مُتعلق فرمایا :

﴿ اَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴾ (سورۃ البقرۃ ۲ : ۴۷)

بیشک مَیں نے تم کو تمام جہانوں کے لوگوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔

اس کا مفہوم بھی تمام مُفسّرین کے اتفاق سے یہی ہے کہ عَالَمِیْنَ سے ان کے زمانے کی اقوام اور لوگ مراد ہیں۔

امام الانبیاء صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کا ایک اِرشادِ گرامی بھی ملاحظہ فرمائیے :

كَمُلَ مِنَ الرِّجَالِ كَثِيْرٌ وَلَمْ يَكْمُلْ مِنَ النِّسَآءِ إِلَّا مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَآسِيَةُ امْرَأَةُ فِرْعَوْنَ وَإِنَّ فَضْلَ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَآءِ كَفَضْلِ الثَّرِيْدِ عَلٰى سَائِرِ الطَّعَامِ۔ (بخاری)

مردوں میں سے تو بہت سے آدمی کامل ہوئے ہیں مگر عورتوں میں سے صرف دو عورتیں کامل ہوئی ہیں۔ ایک عمران کی بیٹی مریم اور دوسری فرعون کی بیوی آسیہ اور عائشہ کی فضیلت و برتری دوسری عورتوں پر ایسے ہی ہے جیسے ثرید کھانے کی برتری باقی کھانوں پر ہے۔

اس ارشادِ نبویؐ سے واضح ہوا کہ حضرت مریمؑ کی فضیلت دنیا کی تمام عورتوں پر نہیں ہے بلکہ صرف ان کے زمانے اور ان کے دور کی عورتوں پر ہے۔

جبریلؑ ربّ کا پیغام لائے

حضرت مریم نہایت ہی عصمت مآب طریقے سے اور عفت و پاکدامنی سے اپنے خلوت کدہ میں عبادت کے اندر مشغول رہتیں ---- عابدہ و ساجدہ مریم ---- زاہدہ و صدیقہ مریم ضروری حاجات کے سوا اپنے حجرے سے کبھی باہر نہ نکلتی تھیں ----- ایک روز مسجدِ اقصیٰ سے مشرقی جانب ---- لوگوں کی نگاہوں سے دور ---- غسل کرنے کی غرض سے الگ ہوئیں ---- اس وقت ان کی عمر تیرہ یا پندرہ برس تھی ------ اچانک حضرت جبریل علیہ السلام ----- بشری لباس میں ---- ایک خوبرو نوجوان مرد کی شکل میں سامنے آ گئے۔

(سامعینِ گرامی قدر! یہاں میں آپ کو ایک مسئلہ سمجھانا چاہتا ہوں ---- آپ توجہ اور غور سے میری بات سنیں گے تو ان شاء اللہ بہت سارے لوگوں کو فائدہ ہوگا ---- حضرت مریم کے پاس جبریل ---- جو نوری تھا ---- جس کی ذات نور ہے ---- بشری اور انسانی لبادہ اوڑھ کر ---- بشری لباس پہن کر آیا تو قرآن مجید نے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴾ (سورۂ مریم ۱۹ : ۱۷)

پس جبریل مریم کے سامنے بشر بن کر آیا۔

حضرت جبریل علیہ السلام بشر کے روپ میں اور بشر کی صورت میں آیا ---- یعنی قرآن نے واضح فرمایا کہ جبریل نور تھا۔ مگر انسانی لباس پہنا اور انسانی روپ اختیار کیا۔

مگر قرآن جب امام الانبیاء حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا ذکر کرتا ہے تو یہ نہیں کہتا کہ آپ نے بشری لباس پہنا ---- انسانی روپ میں آئے ---- وہاں قرآن فَتَمَثَّلَ کا لفظ نہیں کہتا۔

بلکہ برملا اور واضح انداز اختیار کرتے ہوئے کہتا ہے ----

﴿ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴾ (سورۂ بنی اسرائیل ۱۷ : ۹۳) ---- میں ایک بشر ہوں جسے رسول بنایا گیا۔

﴿ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ﴾ (سورۂ کہف ۱۸ : ۱۱۰)

بے شک میں بشر ہوں جیسے تم۔

معلوم ہوا جبریل کی ذات نور تھی اس نے فقط بشری لباس پہنا تھا، اس لیے فَتَمَثَّلَ لَهَا ---- کے الفاظ ذکر کیے کہ وہ بشری صورت میں آیا۔

مگر امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور حقیقت چونکہ بشر تھی اس لیے بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کے الفاظ کے ساتھ ذکر فرمایا۔)

حضرت مریم نے دیکھا کہ ایک نوجوان خلوت و تنہائی میں اچانک سامنے آ گیا ہے ---- قدرتی طور پر خوفزدہ ہوئیں ---- گھبرائیں اور فوراً کہنے لگیں:

﴿ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴾ (۱۹ : ۱۸)

اگر تم نیک اور پرہیزگار آدمی ہو تو میں اللہ رحمان کے نام پر تجھ سے پناہ مانگتی ہوں۔

جبریل امین نے جواب میں کہا:

﴿إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ﴾ (۱۹ : ۱۹)

مریم جسے تم انسان اور آدمی سمجھ بیٹھی ہو میں انسان نہیں بلکہ فرشتہ ہوں --- میں اللہ کا رسول اور قاصد ہوں اور اللہ کا ایک پیغام لے کر آیا ہوں۔

(سامعینِ گرامی قدر! ان واقعات کو بیان کرتے ہوئے جس جس جگہ سے عقیدے کی اصلاح کا پہلو نکلتا ہے میں اس جگہ آپ کی توجہ مبذول کرواتا ہوں --- یہاں بھی ایک لمحہ کے لیے رک کر سوچیے۔ ایک مسئلہ ان شاء اللہ حل ہو جائے گا۔

ہمیشہ سے عیسائی حضرت مریم کو عالم الغیب اور حاضر و ناظر سمجھ کر مصائب میں پکارتے ہیں --- یہاں اللہ نے مسئلہ سمجھایا کہ مریم عالم الغیب اور حاضر و ناظر نہیں ہیں --- ان کو تو اپنے سامنے کھڑے ہوئے جبریل کی حقیقت کا علم نہ ہو سکا --- کہ یہ نوجوان آدمی ہے یا رب کا بھیجا ہوا فرشتہ --- جسے اپنے سامنے کھڑے ہوئے جبریل کی حقیقت کا علم نہ ہو سکا وہ مریم تمام دنیا کے حالات سے واقف و باخبر کیسے ہو سکتی ہے؟۔)

حضرت جبریلِ امین علیہ السلام نے کہا:

میں اللہ کا قاصد و ایلچی ہوں اور اللہ کا پیغام لے کر آیا ہوں کہ اللہ رب العزت کہتا ہے کہ میں تجھے ایک پاکیزہ لڑکا عطا کرنا چاہتا ہوں۔

یہ مفہوم جو میں نے بیان کیا قرآن مجید نے اسے اس رنگ میں بیان فرمایا:

﴿أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ ۖ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا﴾ (۱۹ : ۱۹)

جبریل نے کہا میں تیرے رب کا قاصد (بھیجا ہوا) ہوں، تاکہ میں دوں تجھے ایک لڑکا ستھرا۔

ایک مغالطے کا جواب

اس مقام پر بعض پڑھے لکھے جاہل ان پڑھ عوام کو مغالطہ دیتے ہیں کہ:

اس آیت میں بیٹا دینے کی نسبت جبریل نے اپنی طرف کی ہے کہ میں تجھے بیٹا دوں گا ---- لِاَھَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ------- معلوم ہوتا ہے کہ جبریل بیٹا دے سکتا ہے اور اگر جبریل دے سکتا ہے تو پھر انبیاء و اولیاء بھی دے سکتے ہیں ---- اس لیے بیٹے لینے کے لیے اولیاء کے درباروں پر جانا اور انھیں واسطہ بنانا جائز ہے۔

مغالطے کا جواب

یہ استدلال اور یہ دلیل انتہائی بودی اور کمزور ہے ---- یہ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا والی بات ہے ---- اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ جبریل اللہ ربّ العزت کا قاصد اور ایلچی تھا --- اور قاصد جا کر اپنی بات نہیں کرتا بلکہ بھیجنے والے کی بات کرتا ہے۔

جبریل کو اللہ نے بھیجا تھا، اس نے اپنی بات نہیں کرنی تھی ------ بلکہ بھیجنے والے اللہ کی بات کرنی تھی۔

اس کو قرآن نے دوسری جگہ پر وضاحت کے ساتھ بیان کردیا ہے:

﴿ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴾

اس وقت کو یاد کرو جب فرشتوں نے کہا اے مریم اللہ تجھ کو خوشخبری دیتا ہے اپنے ایک حکم کی جس کا نام مسیح ہے عیسیٰ بیٹا مریم کا، دنیا اور آخرت میں مرتبے والا اور اللہ کے مقربین میں شامل۔ (سورۃ آل عمران ۳ : ۴۵)

آلِ عمران کی اس آیت کریمہ نے یہ حقیقت واضح کردی کہ بیٹا عطا کرنے والا، خوشخبری دینے والا اور عیسیٰؑ کو مرتبوں سے نوازنے والا جبریل نہیں ربِّ جبریل ہے۔

مغالطے کا دُوسرا جواب

اس مغالطے کا دوسرا جواب اس آیت سے اگلی آیت میں موجود ہے --- ذرا غور سے سُنیے گا۔

حضرت جبریل علیہ السلام نے جب حضرت مریم کو بیٹے کی خوشخبری سنائی تو مریم صدیقہ سُن کر حیران اور شُشدر رہ گئیں ---- اور تعجب سے پُوچھنے لگیں:

﴿ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ﴾ (۱۹ : ۲۰)

کہاں سے ہوگا---- اور کیسے ہوگا میرے ہاں بیٹا۔

کیا اللہ ربُّ العزت نے یہ قانون اور یہ اُصول خُود نہیں بنایا کہ اولاد کے لیے نر اور مادہ کا امتزاج ضروری ہے ---- جب تک نر مادہ کا باہمی امتزاج نہ ہو اولاد نہیں ہوتی-----

﴿ وَلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ ﴾

میری شادی نہیں ہوئی اور مجھے آج تک کسی انسان نے ہاتھ تک نہیں لگایا۔

﴿ وَلَمْ اَكُ بَغِيًّا ﴾ -----

اور بدچلن اور بدکارہ میں نہیں ہوں۔

یعنی جائز اور ناجائز----- کسی طریقے سے اولاد ہونے کا تصور نہیں ہے --- اور جبریل تو مجھے بیٹے کی خوشخبری سُنا رہا ہے ---- کیا اللہ ربُّ العزت اپنا قانون توڑ دے گا؟---- کیا اللہ اپنا اُصول بدل دے گا؟-----

﴿ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ ﴾

----- میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا؟

اب اگر بیٹا جبریل نے دینا ہوتا تو اسے چاہیے تھا کہ مریم کو بتلاتا کہ ایسے اور اس طرح ہوگا---- اِس کی صُورت یہ ہوگی----- مگر نہیں ---- مریم نے ازراہِ تعجب پُوچھا: ----- بیٹا کیسے ہوگا؟ ---- میری شادی نہیں ہوئی

---- میں بدکارہ اور بدچلن نہیں۔

جبریل نے مریم کی یہ بات سُن کر کہا---- مجھے نہیں پتا کہ کیسے ہوگا

---- ﴿قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ﴾

قَالَ رَبُّكِ ---- قَالَ رَبُّكِ ---- مریم مجھے پتا نہیں کہ بیٹا کیسے

ہوگا۔ تیرا رب کہتا ہے کہ میرے لیے اس طرح بیٹا دینا بھی آسان ہے---- نر

مادہ کا جوڑا امتزاج کرے تو مریم تو بھی آسان سمجھ رہی ہے اور نر مادہ کا جوڑا نہ ملے

تو مشکل سمجھ رہی ہے---- یہ آسان اور مشکل تیرے لیے ہے میرے لیے تو

دونوں آسان اور برابر ہیں۔

بات واضح ہوگئی کہ: بیٹا عطا کرنے والا جبریل امین نہیں،

بلکہ ربِ جلیل ہے۔

مریمؑ اُمید سے ہوگئیں

حضرت جبریلِ امین نے حضرت مریم علیہا السلام کو بیٹے کی بشارت سنا کر اور

ان کے تعجب کو دور کر کے ان کے گریبان میں پھونک دیا---- اور یوں اللہ کا

کلمہ اور حکم مریم تک پہنچ گیا۔

اسی حقیقت کو قرآن مجید نے بیان کرتے ہوئے کہیں حضرت عیسیٰ

علیہ السلام کو---- بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ---- یعنی اپنا حکم قرار دیا کہ وہ بغیر باپ کے

---- عام سلسلۂ پیدائش سے ہٹ کر محض اللہ کے حکم اور کلمۂ کُن سے پیدا ہوئے

اور کہیں ان کو رُوحٌ مِّنْهُ اللہ کی طرف سے رُوح کہا گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی

ولادت کا وقت قریب آیا تو حضرت مریم لوگوں سے دور مشرق کی جانب چلی گئیں

---- بیت المقدس سے آٹھ میل دور---- جس مقام کو آج بیت اللحم کہتے ہیں۔

سامعینِ گرامی! ایک لمحہ کے لیے تصور کیجیے---- ایک لڑکی ہے

---- جس کی شادی نہیں ہوئی---- ہے بھی پیغمبروں کے خاندان سے----

عفت مآب ----- عصمت و پاکیزگی کا مجسمہ ----- مگر اس نے تھوڑی دیر کے بعد بچہ اٹھا کر اپنے گھر جانا ہے ---- رشتے داروں اور پڑوسیوں کا سامنا کرنا ہے ---- سہیلیوں کے چبھتے ہوئے سوالوں کا جواب دینا ہے ---- جاننے والے ایک ایک شخص کو مطمئن کرنا ہے ---- آپ ایسی لڑکی کے دکھ اور غم اور پریشانی کا اندازہ کرسکتے ہیں؟۔

اسی لیے مریم کہتی ہے :

﴿ يٰلَيۡتَنِىۡ مِتُّ قَبۡلَ هٰذَا وَكُنۡتُ نَسۡيًا مَّنۡسِيًّا ﴾ (۱۹ : ۲۳)

مولا ! کاش میں اس وقت کے دیکھنے سے پہلے مر گئی ہوتی اور لوگ میری ذات کو بھول گئے ہوتے۔

مولا ! میں کس مصیبت اور پریشانی میں گھر گئی ہوں ----

اللہ ربُّ العزت نے اپنی بندی مریم کی پریشانی کو دور کرنے کے لیے ---- اور اسے تسلی دینے کے لیے فرمایا :

کہاں بیٹھی ہو ؟ ---- کہا : ایک کھجور کے درخت کے نیچے۔

فرمایا : کیا اس درخت پر کھجوریں ہیں ؟

عرض کیا : ---- مولا ! کھجوروں کا موسم ہی کوئی نہیں ---- سردی اور خزاں کا موسم ہے اور کھجور کا درخت سوکھا ہوا ہے۔

اِرشاد ہُوا :

کھجور کا تنا پکڑ کے اپنی طرف ہلا ----- ہلانا تیرا کام ہوگا اور تر و تازہ کھجوروں کا خشک درخت سے گرانا میرا کمال ہوگا۔

﴿ وَهُزِّىۡۤ اِلَيۡكِ بِجِذۡعِ النَّخۡلَةِ تُسٰقِطۡ عَلَيۡكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴾ (۱۹ : ۲۵)

(یہ حضرت مریم کی کرامت ہے جیسے بچپن میں ان کے ہاں بند کمرے میں بے موسم پھل آتے تھے، یہاں بھی اللہ نے انھیں بے موسمی کھجوریں عطا

فرما دیں ---- کرامت اولیاء کرام کی برحق ہے۔ مگر کرامت میں ہاتھ ولی کا ہوتا ہے اور مرضی اور اختیار اللہ ربّ العزت کا ہوتا ہے۔)

فرمایا: کھجوریں کھا۔

پیاس لگی ہے؟---- تو دیکھ ارد گرد کوئی کنواں ---- کوئی نہر---- کوئی ندی ---- کوئی نالہ ---- کوئی نلکا؟

عرض کیا: کچھ بھی نہیں ہے۔

فرمایا: ---- غمگین نہ ہو---- ذرا نیچے کی طرف دیکھ (مریم ذرا بلند جگہ پر تشریف فرما تھیں۔)

ہم نے ایک نہر جاری کردی ہے۔

﴿فَكُلِي﴾ ---- کھجوریں کھا ---- ﴿وَاشْرَبِي﴾ ---- اور پانی پی ---- اتنے میں عیسیٰ بھی پیدا ہو گئے ---- فرمایا: ﴿وَقَرِّي عَيْنًا﴾ بیٹے کو دیکھ دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کر۔

مریم نے حضرت عیسیٰ کو دیکھا---- اور کہا: مولا! بڑا پیارا بچہ ہے ---- میرے دل کا سرور ہے اور آنکھوں کا نور ہے ---- مگر مولا! قوم کو جا کر کیا جواب دوں گی ---- مولا! لوگ طرح طرح کی باتیں کریں گے ---- برادری کا ---- رشتے داروں کا ---- اپنی سہیلیوں کا سامنا کس طرح کروں گی؟۔

فرمایا: ---- بھولی مریم! تجھے ابھی تک میری قدرتوں کا یقین نہیں آیا ---- جو اللہ خشک درخت سے تازہ کھجوریں گرا سکتا ہے --- اور جو اللہ تیرے قدموں کے نیچے سے نہر جاری کر سکتا ہے ---- وہ قادر اور قدیر اللہ تیری لاج رکھنے پر بھی قادر ہے۔

تُو نے عیسیٰ کو گود میں اٹھا کر گھر جانا ہے ---- قوم کے لوگ اس عجیب معاملہ میں تجھ سے کچھ پوچھیں تو خود کوئی جواب نہیں دینا ---- بلکہ اشارے سے

اُن کو بتانا کہ آج مَیں روزے سے ہُوں ---- آج مَیں کسی سے بات نہیں کرسکتی ---- لہذا تُم نے جو کُچھ بھی پُوچھنا ہے اِس معصُوم بچے سے پُوچھ لو ---- بس اتنا کام تُم کر دینا ---- آگے مَیں جانوں اور میرا عیسٰیؑ۔

(پہلی شریعتوں میں چُپ کا روزہ رکھنا جائز تھا ---- ان کے ہاں روزہ نام تھا کھانے، پینے، قُوتِ شہوانی اور بولنے سے رک جانے کا نام ---- ہماری شریعت میں اللہ ربُّ العزت نے آسانی پیدا فرمادی اور خاموشی اور چُپ کرنا روزے کا حصہ نہ رہا ---- شریعتِ محمدیہ میں چُپ کا روزہ حرام ہے ---- اس شریعت نے کہا: ---- ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ (۳ : ۱۱۰) ---- تُم اِس لیے بہترین اُمت ہو کہ نیکی کا حکم دیتے ہو اور بُرائیوں سے روکتے ہو ---- شریعتِ محمدیہ نے کہا: بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَ لَوْ آیَۃً ---- تُم تک شریعت کا ایک حکم بھی پُہنچے تو اسے آگے پُہنچاؤ۔)

حضرت مریمؑ عیسیٰؑ کو لے کر آ گئیں

حضرت مریم اپنے نومولود کو اٹھا کر اپنے گھر آ گئیں

سب لوگ حیران اور شُشدر رہ گئے ---- محلے دار اور پڑوسی حیران ہوگئے ---- سہیلیوں نے تعجب سے انگلیاں دانتوں میں دبالیں ---- شہر میں ---- گلی گلی باتیں ہونے لگیں ---- جس کے مُنہ میں جو کُچھ آیا کہتا چلا گیا ---- اکٹھے ہوئے اور مریم سے کہنے لگے:

﴿لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا فَرِيًّا﴾ (۱۹ : ۲۷)

مریم تو نے غضب کردیا ---- مریم تم نے بہت سنگین کام کیا ---- مریم تم نے بہت ہی عجیب بات کر دکھائی ---- مریم تو نے طوفان کھڑا کردیا ---- تم کنواری ---- تُمھاری شادی نہیں ہوئی ---- یہ بچہ کہاں سے آگیا؟

﴿يٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ﴾ ---- اے ہارون کی بہن

﴿مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا﴾ (۱۹ : ۲۸) ---- تیرا باپ ایسا شخص نہیں تھا اور تیری ماں بھی غلط کار اور بدکار نہیں تھی۔

یٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ
ھارون کی بہن سے کیا مراد ہے؟

کچھ مفسرین نے کہا کہ حضرت مریم مشہور پیغمبر حضرت ہارون علیہ السلام (حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی) کی نسل اور ذریت سے تھیں ---- ان کی طرف نسبت کرکے اُخْتَ هٰرُوْنَ کہا گیا ---- مراد ہارون کی قوم ہے، جیسے وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ میں حضرت ہود علیہ السلام کو عاد کا بھائی کہا، حالانکہ عاد ان کی قوم کے مورثِ اعلیٰ کا نام ہے۔

اور کچھ مفسرین نے کہا کہ ہارون حضرت مریم علیہا السلام کے سگے بھائی تھے۔ جن کا نام حضرت ہارون علیہ السلام کے نام پر رکھا گیا تھا۔ جو بڑے صالح اور نیک تھے ---- قوم کے لوگوں نے حضرت مریم کو عار دلانے کے لیے کہا:

---- اے ہارون کی بہن ----

قوم کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ مریم تیرے ماں باپ اور خاندان کے لوگ ہمیشہ سے نیک سیرت اور صالح طبیعت رہے ہیں تجھ میں یہ بُری خصلت اور عادت کہاں سے اور کدھر سے آئی؟۔

بھلوں اور نیکوں کی اولاد کا بُرا اور بدکار ہونا عجیب سا لگتا ہے۔

مریمؑ کا اِشارہ

قوم کے لوگوں نے جب طعن و ملامت کی اِنتہاء کردی تو انھوں نے پنگھوڑے میں لیٹے ہُوئے بچے عیسیٰؑ کی طرف اِشارہ کردیا کہ تُمھاری تمام تر باتوں کا ---- تُمھاری بہتان طرازی کا اور الزام سازی کا جواب یہ بچہ دے گا۔ میں آج روزہ سے ہُوں ----

میں نے آج کلام نہیں کرنا۔

قوم کے لوگ مریم کی یہ عجیب بات سُن کر تعجب میں کہنے لگے ---- ایسی شرمناک حرکت پر یہ ستم ظریفی ---- کہ ایک دِن کے بچے سے بات کرو ---- پنگھوڑے میں لیٹا ہُوا بچہ کیسے بولے گا ----

جب نوبت یہاں تک پہنچی ---- الزامات و بہتان کے چھینٹے زیادہ اُڑنے لگے تو اللہ نے فرمایا: ---- اُٹھ میرے عیسیٰ ---- ماں کی پاکدامنی کا اِعلان بھی کر اور میری توحید بھی بیان کر۔

حضرت عیسیٰؑ بولے

قوم کے لوگ حضرت مریم سے جھگڑ رہے تھے ---- طعن و ملامت کر رہے تھے ---- طرح طرح کی باتیں بنا رہے تھے کہ اچانک حضرت عیسیٰ بولے اور کہا:

﴿اِنِّي عَبۡدُ اللّٰهِ﴾ (۱۹: ۳۰) ---- "مَیں اللہ کا بندہ ہُوں"۔

سب سے پہلا جُملہ اور سب سے پہلا کلمہ جو حضرت عیسیٰ کی زبانِ مقدس سے نِکلا اس نے نصاری کے شرکیہ عقائد و نظریات کی عمارت کو مُنہدم کر کے رکھ دیا ---- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تقریر میں عیسائیوں کا رد ہے، جنھوں نے ان کی شان میں غلو سے کام لیا۔

فرمایا ---- نہ میں اللہ ہُوں ---- نہ اِلٰہ ہُوں ---- نہ مَیں ابن اللہ ہُوں اور نہ نُورٌ من نُورِ اللہ ہُوں ---- بلکہ ﴿اِنِّي عَبۡدُ اللّٰهِ﴾ ---- مَیں اللہ کا بندہ ہُوں۔

لوگو! میری عجیب طرح سے پیدائش کہیں تمھیں دھوکے میں مُبتلا نہ کردے ---- بغیر باپ کے میری پیدائش تُمھارے دماغ نہ خراب کردے کہ تم مجھے ابن اللہ، اللہ کا بیٹا قرار دینے لگو ---- مَیں نہ اللہ ہُوں، نہ ابن اللہ، بلکہ ﴿اِنِّي عَبۡدُ اللّٰهِ﴾

﴿اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا﴾ (۱۹ : ۳۰)

اٰتَانِیْ ---- جَعَلَنِیْ ---- ماضی کا صیغہ تحقق کے لیے ---- معنی مضارع کا کریں گے ---- جس چیز کا ملنا یقینی ہو اُسے ماضی کے صیغے سے تعبیر کردیتے ہیں۔ قرآن میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں ---- اللہ مجھے کتاب عطا کرے گا اور اللہ مجھے نبی بنائے گا۔

مریم کی پاکدامنی کا اعلان کیسے؟

سامعین گرامی قدر! اللہ ربّ العزت نے حضرت عیسیٰؑ کو بچپن میں بلوایا تو تھا، اپنی والدۂ محترمہ حضرت مریمؑ کی عِصمت و پاکدامنی کی گواہی دینے اور اعلان کرنے کے لیے ---- اور ان چھینٹوں کو دھونے کے لیے جو لوگ ان کے سفید اور پاکیزہ دامن پر اڑا رہے تھے۔

مگر بجائے اس کے حضرت عیسیٰؑ نے یہ اعلان کرنا شروع کردیا ---- اللہ مجھے نبی بنائے گا اور اللہ مجھے کتاب سے نوازے گا ---- اس اعلان سے مریم کی عِصمت وعفّت و پاکدامنی کا کیا تعلّق ہے؟۔

مَیں کہتا ہوں بڑا گہرا تعلّق ہے ---- ذرا غور سے سنیے ---- حضرت عیسیٰؑ نے کہا: اللہ نے مجھ کو نبوت و رسالت کی دولت سے مالا مال کرنا ہے اور اللہ ربّ العزت نے مجھے آسمانی کتاب عطا کرنے کی نعمت سے نوازنا ہے۔

اور اللہ کے نبی کا نسب اور حسب سب سے اعلیٰ اور افضل ہوتا ہے ---- میری ماں کے کردار پر شک نہ کرو ---- اگر میری ماں کا کردار مشکوک ہوتا اور میری پیدائش غلط ہوتی تو پھر میرے سر پر نبوت کا تاج سجانے کا اور کتاب عطا کرنے کا وعدہ کیوں کیا جاتا؟۔

﴿وَّ جَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ﴾ (۱۹ : ۳۱)

اور جس جگہ بھی میں رہوں اللہ نے مجھے مُبارک بنایا ہے۔

یعنی مجھے دین کی دعوت دینے والا ـــــ دین کی تعلیم عام کرنے والا بنایا ہے ـــــ میرے وجود میں دین کے منافع رکھے ہیں۔

مجھے لوگوں کے حق میں مُبارک بنایا ـــــ اس لیے کہ میری دعا کی وجہ سے اور میرے مُعجزے کی وجہ سے مادر زاد نابینے بینا ہو جائیں گے ـــــ کوڑھ کے مریض تندرست ہو جائیں گے ـــــ اللہ کے اذن اور حکم سے مردے زندہ ہو جائیں گے۔

﴿وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ مَا دُمْتُ حَیًّا﴾ (۱۹ : ۳۱)

اللہ ربّ العزت نے مجھے نماز پڑھنے کا اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم بھی دینا ہے میں نے یہ دونوں عمل (نماز اور زکوٰۃ) کرنے ہیں، جب تک میں زندہ رہوں۔

مرزائیوں کا اعتراض

مرزائی اعتراض کرتے ہیں کہ نماز اور زکوٰۃ کا حکم حضرت عیسٰیؑ کو ملا ﴿مَا دُمْتُ حَیًّا﴾ ـــــ زندگی تک ـــــ اگر حضرت عیسٰیؑ اب آسمانوں پر زندہ ہیں (جس طرح اُمتِ مسلمہ کا عقیدہ ہے) تو وہاں نماز کس طرح پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ کی ادائیگی کیسے کرتے ہیں؟

جواب: مرزائیوں کے اس لچر اور بودے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ:

مَا دُمْتُ حَیًّا ـــــ زندگی سے مُراد یہاں مُطلق زندگی نہیں ہے بلکہ مُراد اس زندگی سے مُتعارف زندگی ہے ـــــ یعنی وہ زندگی جو زمین پر بسر کی جائے۔ (علامہ آلوسیؒ نے اپنی تفسیر رُوح المعانی میں اسے بیان فرمایا ہے۔)

دوسرا جواب یہ ہے کہ نماز تو آسمان پر بھی ادا کی جاسکتی ہے یہ کوئی محال بات نہیں ہے ـــــ باقی رہا زکوٰۃ کا سوال ـــــ تو زکوٰۃ تب فرض ہوتی ہے جب آدمی کے پاس دولت ـــــ سونا چاندی ہو ـــــ اب آسمانوں پر ان کے پاس دولت کہاں؟ جب دولت ہی نہیں تو زکوٰۃ فرض ہی نہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تقریر کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَبَرًّا بِوَالِدَتِي وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا ﴾ (۱۹: ۳۲)

اور اللہ نے مجھے اپنی والدہ سے نیک سلوک کرنے والا بنایا اور اس نے مجھے متکبر، سخت طبیعت والا، اور بدبخت نہیں بنایا۔

یہاں حضرت عیسیٰ نے بَرًّا بِوَالِدَتِي کہہ کر اس حقیقت کو واضح فرمایا کہ وہ بن باپ کے پیدا ہوئے ہیں ---- اگر ان کے والد بھی ہوتے تو وہ حضرت یحییٰ کی طرح وَ بَرًّا بِوَالِدَيْهِ (نیکی کرنے والا ماں باپ سے) کہتے مگر انھوں نے صرف والدہ کا ذکر فرمایا۔ اس لیے کہ ان کا والد کوئی نہیں تھا۔

﴿ وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا ﴾ (۱۹: ۳۳)

اور مجھ پر سلام ہو جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میری وفات ہوگی اور جس دن میں (دوبارہ) زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پنگھوڑے میں اور والدہ کی گود میں یہ تقریر ہے قرآن مجید نے ذکر فرمایا ---- ابھی تقریر جاری ہے کہ درمیان میں اللہ رب العزت نے فرمایا:

﴿ ذَٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ ﴾ (۱۹: ۳۴)

یہ ہیں مریم کے بیٹے عیسیٰ۔

﴿ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ ﴾ (۱۹: ۳۴)

یہی حق اور سچی بات ہے جس میں لوگ جھگڑ رہے ہیں۔

اللہ رب العزت کہنا چاہتا ہے:

کہ عیسیٰ مریم کا بیٹا ہے ابن اللہ نہیں ہے۔

دوسرا معنی اس طرح ہو سکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات و واقعات یہ ہیں کہ وہ خود محتاج ہیں ---- اپنی تخلیق میں میرے محتاج ہیں

وہ مختارِ کُل اور اِلٰہ نہیں ہوسکتے۔

آج مختلف لوگ حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں اختلاف کررہے ہیں ---
عیسائیوں نے انھیں اِلٰہ اور معبود بنالیا --- ابن اللہ اور نُورٌ من نُورِ اللہ سمجھ لیا۔

یہودیوں نے حضرت عیسیٰؑ کو معاذاللہ ولدالحرام سمجھ لیا --- کذاب اور مفتری کہا۔

مگر حق بات اور سچی بات وہی ہے جو بیان کردی گئی ہے کہ عیسیٰ اِلٰہ اور معبود بھی نہیں --- مختارِ کُل اور متصرف فی الامور بھی نہیں۔

بلکہ وہ عبداللہ ہیں --- اپنی تخلیق میں بھی اللہ کے محتاج ہیں۔

اسی طرح العیاذباللہ --- معاذاللہ حضرت عیسیٰؑ مفتری اور کذاب یا ولدالحرام نہیں بلکہ اللہ کے سچے رسُول --- صاحبِ کتاب پیغمبر --- مبارک ہستی --- مقدس حسب و نسب والا --- اور اللہ نے اسے اپنا کلمہ کہا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے ماں کی گود میں جو تقریر فرمائی اسے ان الفاظ پر ختم فرمایا:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ﴾

بے شک اللہ ہے میرا اور تُمھارا پروردگار۔ پس اسی کی عبادت کرو۔ یہی صراطِ مُستقیم (سیدھا راستہ) ہے۔ (۱۹ : ۳۶)

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی زبانِ مقدس سے بچپن میں اللہ رب العزت نے اپنی معبُودیت کے لیے کتنے خُوبصُورت جُملے نکلوائے --- موتی پرودیے --- پہلے اللہ کی عمُومی ربوبیت کا ذکر فرمایا --- کہ میرا اور تُمھارا --- ہم سب کا رب --- پالنے والا --- ضروریاتِ زندگی فراہم کرنے والا --- پروان چڑھانے والا --- ہر قسم کی نعمتیں عطا کرنے والا --- جب اللہ ہی ہے تو اسی کی عبادت کرنی چاہیے --- حاجت روا --- غائبانہ پکاریں سُننے والا چونکہ

اللہ ہی ہے اس لیے عبادت کے لائق بھی صرف اور صرف وہی ہے۔
حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنے والد کو غیر اللہ کی عبادت و پکار سے منع فرمایا تو یہی دلیل دی تھی کہ وہ تیری پکار سُن نہیں سکتے ـــــ تیری حالت کو دیکھ نہیں سکتے اور تیرے نفع و نقصان کے بارے میں کام نہیں آسکتے۔
﴿ يَآَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَالَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِىْ عَنْكَ شَيْـًٔا ﴾
بابا تم ان کی عبادت کیوں کر رہے ہو جو نہ سُنتا ہے نہ دیکھتا ہے نہ آپ کے کچھ کام آسکتا ہے۔ (۱۹ : ۴۲)

حضرت عیسیٰؑ منصبِ نبوت پر

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے قبل بنی اسرائیل میں کثیر تعداد میں انبیاء کرام مبعوث ہوئے اور توحید کا پیغام سنایا، جسے بنی اسرائیل کے اکثر لوگ اپنے لیے مشکل سمجھتے تھے تو انھوں نے کچھ انبیاء کی تکذیب کی ــــ اور کچھ انبیاء کو شہید کر دیا ـــــ کسی نبی کو جادوگر کہا۔
حضرت عیسیٰ علیہ السلام جن لوگوں میں مبعوث ہوئے ان میں ہر قسم کی برائیاں موجود تھیں ـــــ عقائد و اعمال میں فساد تھا۔
بنی اسرائیل نے اللہ کے احکامات کے خلاف بغاوت و سرکشی کی انتہا کردی ـــ بنی اسرائیل کے علماء اور گدی نشینوں نے دنیا اور دولت کے لالچ میں اور سرداری کے حرص میں اللہ کی کتاب تورات میں تحریف کر ڈالی اور درہم و دینار کے بدلے ـــ دنیوی عزتوں کے بدلے اللہ رب العزت کی آیات تک کو فروخت کر ڈالا ـــــ عوام الناس سے نذرانے اور تحفے تحائف حاصل کرنے کے لیے حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنانے سے باز نہیں آتے تھے ـــ گویا کہ اہلِ علم طبقہ نے جھوٹی شہرت کے حصول کے لیے اور دولتِ دنیا کے لیے اللہ کے قوانین تک کو مسخ کر دیا تھا۔

ان حالات میں اللہ کی رحمت متوجہ ہوئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سر پر نبوت و رسالت کا تاج سجایا گیا---- حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے منصب کا حق ادا کر دیا---- انھوں نے قوم کے لوگوں کے سامنے---- علماء کی مجلسوں میں---- گدی نشینوں کی خلوت گاہوں میں---- امراء کے درباروں میں اور عوام و خواص کی محفلوں میں---- دن رات ایک کر کے اللہ ربّ العزت کا پیغام سنایا۔

قرآن مجید نے ایک جگہ پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیغام کا اس طرح ذکر فرمایا:

﴿ وَلَمَّا جَآءَ عِيسَىٰ بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِأُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي تَخْتَلِفُونَ فِيهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُونِ ○ إِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۚ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ○ ﴾ (سورۃ زخرف ۴۳ : ۶۳-۶۴)

اور جب عیسیٰ واضح اور ظاہر دلائل لے کر آئے اور انھوں نے کہا: میں تمھارے پاس حکمت (دانائی اور حکمت کی پختہ اور مضبوط باتیں) لے کر آیا ہوں اور اس لیے آیا ہوں کہ کچھ ایسی باتوں کو بیان کروں جن میں تم اختلاف کر رہے ہو۔ پس اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔ بے شک اللہ جو میرا اور تمھارا رب ہے، اُسی کی عبادت کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ کی اور اپنی اطاعت کی دعوت دی---- اور سب سے پہلے توحید کا پیغام پہنچایا---- انھیں اللہ کی ربوبیت کی دلیل دے کر اللہ ہی کی عبادت و پکار کی دعوت دی۔

قرآن نے ایک اور جگہ پر ان کے پیغام کو اس طرح ذکر فرمایا۔

﴿ وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُٓ أَحْمَدُ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴾ (سورۃ الصف ۶۱ : ۶)

وہ وقت یاد کرو جب حضرت عیسیٰ نے کہا اے بنی اسرائیل بے شک میں تمھاری طرف اللہ کا پیغمبر بن کر آیا ہوں۔ میں تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں جو میرے سامنے ہے اور میں بشارت و خوشخبری دینے والا ہوں ایک رسُول کی جو میرے بعد آئے گا، جس کا نام احمد ہوگا۔

ایک لطیفہ

مرزا قادیانی کذاب و دجال نے انتہائی بے شرمی اور ڈھٹائی سے یہ دعویٰ کیا کہ: "حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آنے والے جس رسُول (احمد) کی خوشخبری دی ہے، اس سے مُراد میں ہوں" ----- کسی نے کہا: "حضرت عیسیٰ نے آنے والے رسُول کا نام "احمد" بتلایا ہے اور تیرا نام "غلام احمد" ہے ---- مرزا قادیانی نے جواب میں کہا: اصل میں تو میں "احمد" ہی ہوں "غلام" تو ساتھ ایسے ہی لگ گیا ہے ---- کسی نے مرزا کی یہ بات امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کو بتائی تو انھوں نے فرمایا:

مرزا جھوٹ بولتا ہے۔ میں نے مرزا کو نبی نہیں بنایا

لوگوں نے کہا: ---- شاہ جی! نبوت عطا کرنا آپ کا منصب تو نہیں ہے یہ تو اللہ ربّ العزت کے اختیار میں ہے۔

شاہ جی نے فرمایا--- تُمھاری بات درست ہے ---- میں اللہ ہوں نا؟

لوگ حیران ہُوئے اور کہنے لگے:

شاہ جی! آپ اللہ نہیں "عطاءُ اللہ" ہیں۔

امیرِ شریعتؒ نے کہا:

اصل میں تو میں اللہ ہوں، "عطاء" تو ساتھ ویسے ہی لگ گیا ہے۔

امیرِ شریعتؒ نے مرزا کے اس بکواس کا اِلزامی جواب عوامی انداز میں کتنے خُوبصُورت طریقے سے دیا۔

میں کئی مرتبہ آپ کے سامنے بیان کر چکا ہوں کہ اللہ ربّ العزت اپنے سچے انبیاء کو دلائل و براہین کے ہتھیاروں سے مسلح فرماتے ہیں ---- کچھ انبیاء کرام کو ہدایت و نور سے بھرپور کتابوں سے اور مبارک صحیفوں سے بھی نوازتے ہیں ---- چنانچہ اللہ کے دین کے یہ سچے داعی ہر قسم کے دلائل ---- مضبوط براہین کے ساتھ اپنے دعوے کو اور اپنے پیغام کو لوگوں کے سامنے رکھتے ہیں۔

پھر اللہ ربّ العزت کا یہ دستور رہا ہے کہ انبیاء کرام کی صداقت و حقانیت کو واضح کرنے کے لیے ان کے ہاتھ پر کچھ ایسے امور اور کچھ ایسے کام لوگوں کے سامنے آتے ہیں کہ جن امور اور جن کاموں سے باقی کے سب لوگ عاجز آجاتے ہیں ---- ان کاموں کو معجزہ کہتے ہیں۔

اللہ ربّ العزت وقت کے رواج کے مطابق معجزہ وقت کے پیغمبر کو عطا فرماتے ہیں ---- حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادو کا بڑا چرچا اور بہت رواج تھا ---- اللہ نے انھیں معجزہ بھی اس رواج کے مطابق دے دیا ---- لاٹھی کا سانپ بن جانا اور بغل سے ہاتھ کا چمک دار ہو کر نکلنا ---- امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں عرب کے اندر فصاحت و بلاغت کا بہت چرچا اور رواج تھا ---- عرب کے لوگوں کو اپنے تکلم، اپنی فصاحت و بلاغت، اپنی شاعری اور خطابت پر ناز تھا ---- چنانچہ اللہ ربّ العزت نے آپ کو معجزہ بھی اسی کے مطابق قرآن کی صورت میں عطا فرمایا۔

اسی دستور کے تحت ---- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں چونکہ علم طب، اور حکمت کا بہت چرچا اور زور تھا ---- بڑے بڑے ماہر طبیب اور حاذق حکیم موجود تھے۔ چنانچہ اللہ ربّ العزت نے انھیں دلیل و حجت کے طور پر انجیل جیسی کتاب سے نوازا تو ساتھ ہی اُن کی حقانیت و صداقت کے لیے ایسے

معجزات سے مالا مال فرمایا کہ بڑے بڑے طبیب دیکھتے رہ گئے۔

چار معجزے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر سرزد ہونے والے چار معجزات کا تذکرہ قرآن مجید نے بڑے عجیب اور احسن انداز میں فرمایا ہے۔

﴿ اَنِّیْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْـَٔةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَكُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ (سورۃ آلِ عمران ۳ : ۴۹)

میں مٹی سے پرندے کی شکل بناتا ہوں، پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے سچ مچ کا پرندہ بن جاتا ہے۔

(یاد رکھیے محض شکل و صورت بنانے کو خلق سے تعبیر کرنا (جس طرح اس آیت میں عیسیٰ نے کہا اَنِّیْٓ اَخْلُقُ میں بناتا ہوں) صرف ظاہری حیثیت سے ہے جیسے حدیث میں تصویر بنانے کو خلق سے تعبیر کیا گیا کہ مصور سے کہا جائے گا اَحْیُوْا مَا خَلَقْتُمْ ---- اپنے بنائے ہوئے میں روح پھونکو ---- اسی طرح قرآن میں ہے اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ ---- محض ظاہری صورت کے لحاظ سے غیر اللہ پر بھی یہ لفظ بولا جاسکتا ہے۔ اگرچہ حقیقۃً اللہ کے سوا کوئی خالق نہیں کہلا سکتا۔)

﴿ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ (۳ : ۴۹)

میں مادرزاد نابینے کو بینا کردیتا ہوں اللہ کے حکم سے اور میں کوڑھ کے مریض کو تندرست کردیتا ہوں اللہ کے حکم سے اور میں مردوں کو زندہ کردیتا ہوں اللہ کے حکم سے۔

اور چوتھا معجزہ ان کا یہ ہے :

﴿ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِیْ بُیُوْتِكُمْ ﴾ (۳ : ۴۹)

میں تم کو بتادیتا ہوں جو تم کھا کر آتے ہو اور جو تم گھر میں رکھ کر آتے ہو۔

(سامعینِ گرامی قدر! یہاں ایک لمحہ کے لیے ٹھہریئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دستِ مبارک پر رونماز ہونے والے ان معجزات پر غور کیجیے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بِاِذْنِ اللّٰہِ ---- بِاِذْنِ اللّٰہِ کہہ کر یہ حقیقت واضح کر رہے ہیں کہ ان میں میرا کوئی ذاتی کمال نہیں ہے، اور نہ میرا اختیار ہے بلکہ ہاتھ میرا ہے اور اختیار، مرضی اور حکم میرے اللہ کا ہے۔

اور آخری اور چوتھا معجزہ ---- یہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ ربّ العزت کے بتانے سے اور اطلاع دینے سے کھانے اور ذخیرہ کرنے کی خبر دیا کرتے تھے ---- اگر کوئی جاہل شخص اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا عالم الغیب ہونا ثابت کرتا ہے تو وہ یتیم العقل علم غیب اور اطلاع علی الغیب میں واضح فرق کو سمجھنے کی کوشش کرے ---- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خبر دینا کہ کیا کھاکے آئے ہو؟ اور گھر کیا رکھ کے آئے ہو؟

یہ اطلاع علی الغیب ہے ---- اللہ اپنے نبیوں کو غیب کی کئی خبروں پر اطلاع دیتا ہے ---- اسے علم غیب نہیں کہتے جو خاصہ اور وصف اور صفت ہے صرف اور صرف اللہ ربّ العزت کی۔)

حواریوں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام انجیل جیسی کتاب کے برہان کے ساتھ ---- اور عظیم الشان معجزات کے ساتھ بنی اسرائیل کو اللہ کا پیغام سنانے لگے ---- اللہ کی الوہیت و معبودیت کی دعوت دینے لگے ---- اعمال بد اور اللہ کی نافرمانیوں سے اجتناب کی تلقین کرنے لگے ---- مگر بدبخت یہودیوں نے ان کے پیغام ---- ان کی دعوت اور ان کی تعلیم کی طرف ذرا بھی توجہ نہ دی ---- یہود کے سرداروں اور وڈیروں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مخالفت میں کمر کس لی ---- اور ان کے خلاف مکر و سازشوں کا جال بننے لگے۔

قرآن مجید نے اس طرف اشارہ فرمایا:

﴿ وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ ۖ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ ﴾ (آلِ عمران ۳ : ۵۴)

اور انھوں نے خُفیہ تدبیر کی اور اللہ نے بھی ایک تدبیر کی اور اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔

یہود نے مکر و فریب --- جھوٹ اور دھاندلی کے ساتھ ایک سازش تیار کی ---- اور وقت کے بادشاہ سے کہا --- عیسیٰ بد مذہب اور ملحد آدمی ہے --- تورات کو بدلنا چاہتا ہے --- اس نے ہمارے نوجوانوں کو اپنے پیچھے لگالیا ہے۔

یہود نے اپنی مذہبی عدالت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا فیصلہ حاصل کرلیا----

یہ خُفیہ سازش اور جھوٹ پر مبنی کارروائی وہ کر رہے تھے اور ایک تدبیر عرش پر اللہ ربُّ العزت نے کی کہ میں اپنے عیسیٰ کا ایک بال بھی بیکا نہیں ہونے دوں گا۔

خُفیہ تدبیریں دونوں جانب سے ہو رہی تھیں ---- ایک جانب برے اور ظالم بندوں کی گندی اور بری تدبیریں ---- اور دوسری طرف عرش والے کی بہترین تدبیریں۔

ایک طرف دھوکے، مکر و فریب اور جھوٹ پر مبنی انتہائی کمزور اور بودی تدبیریں تھیں ---- اور دوسری جانب اللہ ربُّ العزت کی کامل تدبیر تھی جس میں کمزوری اور خامی کا امکان تک نہیں تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف قتل کا فیصلہ ہوا ---- گرفتاری کے لیے کوششیں شروع ہوئیں ---- تو اس نازک موقع پر انھوں نے ایک مکان میں اپنے حواریوں کو جمع کیا۔

(کچھ مُفسّرین نے کہا کہ حواری چند غریب اور نادار لوگ تھے جو کپڑے دھونے کا کام کرتے تھے ---- حضرت عیسیٰ نے انھیں اللہ کا پیغام سنا کر فرمایا:

تم میلے کپڑے صاف کرتے ہو، میں تمھیں ایسی دعوت دے رہا ہوں جس سے تمھارے میلے دل صاف اور چمکیلے ہو جائیں گے۔

سنۃ اللہ بھی یہی ہے کہ وقت کے پیغمبر پر ابتداء میں صرف غریب اور نادار لوگ ہی ایمان لاتے ہیں۔

اور کچھ مفسرین کا خیال یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے علاقے کے سردار تھے ---- کھاتے پیتے گھرانوں سے تعلق تھا اور حضرت عیسیٰ پر اخلاص سے ایمان لائے تھے ---- تفسیر جواہر القرآن میں دوسرے قول کو پسند کیا گیا ہے۔)

حضرت عیسیٰ نے اپنے حواریوں کے سامنے صورتِ حال پیش فرمائی ---- اور فرمایا: آزمائش کی اِس نازک گھڑی میں ---- اس شدید ترین اِمتحان میں ---- جب کہ حق کو مٹانے کی اور مجھے قتل کرنے کی سازشیں پُورے عروج پر ہیں ---- اس نازک وقت میں میرے ساتھ دینِ حق پر اِستقامت ---- دین کی اِشاعت، اور اللہ کے دِین کی مدد و نصرت کے لیے سچا مددگار اور سر دھڑ کی بازی لگانے والا کون کون ہے؟

﴿قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنصَارُ اللَّهِ﴾ (۳ : ۵۲)

حواریوں نے کہا ہم سب اللہ کے دین کے مددگار ہیں۔

ہم صدقِ دل سے اپنے اللہ کے احکامات پر ایمان لائے ہیں تو اس کے دین پر اپنا سب کچھ قربان کرنے کا عزم کرتے ہیں۔

اللہ نے عیسیٰ کو بچالیا

آخر وہ وقت آن پُہنچا جب وقت کی حکومت کے تعاون سے مخالفین نے اس کمرے کا محاصرہ کر لیا جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام موجود تھے ---- باہر جلاد قاتل ---- اور ظالم دشمن اور کمرے کے اندر بند نہتے عیسیٰ۔

اس وقت اللہ ربُ العزت نے وحی کے ذریعے حضرت عیسیٰ کو خوشخبری سنائی:

﴿يَا عِيسَىٰ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾

اے عیسیٰ میں تجھ کو پورا پورا لینے والا ہوں یعنی اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور تجھے کافروں (بنی اسرائیل) سے پاک کرنے والا ہوں۔ (۳ : ۵۵)

سامعینِ گرامی قدر! خوب یاد رکھیے توفّی کا معنی ہے کسی چیز کو پورا پورا لینا۔

علامہ رازیؒ تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۶۸۹ میں فرماتے ہیں:

اَلتَّوَفِّیْ اَخْذُ الشَّیْءِ وَافِیًا ـــــ چیز کو پورا پورا لینا۔

اس کو "توفّی" کہتے ہیں۔

اس آیت میں رَافِعُكَ ـــــ مُتَوَفِّيْكَ کی تفسیر، بیان اور وضاحت ہے ـــــ معنی اس طرح کریں گے ـــــ اے عیسیٰ میں تجھے پورا پورا لینے والا ہوں۔ یعنی تجھے اپنی طرف روح مع الجسد اٹھانے والا ہوں۔

(روح المعانی جلد ۲ صفحہ ۱۷۹)

بچانے کی تدبیر کیا ہوئی

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ ربّ العزت نے وحی کے ذریعے خوشخبری سنائی تھی کہ تیرے مخالف تجھے ہاتھ بھی نہیں لگا سکیں گے اور ہم آپ کو مخالفین کے نرغے سے بچا کر آسمانوں کی طرف اٹھالیں گے۔

تیرے مخالفین تجھے سولی پر چڑھانا چاہتے ہیں ـــــ اللہ تجھے آسمان پر چڑھانا چاہتا ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ نے اپنا یہ وعدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کس طرح پورا فرمایا ـــــ کیونکہ یہود و نصاریٰ کا خیال ہے کہ مسیح کو سولی دی گئی ـــــ یا اُسے قتل کیا گیا۔ قرآن مجید نے تردید کی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل ہونے یا سولی پر چڑھائے جانے کی باتیں جھوٹ اور سراسر غلط ہیں۔

وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ (۴ : ۱۵۷)

انھوں نے نہ حضرت عیسیٰ کو قتل کیا اور نہ انھیں سولی پر چڑھایا۔

﴿وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ﴾ (۴ : ۱۵۷)

لیکن اصل معاملہ ان پر مشتبہ ہو گیا۔

مفسرین نے اس کے دو مفہوم بیان فرمائے ہیں۔

کچھ مفسرین کا خیال ہے کہ جس کمرے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بند تھے --- سولی پر چڑھانے کا وقت آیا تو اللہ رب العزت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمانوں پر اٹھالیا۔ (بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ بلکہ اللہ نے انھیں اپنی طرف اٹھالیا) اور جو شخص کمرے میں انھیں لینے کے لیے گیا اس کی شکل و صورت حضرت عیسیٰ والی بنا دی گئی اور مخالفین نے اسے عیسیٰ سمجھ کر سولی پر چڑھا دیا۔

اور کچھ مفسرین کا خیال یہ ہے کہ جب مخالفین نے دیکھا کہ حضرت عیسیٰ کمرے میں موجود نہیں اور ہاتھ سے نکل گئے ہیں تو اپنی خفت مٹانے کے لیے انھوں نے ظلماً کسی شخص کو سولی پر چڑھا دیا ---- کسی کو دیکھنے نہ دیا۔ پھر دفن کر دیا اور مشہور کر دیا کہ انھوں نے حضرت عیسیٰ کو سولی دے دی ہے ---- اس سے لوگ شبہ میں پڑ گئے کہ شاید ایسے ہی ہوا ہو۔ اس دوسرے قول کو رئیس المفسرین مولانا حسین علی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا ہے۔

حیاتِ عیسیٰ

سورۃ آلِ عمران ---- سورۃ النساء کی ان آیتوں سے ثابت ہوا کہ یہودی اپنے مکر و فریب کے ذریعے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنا چاہتے تھے مگر اللہ رب العزت نے ان کی تدبیروں اور سازشوں کو ناکام بنا دیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مخالفین سے محفوظ فرما کر اپنی طرف روح مع الجسد اٹھالیا۔

قرآن مجید کے ان دلائل کے علاوہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی ارشادات بھی اس حقیقت پر شاہد ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ابھی موت

نہیں آئی ---- انھیں زندہ آسمانوں پر اٹھالیا گیا ہے اور قربِ قیامت میں وہ دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے۔

حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَیُوْشِکَنَّ اَنْ یَّنْزِلَ فِیْکُمْ اِبْنُ مَرْیَمَ حَکَمًا عَدْلًا فَیَکْسِرُ الصَّلِیْبَ وَیَقْتُلُ الْخِنْزِیْرَ وَیَضَعُ الْجِزْیَۃَ۔ (بخاری جلد ا صفحہ ۲۹۶)

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے ضرور وہ وقت آنے والا ہے کہ تم میں عیسیٰ بیٹے مریم کے حاکم و عادل بن کر اتریں گے۔ وہ صلیب کو توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ اٹھا دیں گے۔

بخاری و مسلم کی ایک اور حدیث بھی سُن لیجیے:

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْیَمَ فِیْکُمْ وَاِمَامُکُمْ مِنْکُمْ۔

اس وقت تمھارا کیا حال ہوگا جب تم میں مریم کے بیٹے عیسیٰ اتریں گے اور ایک شخص تمھاری امامت کر رہا ہوگا۔ (بخاری کتاب الانبیاء)

مُسلم میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشادِ گرامی ہے ذرا اسے بھی سُن لیں۔

اِذَا بَعَثَ اللّٰهُ الْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ فَیَنْزِلُ عِنْدَ الْمَنَارَۃِ الْبَیْضَآءِ۔

(ابھی دجال مُسلمانوں پر اپنے شیطانی کرشموں سے اثر انداز ہو رہا ہوگا) کہ اللہ ربّ العزت مسیح ابن مریم کو بھیج دے گا، وہ دمشق کی مسجد کے مشرقی جانب سفید منارے پر اتریں گے۔ اس وقت ان کے وجود پر گہرے زرد رنگ کی دو چادریں ہوں گی۔ (یعنی ایک چادر باندھ رکھی ہوگی اور دُوسری اوڑھ رکھی ہوگی) وہ فرشتوں کے بازوؤں پر سہارا لیے ہُوئے ہوں گے۔ جب سر

جھکائیں گے تو سر سے پانی ٹپکنے لگے گا اور جب سر اٹھائیں گے تو پانی کے قطرے موتیوں کی طرح ٹپکیں گے۔

امام مسلم اپنی صحیح میں امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ایک اور ارشاد نقل فرماتے ہیں جس میں آپؐ نے قیامت کی کچھ علامتیں اور نشانیاں بیان فرمائی ہیں۔

آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا ---- دخان (دھواں) ---- دابۃ الارض ---- یاجوج ماجوج کا خروج ---- عیسیٰ ابن مریم کا نزول ---- دجال کا آنا ---- تین جگہوں پر خسوف کا پیش آنا ---- آگ کا نکلنا۔

ان علامتوں اور نشانیوں میں ایک علامت اور نشانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول بھی ہے۔

مشہور مفسر ابن جریر طبریؒ نے حضرت حسن بصریؒ کی سند سے ایک روایت نقل کی ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ عِيْسٰى لَمْ يَمُتْ وَاِنَّهٗ رَاجِعٌ اِلَيْكُمْ قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔

نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا بے شک عیسیٰ پر موت نہیں آئی، وہ بلا شک قیامت سے پہلے تمہاری طرف لوٹ کر آئیں گے۔

تفسیر ابن کثیر جلد۱ صفحہ ۵۸۳ میں حافظ ابنِ کثیر رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی نے کہا ہے کہ حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے احادیث تواتر کے درجے کو پہنچی ہوئی ہیں۔

نزولِ عیسیٰؑ کی حکمت

قرآن مجید میں ایک آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴾ (۳ : ۸۱)

اور وہ وقت یاد کرو جب اللہ نے تمام انبیاء سے وعدہ لیا کہ جب تمھیں نبوت اور کتاب عطا ہو، پھر ایسا ہو کہ تُمھاری موجودگی میں ایک رسُول (سیدنا محمد رسُول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) آئے، جو تُمھارے پاس موجود کتابوں کی تصدیق کرتا ہو، تو تُم لازماً اُس رسُول پر ایمان لانا، اور ضرور اُس کی مدد کرنا۔ اللہ نے کہا کہ: تُم نے اِقرار کیا؟۔ انبیاء نے کہا: ہاں ہم نے اِقرار کیا۔ اللہ نے کہا: تُم اپنے اِس عہد پر گواہ رہو۔ اور مَیں بھی تُمھارے ساتھ گواہ ہُوں۔

سامعینِ گرامی قدر! ہر پیغمبر نے اپنے اپنے دور میں اللہ کا پیغام سناتے ہوئے اپنی اپنی امت کو اس وعدے کا پابند بنایا اور ہر امت اپنے نبی سے وعدہ کرتی رہی اگر ہم نے اس نبی کا زمانہ پایا تو ان پر ایمان بھی لائیں گے اور دین کے راستے میں ان کا تعاون بھی کریں گے۔

اللہ کا لیا ہوا یہ میثاق اور یہ وعدہ اس طرح پورا ہوتا رہا۔۔۔۔ مگر عالم ازل میں یہ عہد و پیمان خاص انبیاء کرام سے لیا گیا تھا اور وہی اس کے مخاطب تھے۔۔۔ اس لیے اس عہد کی عملی تصویر کا یہ تقاضا تھا کہ انبیاء کرام کی مقدس جماعت میں سے کوئی نبی اس عہد و میثاق کا عملی مظاہرہ کر کے دکھائے۔

اس میثاق اور اس عہد و پیمان کا عملی مظاہرہ کرنے کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا۔۔۔۔ تاکہ وہ دنیا کے سامنے امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر ایمان لائیں اور دینِ اسلام کی حمایت و نصرت کا عملی مظاہرہ کریں، تاکہ ﴿لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ﴾ کا وعدۂ صادق پُورا ہو۔

اس عملی مظاہرے کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت کا چناؤ غالباً اس لیے کیا گیا کہ وہ امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے لیے مُبشّر بنے تھے۔

﴿وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗ أَحْمَدُ﴾ (۶۱ : ۶)

اس لیے میرے مولا نے یہ فیصلہ فرمایا کہ میثاق انبیاء کے وقار

کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام ہی کو منتخب کیا جائے۔ اور وہی تمام انبیاء کی نمائندگی فرمائیں۔

میری اس گفتگو سے اور میرے ان دلائل سے یہ بات اور یہ حقیقت واضح ہوگئی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو رُوح مع الجسد آسمانوں پر اٹھایا گیا---- ان پر فی الحال موت نہیں آئی ---- وہ قیامت سے پہلے نازل ہوں گے ---- ان کا نازل ہونا قیامت کی علامات میں سے ایک علامت اور نشانی ہے ---- وہ ایک روایت کی بناء پر اس دنیا میں چالیس سال رہیں گے اور مُسلم کی ایک روایت میں ہے کہ سات سال رہیں گے۔

(دونوں قولوں میں تطبیق اس طرح ہوسکتی ہے کہ جب حضرت عیسیٰ کو آسمانوں پر اٹھایا گیا اس وقت ان کی عمر ۳۳ سال تھی ---- زمین پر نزول کے بعد مزید سات سال زندہ رہیں گے، اس طرح زمین پر بسر ہونے والی عمر چالیس سال ہوجائے گی۔)

سات سال یا چالیس سال دَورِ حکومت کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السّلام وفات پا جائیں گے ---- اور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پہلو میں روضۂ رسُولؐ کے اندر دفن ہوں گے۔

نصاریٰ کا غلو

جس دَور میں قرآن اتر رہا تھا اُس دَور کے عیسائی اور غالباً آج کل کے عیسائیوں کا بھی حضرت عیسیٰؑ کے بارے ایک عقیدہ یہ ہے کہ عیسیٰ عین اللہ ہے ---- جس کا نام عرش پر اللہ ہے وہی زمین پر مسیح کہلایا ---- اللہ بشکلِ مسیح دُنیا میں اتر آیا۔

(کچھ ہمارے نادان دوست بھی اِسی طرح غلو کا شکار ہیں۔ وہ بھی کہتے ہیں :

وہی جو مستوی تھا عرش پر خُدا بن کر
اتر پڑا مدینے میں مُصطفےٰؐ بن کر

کچھ غالی کہتے ہیں ---- احد اور احمد میں میم کا پردہ ہی تو ہے۔)

کچھ عیسائیوں کا نظریہ یہ ہے کہ مسیح اللہ تو نہیں، اللہ کا بیٹا ہے اور اللہ کی جزء ہے۔ اور کچھ کا خیال ہے کہ تین اِلٰہ میں سے ایک عیسیٰ ہے۔ باقی دو اللہ اور مریم ہیں ----- قرآن مجید نے عیسائیوں کے ان تمام گروہوں کی تردید کی اور ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصل حیثیت اور حقیقی مقام کو بیان فرمایا۔

ایک جگہ پر قرآن نے کہا:

﴿ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوٓا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَنْ يُهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ۗ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴾

بے شک کافر ہو گئے وہ لوگ جنھوں نے یہ کہا کہ بے شک اللہ وہی ہے مسیح ابن مریم۔ میرے پیغمبر کہہ دیجیے کہ: اگر اللہ یہ ارادہ کرلے کہ مریم کے بیٹے مسیح اور مریم کو اور زمین پر بسنے والے تمام لوگوں کو دنیا سے مٹا دے تو کون شخص ہے جس کا اللہ کے آگے بس چل سکے۔ اور اللہ ہی کے لیے بادشاہی ہے آسمانوں کی اور زمین کی وہ جو چاہتا ہے پیدا کرسکتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ (مائدہ ۵ : ۱۷)

ایک اور مقام پر قرآن نے ارشاد فرمایا:

﴿ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوٓا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۖ وَقَالَ الْمَسِيحُ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۖ إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ ۖ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴾ (مائدہ ۵ : ۷۲)

بلا شبہ وہ لوگ کافر ہو گئے جنھوں نے کہا بے شک اللہ وہی مسیح ابن مریم ہے، حالانکہ حضرت عیسیٰ نے کہا تھا اے بنی اسرائیل عبادت اللہ کی کرو جو

میرا اور تمہارا پروردگار ہے۔ بے شک جس نے اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرایا یقیناً اللہ نے اس پر جنت کو حرام کر دیا ہے اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور ظالموں کی مدد کرنے والا کوئی نہیں۔

ایک مقام پر اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے:

﴿يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰهَاۤ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۫ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا﴾ (نساء ۴: ۱۷۱)

اے اہلِ کتاب! اپنے دینی معاملہ میں حد سے تجاوز نہ کرو اور اللہ کی شان میں حق کے ماسوا کچھ نہ کہو۔ بلاشک مسیح عیسیٰ ابن مریم اللہ کے رسول ہیں (الٰہ اور معبود نہیں ہیں) اور اس کا کلمہ ہیں جس کو اس نے مریم پر ڈالا اور اس کی روح ہیں۔ پس اللہ پر اور اس کے تمام رسولوں پر ایمان لاؤ اور مت کہو کہ اِلٰہ تین ہیں (اللہ، مریم، عیسیٰ) اس شرکیہ بات سے باز آجاؤ۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہوگا --- بلاشبہ اللہ معبود ہے اکیلا وہ اس سے پاک ہے کہ اس کا بیٹا ہو۔ اسی کے لیے ہے (نہ مریم کے لیے اور نہ ہی عیسیٰ کے لیے) جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور کافی ہے اللہ کارساز۔

ایک اور جگہ پر اِرشاد ہوا:

﴿مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ﴾ (مائدہ ۵: ۷۵)

مریم کا بیٹا مسیح رسول ہی تو ہے (الٰہ اور معبود نہیں) اُن سے پہلے بھی کئی رسول گزر چکے ہیں اور ان کی والدہ ولیہ ہے وہ دونوں کھانا کھاتے تھے۔

مریم اور عیسیٰ دونوں انسان تھے اور انھیں بشری تقاضوں کی بنا پر بھوک لگتی تھی اور وہ دونوں کھانے کے محتاج تھے اور معمولی غور و فکر سے یہ بات سمجھ آسکتی ہے کہ جو شخص کھانے کا محتاج ہو وہ دنیا کی تقریباً ہر چیز کا محتاج ہوتا ہے --- زمین کا، پانی کا، ہوا کا، سورج کی تپش کا، چوپایوں کا، بادلوں کا اور بارش کا ----- ہل چلانے کا، گندم کاٹنے کے لیے وسائل و اسباب کا، چکی کا، آٹا پیسنے کیے لیے --- آٹا گوندھنے کے لیے پانی کا --- برتنوں کا ---- روٹی پکانے کے لیے چولھے کا، توے کا، پرات کا، لکڑیوں کا، آگ کا، ---- لوگو! جو اِس قدر محتاج ہو وہ معبود اور مشکل کشا نہیں ہوسکتا۔

حضرت عیسیٰؑ اور روزِ محشر

قرآن مجید میں ---- سورۃ مائدہ کے آخری رکوع میں اللہ ربّ العزت نے اس سوال و جواب کا تذکرہ فرمایا ہے جو اللہ اور حضرت عیسیٰؑ کے مابین قیامت کے دن ہوں گے۔

قیامت کے دن عیسائی کہیں گے ---- ہم نے حضرت عیسیٰؑ اور ان کی والدہ مائی مریم کی عبادت اور پوجا پاٹ اس لیے کی تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہمیں اس کی تعلیم دی تھی ---- وہ ہمیں کہہ کر گئے تھے کہ مجھے اور میری ماں کو معبود بنا لینا ---- اپنی حاجات میں ہمیں پکارنا اور ہمارے نام کی نذر و نیاز دینا۔

اللہ ربّ العزت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے دربار میں بلائیں گے اور حقیقتِ حال دریافت فرمائیں گے۔ مگر لطف کی بات یہ ہے کہ پوچھنے سے پہلے اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰؑ اور ان کی والدہ پر ہونے والے انعامات کا تذکرہ کریں گے جیسے سورۃ مائدہ کی آیت ۱۱۰ سے لے کر ۱۱۵ تک بیان کیا گیا۔

﴿ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَ عَلٰى وَ الِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۙ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَ اِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ

وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّیْنِ كَهَیْـٴَةِ الطَّیْرِ بِاِذْنِیْ فَتَنْفُخُ فِیْهَا فَتَكُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِیْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِیْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِیْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۱۰﴾ وَاِذْ اَوْحَیْتُ اِلَى الْحَوَارِیّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَبِرَسُوْلِیْ ۚ قَالُوْۤا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ اِذْ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ هَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّكَ اَنْ یُّنَزِّلَ عَلَیْنَا مَآىٕدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا نُرِیْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَىٕنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَیْهَا مِنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَاۤ اَنْزِلْ عَلَیْنَا مَآىٕدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِیْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰیَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مُنَزِّلُهَا عَلَیْكُمْ ۚ فَمَنْ یَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّیْۤ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّاۤ اُعَذِّبُهٗۤ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۱۵﴾

اے عیسیٰ! میں نے تجھے جبریل امین کے ذریعہ قوت عطا فرمائی --- میں نے تجھے ماں کی گود میں اور پھر بڑی عمر میں کلام کرنے کا شرف بخشا۔

میں نے تجھے کتاب (قرآن) تورات اور انجیل کا علم عطا فرمایا۔ (کتاب یعنی قرآن سکھانا --- یہ تب ہی ہو سکتا ہے جب عیسیٰ قربِ قیامت میں تشریف لائیں اور قرآن کا علم سیکھیں ---- ورنہ تو قرآن ان کے بعد نازل ہوا، پھر انھیں قرآن کا علم کہاں سے حاصل ہو گیا؟)

میں نے عجیب و غریب معجزات سے آپ کو نوازا ---- میں نے دشمن کے مکر و فریب سے اور شر سے آپ کو بچایا ---- میں نے اپنی رحمت سے حواریوں کو آپ کا مددگار بنایا۔

میں نے تجھ پر اتنے احسان کیے ---- میں نے تجھ پر انعامات کی بارش برسا دی ---- اور تم نے میرا انعامات و احسانات کا یہ بدلہ دیا کہ میری عبادت کے بجائے لوگوں کو اپنی اور اپنی ماں کی معبودیت کی دعوت دی۔

﴿ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ (۵ : ۱۱۶)

اے عیسیٰ بیٹے مریم کے ! کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دو معبود بنالینا۔

حافظ ابن کثیر نے تفسیر ابن کثیر میں ابن عساکر کے حوالے سے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی ایک روایت نقل کی ہے :

کہ عیسائیوں کے اس کہنے پر کہ ہمیں حضرت عیسیٰ نے اپنی عبادت کی دعوت خود دی ہے اور پھر اللہ رب العزت کے پوچھنے پر خوف طاری ہوجائے گا اور ان کے بدن کے بال کھڑے ہوجائیں گے اور خشیتِ الٰہی سے وہ سجدہ ریز ہوجائیں گے اور سجدے کی یہ مدت ایک ہزار سال معلوم ہوگی۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام جواب دیں گے :

﴿ سُبۡحَانَكَ ﴾

مولا ! تیری ذات شریکوں سے پاک ہے --- تیری ذات میں بھی کوئی شریک نہیں اور تیری صفات میں بھی کوئی شریک نہیں ---- جب تو شریکوں سے پاک ہے تو پھر میں ایسی شرکیہ ---- ایسی خبیث اور گندی بات کیسے کہہ سکتا تھا؟۔

﴿ مَا يَكُوۡنُ لِيۡۤ اَنۡ اَقُوۡلَ مَا لَيۡسَ لِيۡ بِحَقٍّ ﴾ (۵ : ۱۱۶)

مجھے یہ لائق اور مناسب نہیں کہ میں وہ بات کہوں جس بات کے کہنے کا مجھے حق نہیں اور جو بات کہنے کے لائق نہیں۔

مولا ! مجھے یہ بات ہرگز نہیں بجتی ---- یہ بات میرے پیغمبری منصب کے خلاف ہے کہ تیری الوہیت کے بجائے میں اپنی الوہیت کی تبلیغ کرتا رہوں۔

﴿ اِنۡ كُنۡتُ قُلۡتُهٗ فَقَدۡ عَلِمۡتَهٗ ﴾ (۵ : ۱۱۶)

مولا ! میری بات چھوڑیے ---- میرے دلائل کو چھوڑ کر اس حقیقت کو دیکھیے کہ آپ کے علمِ محیط سے کوئی چیز بھی باہر نہیں ہوسکتی ---- اگر میں نے ایسی بات کہی ہوتی تو آپ کے علم میں ضرور ہوتی ---- لیکن میرے پالنہار!

تُو جانتا ہے کہ میں نے یہ خبیث بات کبھی مُنہ سے نہیں نکالی۔

﴿ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ ﴾ (۵ : ۱۱۶)

جو کچھ میرے دل میں چھپا ہوا ہے تُو تو اسے بھی جانتا ہے اور مَیں تیرے جی کی بات نہیں جانتا۔

حضرت عیسیٰؑ کہنا چاہتے ہیں :

مولا ! تو میرے دل کے راز اور وسوسے بھی جانتا ہے ---- اور تجھے بہتر معلوم ہے کہ اپنی عبادت کی دعوت دینے والی شرکیہ بات ---- زبان سے کہنا تو دُور کی بات ہے ---- مولا ! ایسا خبیث وسوسہ بھی میرے دل میں کبھی نہیں آیا ---- تُو تو میرے دِل کی بات اچھی طرح جانتا ہے۔

﴿ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِیْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّكُمْ ﴾ (۵ : ۱۱۷)

میرے پالنہار مولا ! میں تو نبوت و رسالت ملنے کے بعد انھیں وہی کہتا رہا جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ عبادت و پکار اس اللّٰہ کی کرو جو تمھارا اور میرا پروردگار، پالنہار، ضروریاتِ زندگی پوری کرنے والا اور روزی رساں ہے --- مولا ! میں نے تو بچپن میں جب تو نے مجھے قُوّتِ گویائی عطا فرمائی تھی ---- میں نے اس وقت بھی کہا تھا :

﴿ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ﴾ (۱۹ : ۳۶)

بلا شک اللّٰہ جو میرا اور تمھارا رب ہے اسی کی عبادت کرو، یہی صراطِ مُستقیم ہے۔

میرے پروردگار ! میں نے ساری زندگی تیری توحید --- تیری ہی معبودیت اور تیری ہی الوہیت کی دعوت دی ہے اور تبلیغ کی ہے۔

﴿ وَكُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ ؕ وَاَنْتَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ﴾ (۵ : ۱۱۷)

جب تک میں ان میں رہا اس وقت تک میں ان کی نگرانی کرتا رہا
---- میں ان کی خبرگیری کرتا رہا کہ یہ صحیح عقیدے پر قائم رہیں اور تیری ہی
عبادت کرتے رہیں۔
مگر دنیا میں رہنے کی مدت جب میں نے پوری کرلی اور تو نے مجھے
اپنی طرف اٹھالیا تو پھر ان کے حالات کے آپ ہی نگران اور خبردار ہوسکتے تھے
--- اس کے بعد کا مجھے علم نہیں۔
اور ہر چیز سے خبردار اور ہر چیز پر نگران ونگہبان صرف اور صرف تیری
ذات ہے۔
امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:
قیامت کے دن میں حوضِ کوثر پر کھڑا ہوں گا---- میں دیکھوں گا کہ میری
امت کے کچھ لوگ لائے جارہے ہوں گے مگر میرے حوض پر پہنچنے سے پہلے
انھیں دوزخ کی طرف لے جایا جائے گا---- تو میں کہوں گا----- یہ تو میرے
امتی ہیں---- انھیں میرے پاس لاؤ۔ میں انھیں حوضِ کوثر سے جام پلاؤں۔
تو فرشتے جواب میں کہیں گے:
اِنَّكَ لَا تَدْرِیْ مَآ اَحْدَثُوْا بَعْدَكَ۔
آپ نہیں جانتے کہ انھوں نے آپ کے بعد آپ کے مکمل دین میں
کیا کیا نئی باتیں اور بدعات جاری کردی تھیں۔
آپ نے فرمایا:
فَاَقُوْلُ كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ وَ كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ
ج فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ۔ (بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۶۵)
میں وہی بات کہوں گا جو اللہ کے ایک نیک بندے نے کہی ہوگی کہ
جب تک میں ان میں موجود رہا تھا اس وقت تک میں ان پر نگران رہا اور

جب تو نے مجھے اٹھالیا تو پھر تو ہی ان کا نگہبان اور نگران تھا۔

مائدہ کا اُترنا

حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی سیرت طیبہ اور حیاتِ مبارکہ کے اکثر حصوں پر میں نے روشنی ڈالی ہے۔
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ میں پیش آنے والا ایک اہم واقعہ بیان نہیں ہوسکا۔ جو اتنا اہم ہے کہ پوری ایک سورۃ کو اس کے نام سے موسوم کیا گیا----
یعنی نزولِ مائدہ (دسترخوان)

میں بیان کرچکا ہوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے لوگ جنھیں حواری کا لقب عطا ہوا انتہائی جانثار، راسخ العقیدہ اور صادق الایمان لوگ تھے---- یہ غریب گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے۔

انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی:

کہ اللہ رب العزت غیب سے (یعنی آسمانوں سے) ایک دسترخوان اتار دے تاکہ ہمیں دینِ حق کی صداقت و حقانیت کا عین الیقین ہوجائے----
اور اس طرح ہم روزی کمانے کی فکر سے آزاد ہوکر---- بے فکری اور اطمینانِ قلب سے اپنے اللہ کی یاد اور دینِ حق کی دعوت و تبلیغ میں مصروف رہیں۔
﴿هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ أَنْ يُنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ﴾ (۵ : ۱۱۲)

اے عیسیٰ ابن مریم کیا تیرا رب ایسا کرسکتا ہے کہ آسمان سے ہم پر ایک دسترخوان اتارے (یعنی ہماری روزی اور غذا کے لیے آسمان سے غیبی سامان کردے)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جواب میں فرمایا اور حواریوں کو سمجھایا:
﴿اتَّقُوا اللّٰهَ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ﴾ (۵ : ۱۱۲)

اگر تم ایماندار ہو تو ایسی فرمائشیں نہ کرو اور اللہ سے ڈرو۔

جواب میں حواری کہنے لگے:

﴿ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَ تَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَ نَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَ نَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴾ (۵ : ۱۱۳)

ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ ہم اِس دسترخوان سے کھائیں (اور روزی کی فکر سے مطمئن ہوجائیں، اور ہمارے دِل اِطمینان پکڑیں) اور ہم جان لیں (حق الیقین کے ساتھ) کہ آپنے جو کچھ کہا تھا وہ حق اور سچ تھا اور اِس پر ہم گواہ ہوجائیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب ان کا بڑھتا ہوا اصرار دیکھا تو اپنے رب کے حضور التجا کی:

﴿ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَ اٰخِرِنَا وَ اٰيَةً مِّنْكَ ج وَ ارْزُقْنَا وَ اَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴾ (۵ : ۱۱۴)

اے اللہ ! اے ہمارے پروردگار ! ہم پر بھرا ہوا دسترخوان آسمان سے اتار دے جو ہمارے پہلوں اور پچھلوں کے لیے عید قرار پائے اور تیری طرف سے فضل و کرم کی نشانی ہو اور ہمیں روزی دے، تو سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔

اس دعا کے جواب میں اللہ ربُّ العزت نے فرمایا:

﴿ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ج فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ (۵ : ۱۱۵)

بے شک میں تمھارے لیے دسترخوان اتار دوں گا، مگر جو شخص اس کے بعد بھی (راہِ حق سے) انکار کرے گا، میں اسے ایسی سزا دوں گا---- میں اسے ایسے عذاب دوں گا کہ ویسا عذاب تمام دنیا میں کسی کو بھی نہیں دیا جائے گا۔

بعض مفسرین جن میں مجاہدؒ اور حسن بصریؒ تابعی بھی شامل ہیں---- ان کا خیال ہے کہ یہ دسترخوان نہیں اتارا گیا۔

اللہ ربُّ العزت نے سخت لہجہ میں جس شرط کے ساتھ اس کے نزول کو

مشروط کر دیا تھا ---- دسترخوان کے نزول کے خواہش مند لوگوں نے خوف کے مارے اپنی التجا اور خواہش کو واپس لے لیا۔

اور کچھ مفسرین جن میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بھی شامل ہیں ---- ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ دسترخوان اتارا گیا تھا ---- جمہور علماء امت کا رجحان بھی اسی طرف ہے کہ دسترخوان کھانوں سے بھرا ہوا ---- فرشتے لے کر اترے تھے ---- صرف ایک دن کے لیے نہیں بلکہ مسلسل چالیس دن تک اترتا رہا ---- پھر اترنا بند ہو گیا۔

بند ہونے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ حکم یہ ہوا تھا کہ غریب، فقیر اور مسکین اور مریض لوگ اس دسترخوان سے کھائیں گے۔

دولت مند اور صحت مند لوگ نہ کھائیں ---- مگر چند دنوں کے بعد لوگوں نے اس حکم کی خلاف ورزی شروع کر دی۔

دسترخوان پر چنے ہوئے آسمانی کھانے تلی ہوئی مچھلی، تر و تازہ اور ذائقہ دار پھل اور طرح طرح کے کھانے ---- بھلا اسے دیکھ اور سونگھ کے کون صبر کر سکتا تھا؟۔

انھوں نے اللہ کے حکم کی خلاف ورزی شروع کر دی۔

اللہ نے یہ بھی حکم دیا تھا کہ اسے کل کے لیے ذخیرہ نہیں بنانا ---- انھوں نے ذخیرہ کرنا شروع کر دیا تو اللہ رب العزت نے دسترخوان اتارنے کا یہ سلسلہ بند کر دیا۔

حلیۂ مبارک

آخر میں حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے حلیۂ مبارک کے بارے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

معراج کے سفر میں میری ملاقات حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ہوئی۔

تیں نے انھیں دیکھا کہ ان کا قد درمیانہ اور رنگ سرخ و سپید تھا ---- بال کاندھوں تک لٹکے ہوئے اور بدن ایسا صاف اور شفاف تھا معلوم ہوتا تھا ابھی غسل کر کے نکلے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نہ کوئی بھائی تھا اور نہ کوئی بہن --- نہ والد نہ چچا نہ دادا --- ساری زندگی انھوں نے شادی بھی نہیں کی --- نہ بیوی نہ اولاد --- نہ سسر نہ داماد --- تمام عمر انھوں نے رہنے کے لیے مکان تک نہیں بنایا --- وہ شہر شہر اور گاؤں گاؤں اللہ کے دین کی دعوت دیتے اور توحید کا پیغام سناتے اور جہاں رات آجاتی وہاں سامانِ آرام و راحت کے بغیر رات گزار دیتے۔

چونکہ حضرت عیسیٰ کے والد، چچا، پھوپھی، دادا، بیوی، بچے، سسر، اور داماد نہیں تھے اس لیے ان کی سیرت میں ان رشتوں سے حسنِ سلوک کے بارے راہنمائی نہیں ملتی ---- پھر حضرت عیسیٰ کی سیرت ---- زندگی گزارنے کے حالات ---- رشتے داروں سے سلوک کے اصول محفوظ نہیں ہیں کہ ان کے ماننے والوں کے لیے نمونہ بنیں اور ماننے والے سیرت عیسیٰ کے موضوع پر اجتماع کر کے عوام کے سامنے حضرت عیسیٰ کی سیرت کے واقعات بیان کریں --- اسی لیے دنیا بھر کے عیسائی ۲۵ دسمبر کو میلادِ مسیح کے پروگرام کرتے ہیں --- میلادِ مسیح مناتے ہیں --- یہ عیسائیوں کی مجبوری ہے کہ ان کے پاس حضرت عیسیٰ کی سیرت پر کہنے کے لیے کچھ محفوظ نہیں۔ اس لیے وہ اپنے پیغمبر کا میلاد منا کر خوش ہو جاتے ہیں ---- مگر میری یہ مجبوری نہیں ہے۔ کیونکہ میرے پیغمبر کی زندگی اور سیرت کا ایک ایک لمحہ بلکہ میرے پیغمبر کی ادائیں تک حدیث و سیرت کی کتابوں میں محفوظ ہیں۔ اس لیے میں میلاد النبیؐ کے عنوان کو اختیار نہیں کرتا، بلکہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خوبصورت اور مفید عنوان پسند کرتا ہوں۔

وما علینا الا البلاغ المبین

سیرت خاتم الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی وَنُسَلِّمُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَآءِ وَخَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّ حِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ ط قَالَ ءَ اَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ ط قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ط قَالَ فَاشْھَدُوْا وَاَنَا مَعَکُمْ مِّنَ الشّٰھِدِیْنَ﴾

(سورۃ آلِ عمران ۳ : ۸۱)

اس وقت کو یاد کرو جب اللہ نے نبیوں سے عہد و اقرار لیا کہ جو کچھ بھی میں نے تمھیں عطا کیا ---- کتاب اور علم و دانائی کی باتیں پھر آئے تمھارے پاس ایک رسُول جو تصدیق کرنے والا ہو اس کتاب کی جو تمھارے پاس ہے تو تم اس رسُول پر ایمان لاؤ گے اور اس کی مدد و نصرت بھی کرو گے ---- اللہ نے کہا کیا تم نے اقرار کیا اور میرا عہد اور وعدہ اس شرط پر قبول کیا ---- نبیوں نے جواب میں کہا ہم نے اقرار کیا۔ اللہ نے کہا اب تم گواہ رہو اور میں بھی تمھارے ساتھ گواہ ہوں۔ پھر جو کوئی اس عہد سے پھر جائے گا تو وہی لوگ نافرمان ہیں۔

(صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ)

سامعینِ گرامی قدر! میں نے ابوالبشر، مسجُودِ ملائکہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر بنی اسرائیل میں آنے والے آخری پیغمبر---- حضرت سیدنا عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام تک آنے والے ایسے انبیاء کا تذکرہ ---- جمعۃ المبارک کے خُطبات میں کیا ہے---- جن کا تذکرہ اللہ ربُّ العزت نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔

اب میں چاہتا ہوں کہ اس پیغمبر اور نبی کا تذکرہ کروں جو صرف نبی نہیں ہے، امام الانبیاء ہے ---- ایسے رسول کا تذکرہ کروں جو صرف رسُول نہیں ہے، خاتم الرسل ہے ---- جو شفیع المذنبین ہے ---- رحمۃ للعالمین ہے ---- صاحب قرآن بھی ہے اور صاحب معراج بھی ---- ساقیِ کوثر بھی ہے اور لواء الحمد کا حامل بھی ---- مقام محمُود کا دولھا بھی ---- اور کائنات کا سرتاج بھی ---- صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم۔

میں کوشش کروں گا کہ اپنے آقا اور اپنے محبوب پیغمبر صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی سیرت طیبہ اور حیات مبارک کے اہم اور ضروری واقعات کو ترتیب وار بیان کروں ---- اور آپ کے حالاتِ زندگی کو بیان کرتے ہوئے موضوع روایات، من گھڑت واقعات، بے سروپا قصوں اور مجہُول باتوں سے بچتے ہوئے قرآن وحدیث ---- اور تاریخ وسیرت کے مُستند حوالوں کا سہارا لوں۔

امام الانبیاء، خاندان، والدین

یہ بات ذہن میں رکھیے کہ اللہ کے پیغمبر اور نبی بڑے اونچے اور عالی نسب ہوتے ہیں۔

امام الانبیاء صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

بے شک اللہ رب العزت نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے حضرت اسماعیلؑ کو چنا ---- پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کنانہ کو منتخب کیا اور کنانہ سے قریش کو برگزیدہ بنایا۔ اور قریش سے بنو ہاشم کا

انتخاب فرمایا، اور بنو ہاشم سے مجھ کو چن لیا۔

(مسلم باب فضل نسب النبی، البدایہ والنہایہ جلد ۲ صفحہ ۲۵۶)

قیصر روم کے دربار میں جب ابوسفیان (اسلام قبول کرنے سے پہلے) پیش ہوئے ----- جب قیصر روم نے امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے نسب کے بارے میں پوچھا تو ابوسفیان نے جواب میں کہا:

هُوَ فِينَا ذُو نَسَبٍ

وہ ہم میں بڑے نسب والا ہے۔

آپ کے والد محترم عبداللہ ----- عبدالمطلب کی تمام اولاد میں لاڈلے اور چہیتے تھے ---- ان کی شادی وہب بن عبدمناف کی بیٹی آمنہ سے ہوئی جو حسن وجمال میں اور عفت وپاکدامنی میں بے مثل اور عدیم النظیر تھیں۔

آپکے والد محترم آپ کی پیدائش سے تقریبًا چھ ماہ قبل ایک تجارتی سفر کے دوران ---- مدینہ طیبہ میں انتقال کر گئے ---- کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ مدینہ سے ۲۳ میل کی مسافت پر ایک جگہ ہے "ابواء" ان کا انتقال وہیں ہوا ہے۔

(پیدائش سے پہلے والد والا سہارا اللہ رب العزت نے لے لیا ---- اس لیے کہ بے سہاروں کا سہارا وہی بن سکتا ہے جس کی زندگی خود بھی بے سہارا رہ چکی ہو ---- یتیموں کا خیال وہی کر سکتا ہے جس نے خود یتیمی کے دن دیکھے ہوں۔)

ولادت باسعادت

ربیع الاول کا مقدس مہینہ تھا ---- اور پیر کا دن تھا ---- اور صبح کا سہانا وقت تھا کہ سرزمین مکہ ---- مبارک زمین کے ایک انتہائی محترم قبیلہ قریش (بنی ہاشم میں) عبدالمطلب کے مرحوم بیٹے عبداللہ کے گھر آمنہ بی بی کے بطن سے آفتاب رسالت اور مہتاب نبوت کا ظہور ہوا۔

آج کی مبارک گھڑیوں میں ---- وہ آیا ہے جس کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام دعائیں مانگتے رہے اور جس کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام خوشخبریاں سناتے رہے۔

خود امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَنَا دَعْوَةُ اَبِیْ اِبْرَاهِیْمَ وَبُشْرٰی عِیْسٰی

میں اپنے باپ ابراہیمؑ کی دعا ہوں اور عیسیٰؑ کی بشارت ہوں ---- یعنی دعاء خلیل اور نوید مسیحا۔ کسی شاعر نے کتنے خوبصورت انداز میں اس کو ذکر فرمایا:

ہوئی پہلوئے آمنہؓ سے ہویدا　　　دعائے خلیلؑ و نویدِ مسیحؑا

تاریخِ ولادت

سیرت و تاریخ کے علماء کرام کا تین باتوں پر مکمل اتفاق ہے ---- پہلی بات یہ ہے کہ آپؐ کی ولادت کا سال عام الفیل تھا ---- یعنی وہ سال جس سال ابرہہ نے ہاتھیوں کے ساتھ بیت اللہ پر چڑھائی کی تھی۔

اور دوسری بات یہ کہ آپؐ ربیع الاول میں پیدا ہوئے ---- اور تیسری بات یہ کہ پیدائش کا دن دوشنبہ یعنی پیر کا دن تھا۔

(دیکھیے البدایہ والنہایہ جلد ۲ صفحہ ۲۶۱، مسلم)

مگر اس بات میں اختلاف ہے کہ ربیع الاول کی کون سی تاریخ تھی ---- عوام میں ۱۲ر ربیع الاول مشہور ہے۔ مگر تحقیقی لحاظ سے یہ قول کمزور ہے۔

اکثر علماء نے ۸ر ربیع الاول کا قول ذکر کیا ہے۔

(زرقانی جلد ا صفحہ ۱۳۱)

مگر سب سے زیادہ صحیح اور مستند قول یہ ہے کہ آپؐ کی ولادت باسعادت ۹ر ربیع الاول کو ہوئی ہے۔

مشہور و معروف ہیئت دان اور ماہر فلکیات محمود پاشا نے حساب لگا کر ۹ ربیع الاول کی تاریخ کو صحیح قرار دیا ہے۔

تاریخ ولادت میں اختلاف کیوں؟

سامعین گرامی قدر! آپ نے سن لیا کہ امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی پیدائش کی تاریخ میں اختلاف ہے ----- ۸ ربیع الاول ---- ۹ ربیع الاول ---- ۱۲ ربیع الاول، یا سترہ ربیع الاول ---- شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ نے غنیۃ الطالبین میں ایک قول ۱۰ محرم کا نقل فرمایا ہے۔

اگر اصحاب رسول کوشش کرتے تو آپ کے میلاد اور پیدائش کی تاریخ کو متعین کر سکتے تھے ---- آپ کی رضاعی والدہ، حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللّٰہ عنہا زندہ تھیں ---- آپ کی اولین دایہ اور آپ کی والدہ کی لونڈی اور خادمہ ام ایمن رضی اللّٰہ عنہا بقیدِ حیات تھیں ---- آپ کی پھوپھی صفیہ رضی اللّٰہ عنہا زندہ تھیں ----- صحابۂ کرامؓ ان سے پوچھ سکتے تھے ---- تحقیق کر سکتے تھے ---- مگر اصحابِ رسولؐ نے ایسی تفتیش اور جستجو اور تحقیق نہیں کی ---- کیوں؟ اس لیے کہ ان کی نگاہوں میں اہمیت میلادِ نبی کی نہیں تھی مشن رسالت کی تھی ---- اگر آپ کا میلاد منانا ---- میلاد پر جشن اور عید کا اہتمام کرنا ---- جلوس میلاد نکالنا ضروری ہوتا ---- دین کا حصہ ہوتا تو اصحابِ رسول آپ کی تاریخِ پیدائش متعین کرنے اور معلوم کرنے کی جستجو اور کوشش کرتے ---- مگر انھوں نے ایسا نہیں کیا۔ اس لیے کہ اصحابِ رسول کے نزدیک اہمیت میلاد النبیؐ کی نہیں تھی بلکہ سیرت النبیؐ کی تھی۔

اس سلسلہ میں دوسری بات ذرا توجہ اور غور سے سنیے گا۔

امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے زندگی کے آخری لمحات میں دعا مانگتے

ہوئے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِیْ وَثَنًا یُعْبَدُ

اے میرے اللہ! میری قبر کو بت نہ بنانا کہ جس کی پوجا پاٹ کی جائے۔

(آپ کی اس دعاء سے معلوم ہوتا ہے کہ جس قبر کی پوجا پاٹ شروع ہوجائے ---- اس پر سجدے ہونے لگیں، طواف کیے جانے لگیں، دیگیں اترنے لگیں، عرضیاں لٹکنے لگیں، پکار ہونے لگے ---- وہ قبر چاہے امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی کیوں نہ ہو ---- وہ بت بن جاتی ہے۔)

اللہ رب العزت نے آپ کی دعا کو قبول فرمایا ---- اور آپ کی قبر منور کو شرک سے اور شرکیہ افعال سے محفوظ فرمالیا --- میں کہتا ہوں جس طرح اللہ رب العزت نے آپ کی قبر منور کو شرک سے محفوظ فرما دیا، اسی طرح اللہ رب العزت نے آپ کے پیدائش کے دن کو مخفی رکھ کر بدعات و خرافات سے محفوظ فرما دیا۔

اسمِ گرامی

آپ کی پیدائش کے ساتویں دن آپ کے دادا عبدالمطلب نے آپ کا عقیقہ کیا، اور آپ کا نام "محمد" رکھا ---- حافظ ابن کثیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ خواب میں عبدالمطلب کو بتایا گیا تھا کہ اپنے نومولود یتیم پوتے کا نام "محمد" رکھیں۔ عبدالمطلب نے تو اس امید پر "محمد" نام رکھا

رَجَاءَ اَنْ یُحْمَدَ ----- شاید دنیا میں اس کی تعریف و توصیف ہو ---- مگر وہ واقعی اسم بامسمی ہوئے کہ جتنی تعریف و توصیف ان کی ہوئی اتنی تعریف و توصیف کسی اور کی نہیں ہوئی ---- آسمان پر اللہ نے جس کی تعریف کی ---- ملائکہ نے جس کی تعریف کی ---- انبیاء کرام نے جس کی تعریف کی

دوست جس کی تعریف کریں اور دشمن بھی جس کی تعریف کریں ----- اپنے بھی تعریف کریں اور پرائے بھی تعریف کریں ----- اَلَّذِیْ یُحْمَدُ مَرَّۃً بَعْدَ مَرَّۃٍ ------ جس کی تعریف کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہوتا ہو ----- دنیا میں بھی تعریفیں ہو رہی ہیں اور کل قیامت کے دن بھی اس کی تعریفوں اور عظمتوں کے تذکرے ہوں گے۔

• آپ کی والدہ کو خواب میں بشارت دی گئی کہ اپنے نورِ نظر کا نام "احمد" رکھو۔

رضاعت

ابتداء میں آپؐ نے اپنی والدہ محترمہ کا دودھ پیا ---- بخاری کتاب النکاح میں ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے ثوبیہ نے دودھ پلایا ---- ثوبیہ ابولہب کی لونڈی تھی ---- اسی نے جاکر ابولہب کو اطلاع اور خوشخبری سنائی تھی کہ تیرے مرحوم بھائی عبداللہ کے ہاں لڑکا ہوا ہے ----- اس نے کہا تھا اگر تو سچ کہہ رہی ہے تو میں نے تجھ کو آزاد کیا۔

اسی ثوبیہ نے آپ سے پہلے آپ کے چچا سیدنا حمزہ کو بھی دودھ پلایا تھا ---- اس لحاظ سے امیر حمزہ آپؐ کے رضاعی بھائی بھی تھے۔

عرب میں یہ دستور تھا کہ شرفاء اپنے شیر خوار بچوں کو ابتداء ہی سے دیہاتوں میں بھیج دیا کرتے تھے، تاکہ وہاں کی صاف و شفاف آب و ہوا میں ان کی نشو و نما ہو سکے اور وہ اصلی اور فصیح عربی زبان سے روشناس ہوں۔ اسی رواج کے تحت ہر سال بنو سعد کی بعض غرض مند عورتیں شیر خوار بچوں کی تلاش میں مکہ مکرمہ آیا کرتی تھیں۔

آنے والی عورتوں میں ایک خوش قسمت عورت کا نام حلیمہ تھا ------ جس نے دودھ پلانے کے لیے محمد کو سینے سے لگایا ---- اونٹنی پر بٹھایا ---- کمزور اونٹنی طاقت ور ہو گئی ---- پیچھے رہ جانے والی سب سے آگے نکل گئی ------

ننھا محمد کیا آیا حلیمہ کے گھر کے بھاگ جاگ گئے۔

چار سال تک آپ حلیمہ سعدیہ کے ہاں رہے ---- پھر آپ مکہ مکرمہ میں پلٹ آئے اور اپنی والدۂ محترمہ کے سایہ شفقت میں رہنے لگے۔

والدہ کا سفرِ آخرت

آپ کی والدہ نے آپ کو آپ کے ننھیال سے ملوانے کے لیے مدینہ کا سفر کیا واپسی پر ان کی طبیعت زیادہ خراب ہوگئی ---- مقام ابواء پر پہنچیں تو مرض نے اور زیادہ شدت اِختیار کرلی اور آگے سفر کرنے کی ہمت نہ رہی اور غریب الوطنی میں اپنے نورِ نظر اور یتیم عبداللہ کو تنہا چھوڑ کر اس دُنیائے فانی سے رخصت ہوگئیں۔

والد کے بعد یہ دوسرا سہارا تھا ---- ماں کی مامتا کا سہارا جو شفقت و پیار کا سب سے بڑا سایہ ہوتا ہے، مگر اللہ رب العزت اپنے محبوب کو بچپن ہی سے صبر و تحمل اور استقلال کا عادی بنانا چاہتے تھے ----- اس لیے ایک ایک کر کے تمام ظاہری سہارے اور سائے آپ کے سر سے اٹھتے چلے گئے۔

عبدالمطّلب کی کفالت میں

حضرت سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا اس اندوہناک سفر میں ہمراہ تھیں اور آپ کی والدہ نے آپ کا ہاتھ اُن ہی کے ہاتھ میں دیا تھا کہ میرے دُرِ یتیم کو اس کے دادا عبدالمطّلب کے حوالے کردینا ---- عبدالمطّلب اپنے یتیم پوتے سے بے حد محبت کرتے تھے اور ایک لحظہ کے لیے اُسے اپنے سے الگ نہ ہونے دیتے۔

جب آپ کی عمر آٹھ سال ہوئی تو ماں کی طرح لاڈ پیار دینے والا ---- اور شفقت کرنے والا دادا بھی دنیا سے رخصت ہو گیا۔

عبدالمطّلب کے انتقال کے بعد عام طور پر مشہور تو یہی ہے کہ نبی اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی کفالت اور پرورش آپ کے چچا ابوطالب نے کی تھی۔

مگر تحقیقی اور پختہ بات اور حقیقت یہ ہے کہ عبدالمطلب کے بعد خاندان کا سرپرست اور عبدالمطلب کا جانشین ان کا بڑا بیٹا اور نبی اکرم ﷺ کا حقیقی اور سگا چچا زبیر بنا تھا، اور آپ کی پرورش کی ذمہ داری بھی اس کے کاندھے پر آن پڑی تھی۔

ابوطالب خود کثیر العیال شخص تھے اور پاؤں میں نقص کی وجہ سے ان کی معاشی حالت بہتر نہیں تھی ----- ابوطالب کے لیے تو اپنی اولاد کو پالنا اور پرورش کرنا مشکل ہو گیا تھا ------ چنانچہ نبی اکرمؐ اور حضرت عباس نے آپس میں مشورہ کر کے ان کے ایک ایک بچے کی پرورش اپنے ذمہ لی تھی ----- حضرت علیؓ نبی اکرم ﷺ کی پرورش میں آگئے اور حضرت جعفر کو حضرت عباس نے اپنی پرورش میں لے لیا۔ ذرا عقل کے معیار پر سوچیے کہ جو شخص اپنے بچوں کی کفالت اور پرورش کرنے سے عاجز ہو ----- اور جس کے اپنے بچے دوسروں کے گھروں میں پل رہے ہوں وہ دوسروں کے بچوں کی پرورش کیسے کر سکتا ہے۔

ہاں اگر کوئی بضد ہے کہ عبدالمطلب کے انتقال کے بعد آپ ابوطالب کی کفالت اور پرورش میں رہے تھے ----- تو میں ایسے شخص سے کہوں گا کہ معاشی طور پر مجبور ابوطالب نے میرے نبی کی پرورش کیا کرنی تھی ------ البتہ میرے نبی نے آٹھ دس سال کی عمر میں لوگوں کی بکریاں چرا کر اور محنت و مشقت اٹھا کر جو کچھ کمایا اس سے ابوطالب کے گھرانے کی پرورش ہوئی۔

بخاری کتاب الاجارہ باب رعی الغنم علی قراء بط میں ایک حدیث حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ امام الانبیاء ﷺ نے فرمایا اللہ کے ہر نبی نے بکریاں چرائی ہیں۔ صحابہ کرام نے پوچھا یا رسول اللہ آپ نے بھی بکریاں چرائی ہیں۔

آپؐ نے فرمایا ہاں میں بھی مکہ کے لوگوں کی بکریاں درہم و دینار کے معاوضے پر چرایا کرتا تھا۔

باکمال بچپن

تاریخ و سیرت کی کتابوں نے لکھا کہ آپ کا بچپن ----- اور بچپن کے حالات و عادات دوسرے بچوں سے یکسر مختلف تھے ---- مائی حلیمہ سعدیہ کہتی ہیں کہ بچپن میں آپؐ دوسرے بچوں کی طرح اپنے کپڑوں میں بول و براز نہیں کرتے تھے۔

آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم بچپن سے ہی شرم و حیاء کا مجسمہ تھے ----- کبھی برہنہ نہیں ہوئے۔

آپ کے چچا حضرت عباس جو عمر میں آپ سے دو تین سال ہی بڑے تھے ----- ایک تعمیر کے وقت انھوں نے دیکھا کہ پتھر اٹھانے کی وجہ سے آپ کے کاندھے زخمی ہو رہے ہیں ---- اس زمانے کے عربوں میں برہنگی اور ستر کا کھل جانا معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا، جس طرح آج کل یورپ میں برہنگی کوئی معیوب چیز نہیں سمجھی جاتی، ان کے کچھ قبائل تو برہنہ بیت اللہ کا طواف تک کرتے تھے۔

حضرت عباس نے ارادہ کیا کہ آپؐ کا تہبند کھول کر آپ کے کاندھے پر رکھ دیں تاکہ پتھر اٹھانے میں آسانی رہے۔ مگر کنواری لڑکیوں سے بڑھ کر شرمیلی طبیعت رکھنے والے محمدؐ یہ کب گوارا کرسکتے تھے ---- سیرت ابن ہشام میں ہے کہ حضرت عباس نے جونہی تہبند کھولنے کے لیے ہاتھ آگے بڑھانا چاہا آپ کی حالت غیر ہو گئی۔ عجیب سی کیفیت آپ پر طاری ہو گئی کہ حضرت عباس گھبرا گئے اور پیچھے ہٹ آئے۔

بچپن کا ایک اور واقعہ سُننے کے لائق ہے ---- یہ بلوغت کے قریب کا زمانہ ہے ---- عمر مبارک تقریباً تیرہ یا چودہ سال ہے، مکہ مکرمہ میں قریش کے ایک گھرانے میں شادی ہو رہی ہے ---- شادی کے موقع پر رات کے وقت

رقص و سرود اور ناچ گانے اور ڈھول ڈھمکے کا انتظام ہے۔

(جیسے آج کل ہمارے ہاں دولت مندوں کے ہاں اکثر و بیشتر شادیوں کے موقع پر مجرے کا انتظام کیا جاتا ہے اور گانے بجانے والوں کو اور ناچنے والیوں کو بلایا جاتا ہے اور پھر ساری رات ان پر دولت لٹائی جاتی ہے اور دادِ عیش دی جاتی ہے۔)

آپ کے کچھ دوستوں نے آپ کو بھی ساتھ چلنے کے لیے تیار کرلیا --- آپ فرماتے ہیں کہ --- محفل لہو و لعب --- کھیل تماشہ اور ناچ گانا شروع ہونے سے پہلے مجھ پر نیند کا ایسا غلبہ ہوا کہ میں وہیں کہیں سو گیا اور جب آنکھ کھلی تو صبح ہو چکی تھی --- مجھے کچھ معلوم نہیں کہ رات بھر وہاں کیا ہوتا رہا؟۔

شباب و جوانی

سامعینِ گرامی قدر ! امام الانبیاء ﷺ کے بچپن اور لڑکپن کے حالات و واقعات آپ نے سنے ---- اللہ رب العزت کی نگرانی میں آپ پروان چڑھے ---- معصوم بچپن کِتنا اجلا اور اجلی ہے۔ سبحان اللہ

شرم و حیا کا پیکر، گندی اور رذیل باتوں سے اجتناب اور مکروہ محفلوں سے کنارہ کشی ---- اس حال میں آپ نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا۔

تاریخ و سیرت کی کُتب کے مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ امام الانبیاء ﷺ اس حال میں جوان ہوئے کہ آپ اپنی پوری قوم میں انسانیت کے لحاظ سے سب سے اعلیٰ ---- اخلاق کے لحاظ سے سب سے اولیٰ --- حسب و نسب کے اعتبار سے سب سے مکرم ---- خاندانی وجاہت کے لحاظ سے مُحترم ---- ہمسائیگی کے لحاظ سے سب سے بہترین ---- حِلم و بردباری کے اعتبار سے سب سے عظیم ---- اخلاق میں ممتاز ---- بد اخلاقی اور غلیظ کاموں سے کوسوں دور تھے ---- اپنی امانت و دیانت، صدق و راست بازی،

تحمل و بُردباری، شرافت و حیاء کی وجہ سے پوری قوم آپؐ کو صادق اور امین کے نام سے پکارتی تھی۔

مکہ کا پورا معاشرہ بت پرست تھا---- بتوں کے آگے سجدہ ریزیاں عین دین سمجھی جاتی تھیں---- اپنے معبُودوں کو شفیع غالب سمجھ کر پکارا جاتا تھا---- اس شرک زدہ اور مُتعفن ماحول میں آپؐ کا دامن شرک کی آلودگیوں سے پاک رہا---- آپؐ نے کبھی غیر اللہ کی عبادت نہیں کی---- آپؐ کا مزاج ہمیشہ سے موحدانہ رہا۔

تجارتؐ اور نکاحِ خدیجہؓ

آپؐ اپنی عمر کی پچیس منزلیں طے کر کے ----- عین جوانی کے جوبن پر تھے کہ میدانِ تجارت میں قدم رکھا---- جو شخص بچپن ہی سے اپنی شرافت و دیانت اور صداقت و امانت میں پوری قوم سے ممتاز رہا ہو---- جو محمدؐ ابتداء سے ہی وعدے کا پختہ اور قولؐ کا سچا رہا ہو---- حِلم و تحمل کا پیکر رہا ہو---- اس محمدؐ نے جب تجارت کے میدان میں قدم رکھا تو آپ کی امانت داری، دیانت داری، صداقت و راست گوئی---- تجارت کے اسرار و رموز کو سمجھنا---- تجارت میں پختہ کاری و ترقی---- اس کا چرچا مکہ مکرمہ میں ہونے لگا۔

آپؐ کی ان خوبیوں اور ترقیوں کا علم عرب کی ایک مالدار تاجرہ خاتون خدیجہ بنت خویلد کو ہوا تو انھوں نے آپؐ سے درخواست کی کہ میرا مال تجارت لے کر آپؐ شام جائیں اور منافع میں شریک ہوں۔

شام کے اس تجارتی سفر میں حضرت خدیجہ کا غلام میسرہ بھی آپؐ کے ساتھ تھا---- نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم دوسرے تمام تاجروں سے زیادہ منافع کما کر واپس تشریف لائے---- حضرت خدیجہ یہ دیکھ کر بہت مسرور ہوئیں، مگر انھیں سب سے زیادہ خوشی اپنے غلام میسرہ کی زبانی---- آپؐ کے اوصافِ حمیدہ،

کردار کی بلندی، صداقت و امانت، معاملہ فہمی ---- حق گوئی کے بارے میں سن کر ہوئی۔

اپنے غلام کی زبانی آپؐ کی تعریف و توصیف سن کر حضرت خدیجہؓ نے آپؐ سے نکاح اور شادی کی درخواست کی جو آپؐ اپنے سرپرستوں سے مشورہ کرنے کے بعد قبول کرلی۔ حضرت خدیجہؓ کے بطن سے اللہ نے آپؐ کو چار بیٹیاں اور دو بیٹے عطا فرمائے۔

بیت اللہ کی تعمیر اور نصبِ حجرِ اسود

سیدہ خدیجہؓ سے نکاح اور شادی فرمائے تقریباً دس سال ہوگئے تھے اور آپؐ کی عمر مبارک تقریباً پینتیس سال ہوچکی تھی کہ سیلاب کے ایک ریلے سے بیت اللہ گرنے کے قریب ہوگیا۔

صنادید قریش کا مشورہ ہوا کہ بیت اللہ کو گرا کر نئے سرے سے تعمیر کیا جائے ------ اس کے لیے چندے کی اپیل کی گئی ---- مگر مشرکین مکہ نے چندہ کی اپیل کرتے ہوئے ---- ایک شرط بڑی عجیب لگائی جس سے واضح ہوتا ہے کہ ان کے دلوں کے کسی کونے کھدرے میں خوفِ خدا کی رمقیں موجود تھیں۔

طبقات ابن سعد جلد۱ صفحہ ۹۴ میں ہے کہ مشرکین مکہ کے مشورے میں طے پایا کہ بیت اللہ کی تعمیر کے لیے پاکیزہ اور حلال کمائی میں سے خرچ کیا جائے --- چوری چکاری، ڈاکا زنی، غصب اور غبن اور دوسرے حرام طریقوں سے کمائے ہوئے مال کا ایک پیسہ بھی اس میں نہیں ہونا چاہیے۔

بیت اللہ کو تعمیر کرتے ہوئے حجرِ اسود کے نصب کرنے کا وقت آیا تو ہر قبیلے کا مطالبہ یہ تھا کہ حجر اسود کو اپنی جگہ پر فٹ کرنے اور رکھنے کی سعادت ہمارے قبیلے کے حصے میں آنی چاہیے ---- ہر قبیلے کے نوجوان سینے تان کر

سامنے آگئے ---- قریب تھا کہ تلواریں میانوں سے باہر نکلتیں کہ ایک قریشی سردار اور رئیس ابوامیہ بن مغیرہ نے تجویز دی کہ کل جو شخص سب سے پہلے بیت اللہ میں آئے اس کو اپنا ثالث اور حکم تسلیم کرلیا جائے۔

دوسرے دن دیکھا گیا کہ سب سے پہلے آنے والے عبداللہ کے درِ یتیم اور آمنہ کے نورِ نظر محمدؐ تھے ---- قریش پہلے ہی سے آپؐ کی خوبیوں اور عاداتِ حسنہ سے باخبر تھے ---- آپؐ ادب و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

چنانچہ جونہی قریش کے سرداروں کی نظریں آپؐ پر پڑیں تو بے ساختہ پکار اٹھے :

هٰذَا مُحَمَّدُ الْاَمِیْنُ رَضِیْنَا هٰذَا مُحَمَّدُ الْاَمِیْنُ

یہ تو محمدؐ امین ہیں ہم سب محمدؐ امین پر راضی اور خوش ہیں۔

اب ہر شخص منتظر تھا کہ عبداللہ کا درِ یتیم کیا فیصلہ کرتا ہے ---- یا تو خود حجرِ اسود نصب کریں گے ---- یا کسی شخص کو نامزد کریں گے۔

مگر آپؐ نے انتہائی دل نشین، خوبصورت اور مدبرانہ فیصلہ فرمایا ---- اپنی چادر بچھائی، اس پر حجرِ اسود کو رکھا ---- اور ہر قبیلے کے سردار سے کہا کہ اس چادر کا ایک ایک حصہ اور گوشہ تھام لیں اور جہاں حجرِ اسود کو نصب کرنا ہے وہاں تک لے چلیں ---- پھر فرمایا تم سب مجھے حجرِ اسود کے نصب کرنے کے لیے وکیل بنادو ---- وکیل کا فعل چونکہ موکل ہی کا فعل ہوتا ہے، لہٰذا سب نے اس کو منظور کرلیا اور آپؐ نے سب کی طرف سے حجرِ اسود کو اپنے دستِ مبارک سے اس کے مقام پر رکھ دیا۔

آپؐ کے اس حکیمانہ فیصلہ سے اور خوبصورت تدبیر سے ایک الجھی ہوئی ڈور سلجھ گئی ---- لڑائی اور خونریزی کی کیفیت اور حالت امن و آشتی میں بدل گئی ---- قریش کے قبائل کا آپس میں غصہ اور نفرت ---- اتحاد و اتفاق میں

بدل گیا ---- ہر شخص آپ کے مدبرانہ اور خوبصورت فیصلہ کی داد دیتے ہوئے آپؐ کی تعریف میں رطب اللسان ہو گیا۔

عربؐ کی اعتقادی اور عملی حالتؐ

آپؐ نے مکہ کے جس ماحول میں اور جس معاشرے اور دور میں بچپن اور جوانی کے دن گزارے تھے ---- وہ معاشرہ عقائد سے لے کر اعمال تک ---- سیاست سے لے کر حکومت تک اور معاشرت سے لے کر معاملات تک انتہائی ابتر اور گھٹیا اور رذیل تھا۔

عقائد کے معاملے میں وہ اتنے نیچ اور رذیل تھے کہ اپنے ہاتھوں سے پتھروں اور لکڑیوں کے مجسمے، مورتیاں اور تصویریں بناتے تھے ---- اور انبیاء اور اولیاء سے ان کو منسوب کر دیتے تھے۔

یہ حضرت ابراہیمؑ کا بت ہے ---- یہ حضرت اسماعیلؑ کی مورتی ہے ---- یہ ہبل کا مجسمہ ہے ---- یہ لات کی تصویر ہے ---- پوجا اور عبادت اور پکار اور سجدے اور نذر و نیاز بظاہر بت اور مورتی کے سامنے ہوتے مگر یہ ساری تعظیمیں ان انبیاء اور نیک بندوں کے لیے ہوتیں جن کے نام پر وہ بت اور وہ تصویریں بنائی جاتیں۔

(احد کے میدان میں ابوسفیان نے "اعل ہبل" کا نعرہ لگا کر حضرت آدم علیہ السّلام کے بیٹے اور دنیا کے پہلے شہید ہابیل کو پکارا تھا ---- یہی ہابیل کا نام بدلتے بدلتے ہبل میں ڈھل گیا تھا۔)

عقائد کے معاملے میں اتنے گھٹیا اور نیچ تھے کہ سفر میں ہوتے تو ستو کو گھول کر اس کی ایک مورت بنا لیتے اور پھر اس کی پوجا پاٹ کر لیتے ---- تھوڑی دیر کے بعد بھوک ستاتی تو معبود کو ہی گھول کر پی جاتے۔

وہ جانوروں کو بتوں کے آستانوں پر جا کر بطور نذر و نیاز کے ذبح کرتے

تھے اور شوق و رغبت سے ان کا گوشت کھایا کرتے تھے۔

(بخاری کتاب مناقب الانصار)

شرک و کفر اور اعتقادی خرابیوں کے علاوہ اس معاشرہ کے رہنے والے لوگوں میں بے شمار عملی خرابیاں اور فساد بھی موجود تھے۔

مشرکین میں کچھ قبائل ایسے بھی تھے جو بیت اللہ کا طواف عریاں حالت میں کیا کرتے تھے ---- ان کے مرد اور ان کی عورتیں اپنے جسم کے تمام کپڑے بیت اللہ سے باہر اتار دیتے اور ننگے بیت اللہ کا طواف کرنا اللہ کی قربت کا ذریعہ سمجھتے۔

انھیں شیطان نے یہ پٹی پڑھائی تھی کہ جسم کے کپڑوں میں تم گناہ کرتے ہو لہذا گناہ والے کپڑے بیت اللہ میں لے جانا بیت اللہ کی توہین ہے۔

(جیسے آج ہمارے دور کے کچھ نادانوں کو یہ پٹی پڑھائی گئی کہ تم پلید ہو اس لیے اللہ رب العزت تمھاری نہیں سنتا ---- انھیں پڑھایا تمھارے کپڑے پلید ہیں اور انھیں پڑھایا کہ تم خود پلید ہو۔)

عملی حالت مشرکین عرب کی یہ تھی کہ شراب ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی ---- سود کو وہ تجارت و سوداگری کی طرح حلال سمجھتے تھے ---- زنا ان کے ہاں فیشن کا درجہ اختیار کر گیا تھا ---- لوٹ مار اور ڈاکا زنی ان کی وطیرہ تھا ---- چوری چکاری اور رہزنی عام تھی ---- سوتیلی ماں اور سوتیلی بہنوں کو وراثت میں لے کر اپنے بیوی بنا لینا ان کے نزدیک کوئی عیب نہیں تھا ---- معمولی باتوں پر لڑائیاں اور کشت و خون پر فخر کرتے تھے ---- غریبوں پر ظلم اور ان کے حقوق کو پائمال کرنا ان کے دائیں ہاتھ کا کھیل تھا ---- عورتوں پر ظلم و زیادتی ---- وراثت سے محرومی ---- اور طلاق کی کوئی تعداد متعین نہیں تھی۔

ایسے ابتر اور ہیچ ماحول میں عبداللہ کے در یتیم نے اپنی جوانی کے ایام

قابلِ رشک انداز میں گزارے ---- تمام زندگی شرک اور بت پرستی اور غیر اللہ کی نیاز سے دور رہ کر گزاری۔

ایک مرتبہ کسی نے آپؐ سے پوچھا:
کیا آپؐ نے کبھی بت پرستی کی ہے؟
آپؐ نے فرمایا: ---- کبھی نہیں
پھر پوچھا گیا:
کیا آپؐ نے کبھی شراب پی ہے؟
آپؐ نے جواب دیا: ---- کبھی نہیں۔

(خصائص کبریٰ جلد ا صفحہ ۸۹)

خلوت پسندی

مشرکین مکہ کی یہ ابتر حالت ----- شرک و کفر اور بد اعمالیاں یہ سب کچھ آپؐ کے سامنے تھا ----- مگر ان کی اصلاح کی کوئی سبیل نظر نہیں آتی تھی ----- طبیعت بے چین رہتی مگر آپؐ کا کوئی بس نہ چلتا ---- قاعدہ ہے کہ جب سلیم الفطرت انسان برائی کو دیکھے اور پھر اسے دور کرنے پر قادر نہ ہو ----- تو وہ چاہتا ہے کہ کم از کم اپنے آپ کو برے اثرات سے الگ رکھے ----- یہ وہ چیز تھی جس نے آپؐ کو غارِ حرا میں خلوت نشینی کی راہ دکھائی ---- آپؐ کے روز و شب غارِ حراء میں اللہ رب العزت کی عبادت اور ذکر میں بسر ہونے لگے۔

یہ غار مکہ مکرمہ سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر ہے ---- راستہ اتنا دشوار اور مشکل ہے کہ جوان آدمی کے لیے بھی وہاں تک پہنچنا دشوار ہے ---- یہ تین میل تیس میل سے بھی کٹھن محسوس ہوتے ہیں ---- یہ غار چار گز لمبا اور پونے دو گز چوڑا ہے۔

گھر سے کچھ ستو اور پانی ساتھ لیتے اور غارِ حرا میں پہنچ جاتے اور

جب تک کھانے پینے کا سامان ختم نہ ہوتا گھر تشریف نہ لاتے۔
غارِ حرا کی یہی خلوت کی زندگی ہے جسے قرآن نے وَ وَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى سے تعبیر کیا ہے ----- ضَآلًّا کا لفظ ہدایت کے مقابلے میں آتا ہے ----- مگر میں ضَآلًّا کا معنی گم راہ کرنے کو ادب کے خلاف سمجھتا ہوں۔
عرب کے لوگ کہتے ہیں ضَلَّ الْمَآءُ فِي اللَّبَنِ ----- پانی دودھ میں گم ہو گیا ---- پانی میں اپنا وجود مٹا دیا ---- اور ضَآلَّةٌ اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو گم ہو گئی ہو۔
ان باتوں کو سامنے رکھ کر معنی کرنا چاہتا ہوں :
وَ وَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى آپ نبوت کے عطا ہونے سے پہلے کھوئے ہوئے تھے ---- حیرانی کے عالم میں تھے ---- مجھ تک پہنچنے کے لیے سرگرداں تھے ---- فَهَدٰى میں نے اپنے تک پہنچنے کا آپ کو راستہ دکھا دیا۔
آپ کی عمر مبارک چالیس سال کی سرحد کو چھو رہی تھی کہ آپ کو سچے اور درست خواب دکھائی دینے لگے۔
ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں :
نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر وحی کی ابتداء رویائے صالحہ (سچے خواب) سے ہوئی جو خواب بھی آپ رات کو دیکھتے وہ صبح کی روشنی کی طرح پورا ہو کر رہتا۔
(صحیح بخاری باب کیف بدء الوحی)

غارِ حراء میں خلوت نشینی کا

تاجِ نبوّت دُرِ یتیم کے سر پر

تیسرا سال تھا ---
رمضان المبارک کا مقدس مہینہ تھا ---- آپ کی عمر چالیس سال چھ ماہ بارہ دن تھی ---- کہ رحمتِ الٰہی متوجہ ہوئی اور اس نے چاہا کہ شرک و کفر اور جہالت کی کالی چادر کا اندھیرا اب دور ہو ---- صبح کی روشنی چمکے ---- آپ غارِ حراء میں

مصروفِ ذکر و عبادت تھے کہ اچانک آپؐ کے سامنے جبریلِ امین نمودار ہوئے اور کہا: اِقْرَأْ ------ پڑھیے۔

آپؐ نے جواب میں فرمایا ---- مَا اَنَا بِقَارِئٍ ----- میں پڑھنا نہیں جانتا ---- میں آج تک کسی مکتب اور مدرسے میں نہیں گیا ----- میں نے قلم دوات کو کبھی ہاتھ نہیں لگایا۔

آپؐ کے جواب پر اس فرشتے نے آپؐ کو اپنی گرفت میں لیا اور دبایا اور پھر کہا: اقرأ ------ پڑھیے۔ آپؐ نے پھر وہی جواب دیا ----- ما انا بقارئ ----- میں پڑھنا نہیں جانتا۔

اس فرشتے نے پھر وہی عمل دہرایا اور وہی جُملہ کہا ----- میں نے وہی جواب دیا۔

غرضیکہ تین مرتبہ یہی عمل اور یہی سوال و جواب ہوئے ----- چوتھی مرتبہ فرشتے نے کہا:

﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ○ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ○ ﴾

اپنے رب کے نام کی مدد سے پڑھیے جو تمام مخلوقات کا خالق ہے (خصوصاً) انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ آپ پڑھیے آپ کا رب بہت کرم کرنے والا ہے جس نے قلم (تحریر) کے ذریعے (انسان کو) علم سکھایا۔ جس نے انسان کو وہ کچھ سکھایا جس سے وہ ناواقف تھا۔ (سورۂ علق ۹۶ : ۱۔۵)

آپؐ نے ان پانچ آیات کو پڑھا ---- ذہن میں اتارا ----- ساتھ ہی احساس ہوا کہ ایک بہت بھاری ذمہ داری میرے کاندھوں پر رکھ دی گئی ہے ---- اپنی عاجزی و بے بسی کا شعور ہوا ---- اللہ کی بھٹکی ہوئی اور گم گشتہ راہ مخلوق کو پڑھنے اور پڑھانے اور سدھارنے اور راہِ راست پر لانے کی

ذمہ داری اور اس بارے میں نا آشنائی ---- بشری تقاضوں کے مطابق خوف سے دل لرزنے لگا ---- بدن پر کپکپی اور رعشہ کی کیفیت ---- جیسے سردی سے آدمی کانپتا ہے۔

غار سے سیدھے گھر پہنچے ---- خدیجہؓ یہ کیفیت دیکھ کر حیران اور پریشان ہو گئیں ---- نبوت کے لبوں سے ایک ہی آواز آرہی ہے زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ ---- میرے اوپر کمبل ڈالو ---- مجھے کچھ اوڑھاؤ ---- جب حالت سنبھلی تو حضرت خدیجہؓ نے حقیقت جاننا چاہی۔ آپؐ نے جواب میں فرمایا: خَشِیْتُ عَلٰی نَفْسِیْ ---- مجھے اپنی جان کا خوف اور خطرہ ہے (کہ شاید میں وحی کے بوجھ کو برداشت نہ کرسکوں)

حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

كَلَّا وَاللّٰهِ لَا يُخْزِيْكَ اللّٰهُ اَبَدًا اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ

اللہ رب العزت آپؐ کو ناکام اور نامراد نہیں کرے گا ---- اللہ آپؐ کو غمگین اور بے بس نہیں کرے گا۔ کیونکہ آپؐ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ دوسروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں ناداروں کی خبر گیری کرتے ہیں۔ مہمانوں کی خدمت کرتے ہیں اور تمام معاملات میں حق کا ساتھ دیتے ہیں۔

حضرت خدیجہؓ آپؐ کو زبانی تسلی دینے کے بعد عملاً تسلی کے لیے ورقہ بن نوفل کے ہاں لے کر گئیں اور کہا ذرا اپنے بھتیجے کی بات سنیے گا ---- آپؐ نے غارِ حراء میں پیش آنے والا تمام واقعہ کہہ سنایا۔ ورقہ نے واقعہ سنتے ہی کہا:

هٰذَا النَّامُوْسُ الَّذِیْ كَانَ يَنْزِلُ عَلٰى مُوْسٰى

یہ وہی فرشتہ ہے جو حضرت موسیٰ پر وحی لے کر آیا کرتا تھا۔

کاش میں اس وقت تک زندہ رہوں جب تیری قوم تجھ کو وطن

(مکہ مکرمہ) سے نکال دے گی۔

آپؐ یہ بات سن کر حیران ہوئے کہ جو لوگ مجھے صادق اور امین کے لقب سے پکارتے ہیں ---- اپنے بڑوں سے بڑھ کر میرا احترام کرتے ہیں ---- اپنے بچوں سے زیادہ میرے ساتھ پیار کرتے ہیں ---- یہ لوگ مجھے مکہ سے نکلنے پر مجبور کردیں گے۔

ورقہ نے جواب میں کہا:

بے شک ایسا ہی ہوگا. کیونکہ جس پیغام کے لیے اللہ نے آپ کو منصب نبوت پر سرفراز کیا ہے اس پیغام کے لیے جو بھی بھیجا گیا قوم نے اس کے ساتھ یہی سلوک کیا ---- اگر وہ وقت میری زندگی میں آیا تو میں پوری قوت کے ساتھ تیری حمایت کروں گا (مگر ورقہ کو موت نے مُہلت نہ دی اور اس وقت سے پہلے ہی وہ اس دنیا سے رخصت ہوگیا۔)

فترتِ وحی

غارِ حراء میں منصبِ نبوت پر سرفرازی کے بعد ---- اور سورۃ العلق کی ابتدائی پانچ آیات کے نزول کے بعد کُچھ عرصہ کے لیے وحی کا سلسلہ مُنقطع ہوگیا۔ یہ عرصہ کِتنا تھا ---- اس میں مُختلف روایات پائی جاتی ہیں ---- چھ ماہ --- اڑھائی سال ---- تین سال۔

مگر صحیح بات یہ ہے کہ وحی کی یہ بندش چند دنوں کے لیے تھی ---- بیس دن کا قول فتح الباری جلد۱ صفحہ ۳۱۲ نے نقل کیا ہے۔

ابتداء میں آپؐ کو حکم ہوا کہ تبلیغ دین اور پیغامِ حق خُفیہ طریقے سے ہو ---- تمام سیرت نگار اور تمام مؤرخ اس بات پر مُتفق ہیں کہ نبوت و رسالت کے ابتدائی تین سال تک خُفیہ طریقے سے تبلیغ اسلام ہوتی رہی، جس کا مرکز دارارقم تھا ---- مُسلمان ہونے والے لوگ نمازیں بھی چھپ چھپ کر پڑھتے تھے۔ پھر تبلیغ دین کا پیغام حق سنانے کا دوسرا مرحلہ شروع ہوا۔

اپنے قریب تر رہنے والوں کو دعوت ----- گھر والوں کو---- برادری اور خاندان کے لوگوں کو----- دوست و احباب کو---- محلے والوں کو، پھر بستی والوں کو----- پھر آگے اور آگے---- پھر دور دور تک۔

آپؐ کو نبوت عطا ہونے کے چند دن بعد ہی یہ حکم دیا گیا:

﴿ یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَ ثِیَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ ﴾

اے کملی پوش اٹھ اور لوگوں کو (گمراہی کے برے انجام سے) ڈرا اور اپنے پروردگار کی کبریائی کو بیان کر اور اپنے لباس کو پاک کر۔ (المدثر ۷۴: ۱-۴)

پہلا مومن کون؟

نبوت و رسالت سے سرفراز ہونے کے بعد کچھ عرصہ ایسا گزرا جس میں آپؐ کو عام دعوت و تبلیغ کا حکم نہیں تھا---- مگر اس کے باوجود چند خوش بخت اور سعادت مند لوگ ایسے تھے جو اپنے آپ ہی شمع رسالت کے پروانے بن گئے۔

حضرت خدیجہؓ سب سے پہلے آپؐ پر ایمان لائیں---- حضرت خدیجہؓ کو یہ شرف حاصل ہے کہ مردوں اور عورتوں میں سب سے پہلی مومنہ ہیں۔

عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ ہی ایمان لائی ہوں----- کیونکہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے اپنے ساتھ غارِ حرا میں پیش آنے والا واقعہ انہی کے سامنے بیان کیا تھا۔

لیکن مردوں میں سب سے پہلے کون ایمان لایا؟ حضرت ابوبکرؓ، حضرت علیؓ یا حضرت زیدؓ

یہ مسئلہ کچھ اختلافی ہے----- کچھ لوگوں کا خیال بلکہ اصرار ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سب سے پہلے ایمان لائے۔

مگر امت کا اجماع اس بات پر ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سب سے پہلے دولتِ ایمان سے سرفراز ہوئے۔ خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ مِنَ الرِّجَالِ اَبُوْبَکْرٍ۔

مردوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے ابوبکرؓ ہیں۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۳ صفحہ ۲۷)

تفسیر مجمع البیان جلد ۳ صفحہ ۳۳ میں مشہور شیعہ عالم علامہ طبرسی نے تحریر کیا ہے:

اِنَّ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ بَعْدَ خَدِیْجَۃَ اَبُوْبَکْرٍ۔

سیدہ خدیجہؓ کے بعد سب سے پہلے اسلام لانے والے ابوبکرؓ ہیں۔

امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ کی مختلف روایات میں بڑی خوبصورت تطبیق دی ہے کہ:

آزاد مردوں میں سب سے پہلے سیدنا ابوبکرؓ ایمان لائے، عورتوں میں سب سے پہلے خدیجہ طاہرہؓ، بچوں میں سب سے پہلے سیدنا علیؓ اور غلاموں میں سب سے پہلے سیدنا زید بن حارثہؓ ایمان لائے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۳ صفحہ ۲۹)

☸ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ایمان قبول کرنے کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ بغیر کسی سوچ و بچار کے ----- اور بغیر کسی کے ساتھ مشورہ کیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔

ادھر امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اسلام کی دعوت پیش کی اور ایک لمحہ ضائع کیے بغیر انھوں نے اسے مان لیا۔

چنانچہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

مَا دَعَوْتُ اَحَدًا اِلَی الْاِسْلَامِ اِلَّا کَانَتْ عِنْدَہٗ تَرَدُّدٌ وَنَظَرٌ اِلَّا اَبَابَکْرٍ۔ (البدایۃ و النہایۃ جلد ۳ صفحہ ۲۷)

میں نے جس شخص کو بھی اسلام کی دعوت دی اس نے کچھ نہ کچھ جھجک، تردد اور فکر کا مظاہرہ کیا، سوائے ابوبکر کے ----- میں نے جونہی ان کو ایمان کی

دعوت دی تو انھوں نے فوراً اس کو قبول کرلیا۔

● سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے ایمان قبول کرنے کے بعد اس کو آگے پہنچانا شروع کردیا۔

وہ اسلام قبول کرنے کے بعد عثمانؓ بن عفان، طلحہؓ بن عبید اللہ، زبیرؓ بن العوام اور سعدؓ بن ابی وقاص کے ہاں گئے اور انھیں اسلام کی دعوت دی اور ایمان قبول کرنے کی ترغیب دی ---- اور ان سب حضرات کو ساتھ لے کر امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ------ اور یہ سب حضرات ایمان لے آئے۔

دوسرے دن عبدالرحمانؓ بن عوف، ابوعُبیدہ بن جراحؓ، عُثمانؓ بن مظعُون اور ارقم بن ابی ارقم کو دعوتِ ایمان دی۔ اور یہ سب جلیل القدر صحابیؓ، حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی محنت و دعوت سے دین اسلام میں داخل ہوئے۔

یاد رکھیے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کی وجہ سے نبوت کی پیٹھ مضبُوط ہوئی۔ اولین ایمان لانے والوں میں صرف حضرت ابوبکرؓ ہی تھے جنھوں نے تبلیغِ حق اور دعوتِ دین کا فریضہ سرانجام دیا----- ورنہ تو حضرت سیدہ خدیجہؓ ایک عورت تھی ---- حضرت علیؓ آٹھ سال کے کم سن تھے اور زیدؓ ایک غلام تھے -----

دعوت و تبلیغ کا یہ عمل اندر ہی اندر خُفیہ طریقے سے جاری رہا----- جن خوش نصیب لوگوں کی قسمت میں تقدیر نے لکھ دیا تھا وہ ایمان قبول کرکے اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ کے مرتبوں پر فائز ہوتے رہے ---- ان میں مکہ کے بااثر لوگ بھی تھے اور غریب باشندے بھی ---- آزاد مرد بھی تھے اور غلام بھی اور کچھ خوش بخت لونڈیاں بھی۔

ان میں ابوذر غفاریؓ بھی ہے ---- ان میں عمار یاسرؓ بھی ہے ----

ان کی والدہ سُمیّہؓ بھی ہے ----- والد یاسرؓ بھی ہے ----- پورا گھرانہ نورِ ایمان سے منور ہوا ------ ان میں حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہؓ بنت خطاب بھی ہے ----- حضرت ابوبکرؓ کی زوجہ محترمہ اسماءؓ بنت عمیس، ان میں آپؐ کی چچی حضرت عباسؓ کی بیوی ام فضلؓ بھی ہے۔

خُفیہ تبلیغ اور چھپ چھپ کے دعوت کا کام کرتا ----- اور تقریباً دو۲ سال کے قلیل عرصہ میں اتنے لوگوں کا اپنے آباء و اجداد کے مذہب و عقیدے کو چھوڑ کر اور شرک کو خیرباد کہہ کر توحید کو قبول کرلینا ----- اور اللہ رب العزت کی الوہیت و معبُودیت کو اپنے دل میں بسانا ----- میرے نبیؐ کی بہت بڑی کامیابی تھی۔

جس طرح دعوت و تبلیغ کا کام اندر ہی اندر جاری تھا ----- اسی طرح قریش مکہ کی مخالفت بھی اندر ہی اندر ہو رہی تھی۔

مشرکینِ مکہ کا خیال تھا کہ چند دنوں کا جوش ہے ---- جذباتی نوجوانوں کی جذباتی کارروائیاں ہیں ---- چند دنوں کے بعد جوش ٹھنڈا پڑجائے گا تو یہ جذباتی لوگ بُلبُلے کی طرح بیٹھ جائیں گے اور چند دنوں میں اسلام کا یہ پودا اپنی جڑوں سے اکھڑ کر صفحۂ ہستی سے مٹ جائے گا۔

مگر اسلام کی دعوت میں ----- اور میرے نبی کی تبلیغ میں وہ کشِش تھی کہ جس کے کان میں توحید کا کلمہ پڑ جاتا وہ اس کے بارے سوچنے پر مجبور ہوجاتا ---- پھر دائرہ اسلام میں داخل ہوجاتا ----- یوں اسلام کا اور حق کا یہ قافلہ اور کارواں دن بدن بڑھتا رہا۔ ؎

میں اکیلا ہی چلا تھا جانبِ منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

و ما علینا الا البلاغ المبین

سیرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ۔ ۲

نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ اَمَّا بَعۡـــدُ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطَانِ الرَّجِیۡمِ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿ فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ وَ اَعۡرِضۡ عَنِ الۡمُشۡرِکِیۡنَ (حجر ۱۵: ۹۴) وَ اَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ ۙ وَ اخۡفِضۡ جَنَاحَکَ لِمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۚ (الشعراء ۲۶: ۲۱۴-۲۱۵) وَ قُلۡ اِنِّیۡۤ اَنَا النَّذِیۡرُ الۡمُبِیۡنُ (۱۵: ۸۹) لَقَدۡ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِذۡ بَعَثَ فِیۡہِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡ اَنۡفُسِہِمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتِہٖ وَ یُزَکِّیۡہِمۡ وَ یُعَلِّمُہُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَۃَ ۚ وَ اِنۡ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴾

(سورۃ آلِ عمران ۳: ۱۶۴)

بلا شک اللہ رب العزت نے ایمان والوں پر احسان کیا ہے کہ ان ہی میں سے ایک رسُول ان میں مبعوث فرمایا جو ان کو اللہ کی آیات پڑھ پڑھ کر سناتا ہے اور ان کے قلوب کا تزکیہ کرتا ہے اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ یقیناً وہ لوگ اس رسُول کے آنے سے پہلے واضح اور کھلی گمراہی میں تھے۔

(صَدَقَ اللّٰہُ الۡعَلِیُّ الۡعَظِیۡمُ)

سامعینِ گرامی قدر! امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ کی حیاتِ طیبہ اور مبارک زندگی کے دو حصے ہیں ---- زندگی کا ایک حصہ وہ ہے جو نبوت و رسالت کے

عطا ہونے سے پہلے گزارا ---- اور آپ کی حیاتِ طیبہ کا دوسرا حصہ وہ ہے جو آپؐ نے نبوت و رسالت سے سرفراز ہونے کے بعد بسر فرمایا۔

یوں کہہ لیجیے کہ زندگی کا ایک حصہ وہ ہے جو آپؐ نے محمد بن عبداللہ کی حیثیت سے بسر کیا ---- اور دوسرا حصہ وہ ہے جو آپؐ نے محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی حیثیت سے گزارا۔

زندگی کے دونوں حصے ---- قبل از نبوت بھی اور بعد از نبوت بھی معصومیت کے ساتھ بسر ہوئے ---- ویسے بھی معصومیت نبوت کی اولین صفات میں سے ایک وصف ہے۔

پیغمبر کی سیرت و کردار میں کوئی عیب اور نقص تو دور کی بات ہے ---- پیغمبر کے وجود اور جسم میں بھی کوئی عیب اور نقص اور کمی نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ کی سنت رہی ہے کہ وہ اپنے نبی کو ہر جسمانی عیب سے پاک اور منزہ پیدا کرتا ہے ---- تمام نبی حسین، خوبصورت اور جسمانی عیوب سے منزہ تھے۔

آپ گزشتہ خطبہ میں سن چکے ہیں کہ امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ابتدائی دور کے کچھ عرصہ میں خفیہ طریقے سے دعوت و تبلیغ کا کام کرتے رہے ---- جس کے نتیجے میں کچھ خوش نصیب لوگ ایمان کی دولت سے مالا مال ہوئے ---- پھر اللہ رب العزت کی طرف سے حکم ہوا: ﴿ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ ---- "آپ کو جس بات کا حکم دیا گیا ہے اس کو واضح طور پر بیان کیجیے اور مشرکین کی پرواہ نہ کیجیے۔

کوہِ صفا پر اعلانیہ دعوت

حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت اتری:

﴿ وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴾ (سورۂ شعراء ۲۶ : ۲۱۴) "اور اپنے

قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے "۔

اس حکم کی تعمیل میں آپ صفا کی پہاڑی پر چڑھے اور ایک ایک قبیلے کا نام لے کر بلانا شروع کیا ---- اے بنی عدی، اے بنی ہاشم، اے بنی امیہ، اے بنی فہر ---- یَا صَبَاحَاهُ ---- (یہ جملہ ایسے موقع پر بولا جاتا ہے جب کوئی عظیم اور عجیب واقعہ رونما ہو جاتا اور لوگوں کو جمع کرنا مقصود ہوتا۔)

سب لوگ پہاڑی کے دامن میں اکٹھے ہو گئے تو آپ نے فرمایا:

میں نے چالیس سال کا ایک طویل عرصہ تمھارے اندر گزارا ہے ---- اس میں میرا بچپن، میرا لڑکپن، میری جوانی، میری تجارت، میرے معاملات، میری شادی، میری غمی، میرا بکریاں چرانا، میرا تجارت کی غرض سے سفر کرنا --- سب کچھ تمھارے سامنے ہے ---- تمھارے اندر میرے بچپن کے دوست موجود ہیں اور تمھارے اندر میری جوانی کے ساتھی موجود ہیں ---- بچپن کے دوستوں سے اور جوانی کے ساتھیوں سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہوتی ---- بتلاؤ تم نے چالیس سال کے اس طویل عرصہ میں مجھے کیسا پایا؟ میری زندگی کی سفید چادر پر کوئی داغ اور دھبہ دکھا سکتے ہو؟۔

آج میرے نبی نے اپنی نبوت کی صداقت کے لیے کوئی عملی معجزہ پیش نہیں فرمایا --- آج چاند دو ٹکڑے کر کے نہیں دکھایا ---- آج کنکریوں نے کلمہ نہیں پڑھا --- بلکہ آج اپنی صداقت کے ثبوت میں میرے نبی نے اپنی بے داغ اور معصوم زندگی کو پیش فرمایا ---- قوم کے تمام لوگوں نے جواب میں کہا:

جَرَّبْنَاكَ مِرَارًا مَا رَأَيْنَا فِيْكَ اِلَّا صِدْقًا

عبد اللہ کے در یتیم ! ہم نے بارہا تجھے آزمایا، تجھے ہمیشہ سچا ہی پایا۔

اپنی صداقت کی گواہی کے بعد فرمایا:

﴿ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ﴾

میں تم سب کی طرف اللہ کا رسُول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

آپؐ کے اِس اعلان پر کسی نے تعجب کا اِظہار نہیں کیا---- کسی نے پتھر نہیں اٹھایا----- کیونکہ انبیاء کے تو وہ قائل تھے----- حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کے نہ صرف وہ قائل تھے، بلکہ محبت کے مدعی بھی تھے۔ کہنے لگے: اگر تم اللہ کے رسُول ہو تو پھر جو پیغام لائے ہو وہ سناؤ----- آپؐ نے فرمایا:

"قُولُوا: "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" تُفْلِحُوا"۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا اِقرار کرلو تو کامیابی و کامرانی تمھارے قدم چومے گی۔

میرے نبیؐ کی ابتدائی دعوت چار لفظی دعوت تھی----- لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

لیکن ذرا غور فرمائیے! اس دعوت میں اور اس پیغام میں آپ نے نہ ان کے معبُودوں کا نام لیا---- نہ ان کے بتوں کا تذکرہ کیا---- نہ یہ کہا جن کی پکار تم کرتے ہو وہ تمھاری پکار سُننے کی طاقت نہیں رکھتے---- وہ مسجُود نہیں ہیں---- ان کے نام کی نذر و نیاز نہ دیا کرو---- تمھارا نفع نُقصان ان کے ہاتھ میں نہیں ہے---- وہ عالم الغَیب اور مُختارِ کُل نہیں ہیں---- وہ مُشکل کشا اور حاجت روا نہیں ہیں----- ان کی عبادت و پکار چھوڑ دو۔

آپؐ نے یہ سب کچھ نہیں کہا۔ آپؐ نے ان کے معبُودوں کا نام تک نہیں لیا---- آپؐ نے ان کے معبُودوں پر تنقید نہیں کی---- پھر وہ لوگ اس چار لفظی دعوت کو سن کر آگ بگولا ہوگئے۔

وہ پا کیوں ہوگئے---- ان کے تن بدن میں آگ کیوں لگ گئی ---- پھر انھوں نے اس دعوت کے مقابلے میں کمر کیوں کس لی؟۔

آئیے میں آپ کو اس کی وجہ بتاتا ہوں------ وجہ یہ تھی کہ وہ عربی دان تھے---- عربی ان کی مادری زبان تھی۔ وہ اِلٰہ کے معنی اور مفہُوم کو سمجھتے

تھے ---- انھوں نے دیکھا کہ "اِلٰہ" پر "لَا" کی تلوار داخل ہے اور "اِلَّا" کے ساتھ صرف اللہ کا استثناء ہو رہا ہے ---- انھیں سمجھ آگئی کہ اس چار لفظی دعوت کا مطلب اور نتیجہ یہ ہے کہ وہ تین سو ساٹھ معبود جو بیت اللہ میں سجائے ہوئے ہیں، ان کے پلّے کچھ نہیں ہے ----- وہ معبود و مسجود بننے کے لائق نہیں ---- وہ نذر و نیاز کے لائق نہیں ---- وہ ہماری پکاریں سن نہیں سکتے اور ہمیں نفع و نقصان پہنچانے پر وہ قادر اور مختار نہیں ہیں۔ اس لیے انھوں نے حیرت و تعجب کے ملے جلے جذبات میں آ کر کہا:

﴿ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ﴾

(اس نبی نے) تمام معبودوں کا کیا ایک معبود بنالیا، یہ چیز تو بڑی عجیب ہے۔ (۳۸ : ۵)

ہم چونکہ اردو دان ہیں ---- پنجابی اور پشتو سمجھتے ہیں ----- عربی سے نابلد ہیں، اس لیے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے وظیفے بھی پڑھتے رہتے ہیں اور ساتھ ہی یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئا للہ کے ورد بھی کرتے رہتے ہیں ---- ہم لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ بھی پڑھتے رہتے ہیں اور قبروں، مزاروں پر سجدے بھی کرتے رہتے ہیں ----- غیراللہ کی نیازیں بھی دیتے رہتے ہیں ---- غیراللہ کی پکاریں بھی کرتے رہتے ہیں۔)

ابولہب کا جواب

کوہِ صفا پر آپ کے واضح پیغامِ توحید کے جواب میں تمام مشرکین کی نمائندگی کرتے ہوئے ابولہب (آپ کا سگا چچا بھی اور پڑوسی بھی) نے پتھر اٹھا کر دے مارا۔ اور ساتھ ہی چلانے لگا:

تَبًّا لَّكَ سَائِرَ الْيَوْمِ اَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا (بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۰۲)

محمد! تیرے ہاتھ ٹوٹ جائیں ---- تیری تباہی ہو، کیا تو نے اس پیغام

کے لیے ہم سب کو یہاں جمع کیا تھا؟۔

امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم حیران ہیں ----- سر سے خون بہہ رہا ہے ---- پریشان ہیں۔ یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ ---- صادق و امین کے القاب سے یاد کرنے والے آج کذاب کہہ رہے ہیں ---- اپنے جھگڑوں میں ثالث اور جج ماننے والے آج مجنون کہہ رہے ہیں --- راستے میں پھول بچھانے والے آج کانٹے بچھا رہے ہیں ---- چچا پیار کرنے والا چچا بجائے دعا دینے کے تباہی و ہلاکت کی بد دعائیں دے رہا ہے۔

اللہ رب العزت نے فرمایا: میرے محبوب پیغمبر تو نے اپنے چچا کو جواب نہیں دینا ---- اس نے آج تک تو آپ کو کبھی بد دعا نہیں دی۔ آج تو نے میرا نام لیا اور میری توحید بیان کی تو بد دعا دینے لگ گیا۔

میرے محبوب پیغمبر! میرے اور تیرے درمیان یہ معاہدہ ہو گیا ہے کہ فرش پر تو نے میرا گلہ نہیں سہنا ---- اور عرش پر میں نے تیرا گلہ نہیں سہنا ---- تیرے چچا کو بھی آج جواب میں دوں گا۔

﴿ تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ﴾

ابولہب کے دونوں ہاتھ تباہ ہوں اور وہ (خود بھی) ہلاک ہو۔

دعوت میں وسعت

کوہِ صفا پر واضح اور برملا اعلان اور پیغام سنانے کے بعد امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے برملا اور کھلے بندوں اپنی دعوت و پیغام پہنچانے کے لیے کمر کس لی ---- مکہ کی گلیوں میں اور کوچوں میں ---- ہر میلے ٹھیلے میں جا جا کر ---- خلوت و جلوت کی محفلوں میں ---- قریش کی مجلسوں میں ---- سوقِ عکاظ میں ---- تجارتی منڈی میں پہنچ کر اپنی چار لفظی دعوت ---- دعوتِ توحید پہنچاتے اور سناتے ---- اللہ ہی کی الوہیت کو ماننے کی دعوت دیتے اور شرک و کفر اور بت پرستی سے روکتے۔

اکثر جگہوں پر آپ دعوتِ توحید سنانے کے لیے جاتے تو سرداران قریش آپ کے پیچھے پیچھے ہوتے۔ پتھر بھی مارتے جاتے اور ساتھ ساتھ چلا چلا کر کہتے یہ دیوانہ ہے، جادوگر ہے ---- ہمیں ہمارے آباء و اجداد کے دین و مذہب سے برگشتہ کرنا چاہتا ہے۔

پیغامِ توحید کو روکنے کے مختلف ہتھکنڈے

مکہ کے قریش سردار آپؐ کی دعوت کے روز بروز پھیلنے سے پریشان تھے ---- سر جوڑ کر بیٹھتے اور سوچتے تھے کہ اس شخص کا مقابلہ کس طرح کریں ------ اس دعوت کو اور اس پیغام کو پھیلنے سے کس طرح روکیں؟ ---- انھیں احساس تھا کہ پیغام توحید دلوں میں گھر کر رہا ہے ---- عوام پہلے ہی سے محمدؐ کی ذات و شخصیت سے متاثر ہیں ---- اگر انھیں چھوٹ دی گئی اور اسی طرح یہ دعوت چلتی رہی تو ہمارا اور ہمارے آباء و اجداد کا دین ختم ہو جائے گا۔

قریش کے معتمد علیہ سردار، تجربہ کار اور با اثر لوگ ابوطالب کے ہاں پہنچے اور انھیں مجبور کیا کہ اپنے بھتیجے کو اس نئے فتنے (العیاذباللہ) دعوت توحید سے اور ہمارے معبودوں کی توہین سے روکا جائے اور اگر وہ نہیں رکتا تو پھر آپ درمیان سے ہٹ جائیں --- ہم جانیں اور محمدؐ!

ابوطالب نے آپؐ سے اس سلسلہ میں گفتگو کی اور سفارش کی کہ اس دعوت سے رک جاؤ ---- میں بوڑھا تیرا دفاع نہیں کر سکتا ہوں۔

آپ نے اپنے چچا ابوطالب کی اس بات کے جواب میں فرمایا:

اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر آفتاب اور بائیں ہاتھ پر مہتاب بھی لا کر رکھ دیں اور یہ مطالبہ کریں کہ میں اس دعوتِ توحید کو چھوڑ دوں تو میں ہرگز اس کو نہیں چھوڑ سکتا۔

یہاں تک کہ اللہ یا تو دین کو غالب کر دے یا پھر میں اس کے لیے اپنی زندگی کھپا دوں۔ (سیرت ابن ہشام جلد ا صفحہ ۲۶۵، البدایہ والنہایہ جلد ۳ صفحہ ۴۷)

ظلم و ستم دُوسرا ہتھکنڈا

ابوطالب کے پاس وفد کی اسکیم ناکام رہی ---- ابوطالب کو آپؐ نے ٹکا سا جواب دے دیا اور پیغامِ توحید سنانے میں پہلے سے زیادہ تیزی آگئی ---- آپؐ کی روش میں رائی کے دانہ کے برابر تبدیلی نہیں آئی۔

اب انھوں نے پیغامِ توحید اور دعوتِ دین کو دبانے کے لیے ایک دوسرا ہتھکنڈا اور اسکیم تیار کی ---- نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر اور آپ پر ایمان لانے والے صحابہ پر ---- خصُوصًا وہ لوگ جو کمزور اور بے بس ہیں ---- ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جائیں ---- انھیں جسمانی اور ذہنی اذیت دی جائے ---- انھیں دردناک سزائیں دی جائیں ---- تاکہ وہ غریب اور نادار لوگ ہمارے ظلم و ستم کے سامنے ہتھیار ڈال دیں اور اس نئی دعوت سے مُنھ موڑلیں ---- اور جو لوگ اسلام کی طرف کچھ رجحان اور میلان رکھتے ہیں وہ ان عبرت ناک سزاؤں اور مظالم سے خوف زدہ ہوکر اسلام لانے اور اس دعوت کو قبول کرنے کی جرأت اور ہمت ہی نہ کرسکیں۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو تپتے ہوئے کوئلوں پر لٹایا جاتا ---- ان کی چربی پگھل پگھل کر کوئلوں کو راکھ بنا دیتی ---- نمک ملا پانی ان کے زخموں پر چھڑکا جاتا ---- مکہ کی نوکیلی زمین پر انھیں گھسیٹا جاتا، مگر قریش کے گمان اور اسکیم کے برعکس بلال احد احد کا نعرہ لگاتے رہتے۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما ---- ان کی والدہ سُمیّہؓ اور ان کے والد یاسرؓ کو رسیوں سے باندھ کر مکہ کے چوراہوں پر پیٹا جاتا ---- ان کی والدہ سُمیّہؓ کو انتہائی بے دردی اور سفاکی سے شہید کر دیا گیا۔

حبیب رومی رضی اللہ عنہ کو اتنا مارا جاتا کہ ان کے اوسان خطا ہوجاتے۔

ابو فکیہہ رضی اللہ عنہ صفوان بن امیہ کے غلام تھے ان کے پاؤں میں رسی باندھ کر گھسیٹا جاتا اور گرم ریت پر لٹایا جاتا۔۔۔۔۔ ان کے سینے پر چڑھ کر کودا جاتا جس سے ان کی پسلیاں ٹوٹ گئیں۔

حضرت خباب رضی اللہ عنہ کو دہکتے ہوئے انگاروں لٹایا جاتا اور ایک شخص ان کے سینے پر چڑھ کر کھڑا ہوجاتا۔

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو ایک مشرک نے چہرے پر اس زور سے طمانچہ مارا کہ ان کی آنکھ شہید ہوگئی۔

حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا کو ستایا گیا اور مارا گیا اور لوہے کی گرم سلاخیں ان کی آنکھوں میں پھیر دی گئیں۔

یہ تو وہ لوگ ہیں جو مجبور اور مقہور تھے۔۔۔۔ بے بس اور زیردست تھے۔۔۔۔ جن کا کوئی قبیلہ اور کوئی حمایتی نہیں تھا۔

ان کے علاوہ با اثر لوگ اور باحیثیت لوگ بھی قریش کے ظلم و ستم سے بچ نہ سکے۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو ان کا چچا حکم چٹائی میں لپیٹ کر نیچے سے اتنا دھواں دیتا کہ ان کا دم گھٹنے لگتا۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو ان کی ماں نے صرف ایمان قبول کرنے کے جرم میں گھر سے باہر نکال دیا۔

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر ظلم وجفا

اصحاب رسول پر یہ ظلم و ستم جس کی کچھ داستان آپ نے سنی۔۔۔ یہ ظلم وستم صرف اصحاب رسول کے ساتھ نہیں تھا بلکہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی ظلم وجفا اور ستم کا ہر حربہ استعمال کیا گیا۔۔۔۔

آپ کو بھی جسمانی اور ذہنی اذیتیں پہنچائی گئیں۔

کسی نے کہا جادوگر ہے، کسی نے کہا شاعر ہے، کسی نے کہا مجنون ہے، کسی نے کہا کاہن ہے، کسی نے کہا کذاب ہے، آپ کا مذاق بنایا گیا ----- لوگوں نے آپ کا نام بگاڑا اور کہا یہ "محمد" نہیں "مذمم" ہے۔

گلے میں رسّی ڈال کر گھسیٹا گیا ----- آپ سجدے میں گئے تو جسمِ اقدس پر گند ڈال دیا گیا ---- راستے میں کانٹے بچھائے گئے ---- پتھروں کی بارش ہوئی ---- سر مبارک سے خون بہنے لگا۔

ایک شخص بھی مرتد نہیں ہوا

اصحابِ رسُول پر جو مظالم اور ستم ہوئے ---- ان میں سے ایک شخص بھی ایسا نہیں تھا جو اسلام سے دست بردار ہوجاتا ---- یا زبان پر شکوہ لاتا کہ ہم محمد کی وجہ سے مُصیبت میں گرفتار ہوئے ----- یا کفر و اسلام کے درمیان کوئی سمجھوتا کرتا ----- اصحابِ رسُول پر قربان جاؤں، انھوں نے ہر ظلم سہہ لیا، ہر مُصیبت جھیل لی، ہر دکھ اٹھالیا، ہر پریشانی برداشت کرلی، مگر محمدؐ عربی کے دامن کو نہیں چھوڑا۔

لالچ و ترغیب تیسرا ہتھکنڈا

یاد رکھیے حق کی آواز کو اور سچ کے پیغام کو شروع میں دھمکیوں سے، جبر و زیادتی سے اور ظلم و ستم سے دبانے کی کوشش ہوتی ہے --- جب یہ پتا اور یہ حربہ ناکام ہوجاتا ہے تو پھر حق کے داعی کو لالچ دے کر خریدنے کی کوشش ہوتی ہے۔

مشرکین مکہ ---- جبر و اکراہ والے حربے میں ناکام ہوئے تو دنیا اور دولت کا لالچ والا ہتھکنڈا استعمال کیا۔

اپنے ایک سردار عُتبہ کے ذریعہ پیش کش کی کہ اے محمد! اگر

اس نئے دین سے اور اس جد و جہد سے تمھارا مقصد مال اور دولت جمع کرنا ہے
تو ہم تمھیں اتنا مال دینے کے لیے تیار ہیں جتنا تم مانگ سکتے ہو۔
اور اگر مقصد حسینہ اور جمیلہ عورتوں کی خواہش ہے تو مکہ کی جس دوشیزہ
پر ہاتھ رکھ دو ہم تیرے نکاح میں دینے کے لیے تیار ہیں۔
اور اگر مقصد سرداری و قیادت و بادشاہی ہے تو ہم مکہ کی سرداری
تیرے حوالے کرنے کے لیے تیار ہیں ----- مگر تم اپنی اس دعوت سے اور
اس پیغام سنانے سے باز آجاؤ۔

عُتبہ کے جواب میں آپؐ نے فرمایا:

میں اللہ کا رسُول اور نمائندہ ہوں جو اندازہ تم نے میرے متعلق لگایا ہے
وہ صحیح اور درست نہیں ----- پھر آپؐ نے سورت حم سجدہ کی ابتدائی آیات کی
تلاوت فرمائی۔

عُتبہ ایک دانا اور معاملہ فہم شخص تھا، اللہ کے کلام کو آپؐ کی زبان
مقدس سے سن کر مبہوت اور ششدر رہ گیا۔

سوشل بائیکاٹ چوتھا ہتھکنڈا

مکہ مکرمہ میں حق و باطل کی یہ چپقلش جاری تھی
------ دین سے روکنے کے تمام ہتھکنڈے استعمال ہو رہے تھے ---- مگر
خوش نصیب لوگ اسلام کے دامن سے وابستہ ہو رہے تھے ---- مشرکین مکہ
کے لیے یہ بات ایک دھچکا تھی کہ قریش کے ایک اعلیٰ فرد اور عبد المطلب کے
بیٹے ---- امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے رضاعی بھائی اور چچا ---- انتہائی بہادر و
جنگجو ---- تیر اندازی اور تلوار زنی کے ماہر امیر حمزہ (رضی اللہ عنہ) دائرۂ اسلام میں
داخل ہوگئے اور ابھی یہ صدمہ تازہ تھا ---- اور مشرکین اپنے زخموں کو سہلا
رہے تھے کہ مکہ مکرمہ کے ایک قوی الجثہ نامور پہلوان، بہادر و شجاع، بارعب

اور دبدبہ کے بادشاہ اِنتہائی جاہ و جلال کے مالک مکہ مکرمہ کا ایک نامور نام عمر بن الخطاب نے بھی دین اسلام کو گلے سے لگالیا۔

اب مشرکین مکہ کا پارہ اور آپ ہو گیا ---- انھوں نے مل کر ایک تحریری معاہدہ کیا کہ جب تک بنو ہاشم اور بنو مطلب محمد کو ہمارے حوالے نہیں کرتے کہ ہم انھیں قتل کردیں، اس وقت تک ان دونوں خاندانوں سے تعلقات مُنقطع کر لیے جائیں اور ان کا سوشل بائیکاٹ کیا جائے۔

چنانچہ اس معاہدہ کے نتیجے میں نبی اکرم ﷺ اپنے خاندان کے ہمراہ شعب بنی ہاشم میں محبوس رہے ---- تاریخ و سیرت کی کُتب گواہ ہیں کہ یہ تین سال نہایت سنگین تھے ----- سودا سلف اور کھانے پینے کی اشیاء ان تک نہیں پہنچتی تھیں ---- درختوں کے پتے ابال ابال کر کھانے پر سب مجبور تھے ---- معصوم بچے بھوک سے روتے تو ان کی آواز دور دور تک سنائی دیتی۔

ہجرتِ حبشہ

آپ سن چکے ہیں کہ امام الانبیاء ﷺ کو اپنے گھر والوں اور خاندان سمیت تین سال تک شعبِ بنی ہاشم میں انتہائی مصائب اور دکھ برداشت کرکے رہنا پڑا ----- کیونکہ مشرکینِ مکہ نے پیغامِ توحید اور حق کی آواز کو دبانے کے لیے سوشل بائیکاٹ کا فیصلہ کرلیا تھا ---- یہ ۷ھ نبوی کا واقعہ ہے ---- میں نے اس واقعہ کو اس لیے پہلے بیان کردیا تاکہ حق کی آواز کو روکنے کے لیے مشرکین نے جو مُختلف ہتھکنڈے استعمال کیے تھے ان کا ذکر مسلسل اور اکٹھا ہو جائے۔

۵ھ نبوی میں بارہ مرد اور چار عورتوں کے ایک مُختصر سے قافلے نے حبشہ کی جانب ہجرت کے لیے رختِ سفر باندھ لیا ---- اس قافلے میں حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اپنی زوجہ مُحترمہ حضرت رقیہ بنت محمد کے ساتھ شریک تھے۔

کچھ دنوں کے بعد ایک بڑا قافلہ جس میں تراسی مرد اور اٹھارہ عورتیں

شامل تھیں ـــــ حبشہ روانہ ہو گیا ـــــ اس قافلے میں سیدنا جعفر طیار بھی تھے
جنھوں نے آگے جا کر دعوت و تبلیغ کا بہت عظیم کارنامہ سرانجام دیا۔
یہ دونوں ہجرتیں اسلام میں اولین ہجرت کا درجہ رکھتی ہیں۔
قریش مکہ کب برداشت کر سکتے تھے کہ مظلوم مسلمان حبشہ میں جا کر
عیش و آرام اور سکون کی زندگی گزاریں۔ چنانچہ انھوں نے ایک وفد تشکیل دیا
جس کے قائد مکہ کے ایک انتہائی مدبر اور گفتگو کرنے کے ماہر عمرو بن العاص
بنائے گئے۔
بادشاہِ حبشہ کے لیے اور دربار کے وزراء اور مشیروں کے لیے نادر
اور قیمتی تحائف کا انتظام بھی کیا گیا۔ پھر دربار میں جا کر عمرو بن العاص نے شاہ
حبشہ نجاشی سے کہا:
ہمارے شہر کے چند نادانوں نے ایک نیا مذہب اور دین ایجاد کر لیا
ہے ـــــ وہ ہمیں گمراہ اور ہمارے آباء و اجداد کو غلط سمجھتے ہیں ـــــ وہ بھاگ کر
آپ کے ملک میں پناہ گزین ہو گئے ہیں۔ آپ مہربانی اور شفقت کریں اور انھیں
ہمارے حوالے کر دیں تاکہ ہم انھیں واپس اپنے وطن مکہ لے جائیں۔
نجاشی نے کہا: میں صرف آپ کی بات سن کر ان لوگوں کو آپ کے
حوالے نہیں کروں گا۔ بلکہ انھیں دربار میں تمھارے روبرو طلب کر کے حقیقتِ
حال معلوم کروں گا کہ وہ نیا مذہب کیا ہے؟۔
اب نجاشی کے بلانے پر مسلمان دربار میں حاضر ہوئے اور اپنا نمائندہ ۲۳
سالہ نوجوان، امام الانبیاء ﷺ کا چچازاد بھائی ـــــ اور حضرت علیؓ کے
بڑے بھائی سیدنا جعفر طیار کو بنایا۔
نجاشی نے نئے مذہب کے بارے سوال کیا: سنا ہے تم نے کوئی نیا
دین ایجاد کر لیا ہے ـــــ ذرا مجھے بھی بتاؤ تم چاہتے کیا ہو؟۔

نجاشی کے مطالبے پر غیر مسلم ابوطالب کے اس طالب حق فرزند نے نجاشی کے بھرے دربار میں اپنے خوبصورت خطبے کی ایک ایسی گونج پیدا کی جسے بلاغت و فصاحت کی معراج کہا جاسکتا ہے۔

اَيُّهَا الْمَلِكُ ! اے بادشاہ سلامت ! ہم جاہل قوم تھے ____ نَعْبُدُ الْاَصْنَامَ ____ بے جان بت پوجتے تھے ____ نَاْكُلُ الْمَيْتَةَ ____ مردار کھاتے تھے ____ نَاْتِي الْفَوَاحِشَ ____ بے حیائی کے کام کرتے تھے ____ قطع رحمی کرتے، کمزوروں پر ظلم ڈھاتے تھے ____ اللہ نے ہم میں ایک رسول بھیجا، جس کے نسب، حسب کو ہم جانتے ہیں ____ جس کی صداقت و امانت کو ہم جانتے ہیں ____ ہم اس پر ایمان لے آئے۔ یہ ہمارا قصور ہے، جس پر یہ لوگ ہم پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑتے ہیں۔

نجاشی نے کہا اس کلام کا کچھ حصہ تمھیں یاد ہے، جو تمھارے نبی پر اتارا گیا ____ یاد ہے تو سناؤ۔

حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے ماحول کی مناسبت سے سورۃ مریم کی تلاوت فرمائی، جسے سن کر نجاشی اور تمام پادری اپنی آنکھوں پر قابو نہ پاسکے۔

نجاشی نے سیدنا جعفرؓ کی تقریر دلپذیر سن کر اور ان کی زبان سے سورۃ مریم کی تلاوت سن کر مکہ کے وفد سے کہا: اگر تم مجھے سونے کا پہاڑ بھی تحفے میں دو تب بھی میں ان لوگوں کو تمھارے حوالے نہیں کروں گا۔

آزمائش جاری ____ وفاتِ ابوطالب

شعب بنی ہاشم میں سوشل بائیکاٹ کی وجہ سے امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے برادری کے لوگوں نے بڑے دکھ اٹھائے ____ دکھوں کی اس وادی سے باہر نکلے ____ ابھی سکھ کا سانس بھی نہیں لیا کہ ایک اور امتحان اور آزمائش کا سامنا کرنا پڑا۔

یہ ۱۰ نبوی کی بات ہے کہ بوڑھا ابوطالب بدنی اور جسمانی کمزوریوں کی بنا پر موت کا انتظار کر رہا ہے۔ بخاری اور مسلم میں ہے کہ ابوطالب کی وفات کے وقت امام الانبیاء ﷺ ان کے پاس پہنچے۔ ابوجہل اور دوسرے سردار وہیں پر موجود تھے۔ آپ نے ابوطالب کے سرہانے بیٹھ کر کہا:

چچا ایک مرتبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا اقرار کر لیجیے، تاکہ کل قیامت کے دن آپ کی شفاعت کے لیے مجھے ایک حجت اور دلیل مل جائے ---- آپ بار بار مطالبہ کرتے رہے ---- مگر ابوطالب نے اس کلمہ کے اقرار کرنے سے انکار کر دیا، اور کہا: عَلٰی مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ ---- "میں عبدالمطلب کی ملت اور دین پر جان دے رہا ہوں"۔

ابوطالب یہ کہہ کر فوت ہوئے اور امام الانبیاء ﷺ نے فرمایا:

"مجھے جب تک میرا رب روک نہیں دیتا میں اس کے لیے مغفرت کی ----- دعا کرتا رہوں گا"۔

اس پر اللہ نے فرمایا:

﴿ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ اٰمَنُوْآ اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْآ اُولِيْ قُرْبٰى ﴾ (سورۃ التوبہ ۹ : ۱۱۳)

"کسی نبی اور ایمان والوں کے لیے مناسب نہیں کہ مشرکین کے لیے دعائے مغفرت کریں اگرچہ وہ ان کے رشتے دار ہی کیوں نہ ہوں"۔

ساتھ ہی اللہ رب العزت نے یہ بھی فرمایا:

﴿ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ (سورۃ القصص ۲۸ : ۵۶)

"بے شک آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت سے سرفراز کرتا ہے"۔

آزمائش پر آزمائش

ابوطالب کو آپؐ سے اور آپؐ کو ابوطالب سے نسبی اعتبار سے محبت تھی ابوطالب کی

وفاتِ خدیجہؓ

وفات کا صدمہ اور غم ابھی تازہ تھا کہ اس کے صرف تین یا پانچ دن بعد ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا داغِ مفارقت دے گئیں۔

یہی وہ خاتون ہے جو اول المومنین و المومنات ہے ---- چوتھائی صدی آپ کی رفاقت میں رہیں ---- آپ کی اولاد چار بیٹیاں اور دو بیٹے انہی کے بطن سے ہوئے ----- یہی وہ خاتون ہے جس نے اپنے تن من دھن ----- اپنا مال اور متاع آپؐ پر قربان کردی ----- آپ تبلیغ حق میں مصروف رہتے تو گھر کو اور بچیوں کو سنبھالنے والی یہی خاتون تھی۔

ابوطالب باہر کی زندگی میں ایک ظاہری سہارا تھے ----- مشرکین کوئی فیصلہ کرتے ہوئے ہزار بار سوچتے تھے کہ ابوطالب کی ہمدردیاں محمدؐ کے ساتھ ہیں اور ابوطالب قریش کے قابلِ احترام بزرگ ہیں ---- اب یہ حصار باقی نہ رہا۔

اور گھر کے اندر غم خوار اور غم گسار اور غم بانٹنے والی --- اور بیٹیوں کا خیال رکھنے والی رفیقۂ حیات بھی باقی نہ رہی۔

پے در پے ان دو صدموں کی بنا پر اس سال کا نام عام الحزن یعنی غم کا سال پڑ گیا۔

طائف کا سفر

ابوطالب کی وفات کے بعد مشرکینِ مکہ زیادہ دلیر ہوگئے ---- ابوطالب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت میں مشرکین مکہ کی تکالیف کے سامنے ایک رکاوٹ تھے ---- جونہی یہ رکاوٹ دور ہوئی تو مشرکین مکہ نے بھی ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنے شروع کردیے۔

اب تک نبی اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی تبلیغ کا دائرہ مکہ مکرمہ تک ہی محدود تھا ---- اب "مَنْ حَوْلَھَا" کا حکم آنے سے آپ نے مکہ سے طائف کا سفر پیدل اختیار کیا ---- آپ کے ساتھ زید بن حارثہ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ بھی تھے۔

طائف کی آبادی بنو ثقیف پر مشتمل تھی جن کے سردار تین بھائی تھے ---

آپ نے سب سے پہلے انہی سرداروں کے سامنے پیغام رسالت اور پیغام توحید رکھا۔

ان تینوں نے توہین آمیز اور ہتک آمیز سلوک کیا --- مذاق اڑایا اور پھبتیاں کسیں ---- بلکہ طائف کے اوباشوں اور بدمعاشوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا ---- آپ نے تقریباً دس دن یہاں قیام فرمایا ---- آپ جہاں تشریف لے جاتے اور پیغام توحید پیش فرماتے تو طائف کے وہ اوباش اور آوارہ لوگ شور و غل میں آپ کی آواز کو دبا دیتے ---- گالیاں نکالتے اور پتھروں کی بارش کر دیتے ---- آپ زخمی ہوئے ---- نڈھال ہو کر بیٹھ گئے ---- انھوں نے بغلوں سے پکڑ کر پھر کھڑا کر دیا ---- پاؤں مبارک جوتی مبارک سے باہر نہیں نکلتے تھے ---- جوتیوں میں خون جم گیا ---- ایک باغ میں پناہ گزین ہوئے ---- زید بن حارثہ نے زخموں کو دھویا ---- پانی کے چھینٹے چہرۂ انور پر ڈالے۔ آپ ہوش میں آئے تو زبان مبارک پر یہ کلمات تھے:

اَللّٰهُمَّ اِلَيْكَ اَشْكُوْا ضُعْفَ قُوَّتِيْ وَ قِلَّةَ حِيْلَتِيْ وَ هَوَانِيْ عَلَى النَّاسِ يَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ اَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ اِلٰى مَنْ تَكِلُنِيْ

"اے میرے مولا! میں اپنی کمزوری، اپنی عجز و بے بسی اور لوگوں کی نگاہوں میں اپنی بے قدری کی فریاد تیرے سامنے کرتا ہوں ---- اے سب مہربانوں میں سب سے زیادہ مہربان میرے مولا تو تو کمزوروں اور ناتوانوں کا مربی اور پالنہار ہے، تو مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے"۔

دعا کے ایک ایک لفظ پر غور فرمائیں ---- اور دیکھیں تو واضح ہوتا ہے کہ دعا کسی زخمی اور مجروح اور دردمند دل سے نکلی ہے ---- آمنہ کا در یتیم اور کائنات کا سرتاج کس عاجزی و انکساری اور ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ اپنے رب قدیر و قادر کو پکار رہا ہے ---- دعا کے ایک ایک حرف سے تواضع، عاجزی، فقر و انکساری اور بے چارگی ظاہر ہو رہی ہے ---- یہ دُعا "دعائے مستضعفین" کے نام سے مشہور ہے۔

اللہ رب العزت نے جبریل امین کے ذریعہ پیغام بھیجا:

میرے محبوب! اگر آپ کہیں تو طائف کے ان ظالموں کو دو پہاڑوں کے درمیان اس طرح پیس کر رکھ دیں جس طرح چکی کے دو پاٹوں کے درمیان آٹا پیسا جاتا ہے۔

سبحان اللہ! میرے نبی کی رحمتوں اور شفقتوں کے کیا کہنے؟----

جواب میں فرمایا:

"نہیں میرے مولا! ایسا نہیں کرنا"۔

بَلْ اَرْجُوْا اَنْ یُّخْرِجَ اللّٰهُ مِنْ اَصْلَابِهِمْ مَنْ یَّعْبُدُ اللّٰهَ وَحْدَهٗ لَا یُشْرِكُ بِهٖ شَیْئًا

بلکہ میں امیدوار ہوں کہ اللہ رب العزت ان کی نسلوں میں سے ایسے لوگ پیدا کرے گا جو صرف اکیلے اللہ کی عبادت کریں گے اور وہ اللہ کے ساتھ کسی کو ساجھی اور شریک نہیں بنائیں گے۔

(بخاری کتاب بدء الخلق)

معراجِ مُصطفٰے ﷺ

ابوطالب کے انتقال اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات نے آپ کو انتہائی غمگین کر کے رکھ دیا تھا ---- گھر سے باہر کا ظاہری سہارا ٹوٹ گیا اور گھر کے اندر کا

ظاہری سہارا ----- گھر سنبھالنے والی اور بچیوں کا ہر طرح سے خیال کرکے آپ کو اس طرف سے بے پرواہ کرنے والی رفیقۂ حیات نہ رہی۔

پھر طائف کی تکلیف اور سفر نے آپ کو مزید افسردہ کردیا ----- مشرکین مکہ کی مخالفت نے بھی زور پکڑ لیا ---- شدائد اور مصائب اور دکھ نے آپؐ کو نڈھال کرکے رکھ دیا ---- تو اللہ رب العزت نے سورۃ نحل کے آخر میں آپؐ کو تسلی دی۔

﴿وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللّٰهِ﴾

"میرے پیغمبر! صبر کیجیے، اور آپ صبر بھی میری توفیق سے کرسکیں گے"۔ (۱۶ : ۱۲۷)

﴿وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ﴾

"اور ان کے ایمان نہ لانے پر غم نہ کریں اور ان کے مکر و فریب سے دل تنگ نہ ہوں"۔ (۱۶ : ۱۲۷)

سورۃ نحل کی ان آیات پر سورۃ کا اختتام ہو رہا ہے ---- اور آنے والی سورۃ بنی اسرائیل ہے جس کی ابتداء اور آغاز میں معراج کے سفر کا تذکرہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ میرے محبوب ابوطالب و خدیجہؓ کی جدائی ---- طائف کے سرداروں کے سلوک اور مشرکین مکہ کے جارحانہ رویہ پر آپ غمگین اور افسردہ ہوگئے ہیں اور غمگین آدمی غم غلط کرنے کے لیے اپنے دوست و احباب اور رشتے داروں سے ملنے کا خواہش مند ہوتا ہے اور سیر و تفریح کے لیے گھر سے باہر نکلتا ہے۔ آئیے ہم بھی آپؐ کو سیر کرائیں ----- صرف زمین کی نہیں آسمانوں کی ---- آئیے ہم آپؐ کو اپنے بھائیوں اور دوستوں سے ملوا کر لائیں اور انبیاء سے ملاقاتیں کروائیں۔

معراج کا یہ محیّرُ العُقُول سفر سفرِ طائف سے واپسی پر اور ہجرتِ مدینہ سے کچھ مدت پہلے پیش آیا۔

سنہ ۱۱ یا سنہ ۱۲ نبوی میں ----- مشہور قول یہ ہے کہ رجب کے مہینے کی ستائیسویں شب کو یہ واقعہ پیش آیا۔

قرآن و حدیث کے آئینے میں دیکھا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ معراج کا یہ سفر حالتِ نیند میں نہیں تھا ---- یہ سفر روحانی اور خواب کا نہیں بلکہ جسمانی تھا۔

مکہ سے بیت المقدس کے سفر کا ذکر سورۃ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں ہے اور پھر آسمانوں تک کے سفر کا تذکرہ سورۃ النجم میں ہوا۔

(معراج النبی ﷺ کا مکمل اور تفصیلی واقعہ ---- اس پر ہونے والے اعتراضات اور ان کے جواب، اللہ رب العزت سے تحائف کے تبادلے، انبیاء کرامؑ سے ملاقات، نماز کی فرضیت، جنت و جہنم کے مناظر، انبیاء کرامؑ کی امامت ---- اس پر مکمل گفتگو خُطبات بندیالوی جلدِ دوم میں دیکھی اور پڑھی جاسکتی ہے۔)

ہجرتِ مدینہ کے اسباب

جاہلیت کے دور میں بھی دور دراز کے علاقوں سے لوگ بیت اللہ کے حج کی غرض سے آیا کرتے تھے ---- مشرکینِ مکہ بڑے مُنظّم طریقے سے آنے والوں کو خبردار کرتے تھے کہ محمدؐ سے بچ کے رہنا ہے۔ وہ ہمارے آباء و اجداد کے دین کا دشمن اور مخالف ہے ---- مشرکین کی ایک جماعت مُستقل طور پر اسی مہم میں لگی ہوئی تھی۔

نبی اکرم ﷺ کے لیے ان حالات میں باہر سے آنے والے حجاج سے ملنا ناممکن نہیں تو مُشکل ضرور تھا۔ اللہ رب العزت نے ایک رات اپنی رحمت سے موقع پیدا کر دیا۔ آپ گزر رہے تھے کہ مدینہ کے کچھ لوگوں سے منٰی

میں ملاقات ہو گئی ------ یہ چھ یا آٹھ یا گیارہ آدمی تھے جو خزرج قبیلے سے تعلق رکھتے تھے ------ آپؐ نے ان کے سامنے اپنی دعوت پیش کی ------ پیغام توحید سنایا ------ قرآن سنایا ------ آپؐ کی دعوت نے اور قرآن نے ان کے قلوب پر گہرا اثر کیا۔

وہ مدینہ کے سردار تھے، سمجھ دار اور زیرک ------ انھوں نے آپس میں مشورہ کیا ------ کہ دیکھو کہیں یہ وہی نبی تو نہیں جس کی آمد اور تشریف لانے سے مدینہ کے یہودی ہمیں خوف زدہ کرتے رہتے ہیں ------ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہود ایمان لا کر ہم پر سبقت لے جائیں ------ ہمیں اس نبی پر ایمان لے آنا چاہیے۔ چنانچہ انھوں نے آپؐ کی دعوت کو قبول کر لیا اور ایمان لے آئے۔

یہ لوگ مدینہ واپس پلٹے ------ نئے نبیؐ کے حالات سے مدینہ والوں کو آگاہ کیا، تو مدینہ کے ہر گھر میں اسلام کا چرچا ہونے لگا ------ آپؐ نے اسلام کی بنیادی باتیں سکھانے کے لیے حضرت مُصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو اہلِ مدینہ کی استدعا پر مُعلّم اور مبلغ بنا کر بھیجا۔

حضرت مُصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی تعلیم و تبلیغ کے اثرات ظاہر ہونے لگے اور اگلے سال موسم حج کے موقع پر تقریباً مدینہ کے تہتّر مردوں اور دو عورتوں نے دعوت اسلام کو قبول کر لیا۔

اس موقع پر مدینہ کے ان لوگوں نے جو بعد میں انصار کے لقب سے سرفراز ہوئے ------ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ اگر آپ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائیں تو اسلام کی اشاعت بھی خوب ہوگی اور ہمیں بھی آپؐ سے فیض یاب ہونے کے مواقع میسر آئیں گے ------ ہم آپ کی حفاظت اور ہر طرح سے آپؐ کا خیال بھی رکھیں گے۔

(ہجرتِ مدینہ کے اسباب میں نے بیان کردیے ہیں ---- ہجرت کے سفر کا مکمل واقعہ ---- اصحابِ رسُول کا چھپ چھپ کر نکلنا، مال و جائیداد سے دستبردار ہونا، ہجرتِ رسُول کی شب کاشانۂ نبی کا گھیراؤ، حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر سلانا، صدیق اکبرؓ کے گھر پہنچنا ---- غار میں تین راتیں ٹھہرنا، ام معبد کے خیمے میں نبوت کے چاند کا آنا، قبا میں قیام و تعمیر مسجد، مدینہ میں داخلہ اور مسجد نبوی کی تعمیر ---- یہ سب واقعات خُطبات بندیالوی جلد دوم میں ملاحظہ فرمائیے۔)

وما علینا الا البلاغ المبین
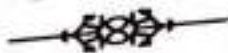
سیرت خاتم الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ۳

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَ اُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَقٰتَلُوْا وَ قُتِلُوْا لَاُکَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَ لَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ ؕ وَاللّٰہُ عِنْدَہٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴾

پھر وہ لوگ جنھوں نے ہجرت کی اور وہ اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں ستائے گئے اور میری راہ میں لڑے اور مارے گئے، مَیں لازماً ان کے گناہوں کو ان سے دُور کردوں گا، اور ان کو ایسے باغات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ یہ اللہ کی طرف سے بدلہ ہے اور اللہ کے پاس اچھا بدلہ ہے۔ (سورۃ آلِ عمران ۳ : ۱۹۵)

و قال اللہ تعالیٰ فی مقام آخر:

﴿ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ ﴾

جن مُسلمانوں سے (کافر) لڑائی اور جنگ کر رہے ہیں انھیں بھی مقابلے کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور بے شک اللہ ان مُسلمانوں کی مدد پر قادر ہے۔ (حج ۲۲ : ۳۹)

سامعینِ گرامی قدر ! گزشتہ خطبات میں ------ میں امام الانبیاء ﷺ کی ولادت باسعادت سے لے کر مدینہ منورہ پہنچنے تک کے مختصر اور اہم واقعات کو بیان کرچکا ہوں ------ آج کے خطبے میں ان اہم واقعات و حالات کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں جو مدینہ منورہ پہنچ کر آپؐ کو پیش آئے۔ یہ تو آپ جانتے ہیں کہ مدینہ کا نام پہلے "یثرب" تھا ----- امام الانبیاء ﷺ نے یثرب نام تبدیل فرمایا اور "طیبہ" اور "طابہ" رکھا ----- بعد میں مدینۃ الرسولؐ سے مشہور ہوا۔

مدینہ میں دو بڑے قبیلے آباد تھے، خزرج اور اوس ------ کچھ آبادی یہود کی بھی تھی جو رومیوں کے ظلم سے بھاگ کر مدینہ میں پناہ گزین ہوئے تھے ----- یہ یہود اصل میں عبرانی تھے، مگر طویل عرصہ سے حجاز میں رہنے کی وجہ سے عربی تہذیب و تمدن اور بود و باش میں رنگ چکے تھے۔

یہود کے تین قبیلے مدینہ میں آباد تھے ----- بنو نضیر، بنو قریظہ اور بنو قینقاع ----- یہود سازشی ذہن کے لوگ ہیں ----- انھوں نے چابک دستی اور ہوشیاری سے مدینہ کے باسی دونوں قبیلوں (اوس اور خزرج) کے درمیان مدت سے جنگ کی آگ بھڑکائی ہوئی تھی۔

مہاجرین و انصار کا بھائی چارہ

اتنی بات تو آپ جانتے ہیں کہ مکہ کے مُسلمانوں کو جب ہجرت کی اجازت مل گئی تھی تو انھوں نے چھپ چھپا کر صرف اپنی اور اہل و عیال کی جان بچا کر نِکلنا شروع کردیا تھا ----- اس لیے یہ لوگ اپنے مال و زر کو ساتھ نہ لاسکے تھے ----- جو لانے کی کوشش کررہے تھے مشرکین نے ان سے مال چھین لیے۔ لہذا یہ لوگ مدینہ اس حال میں پُہنچے کہ خالی ہاتھ تھے۔

مہاجرین کی اس خستہ حالی کے پیشِ نظر امام الانبیاء ﷺ نے مدینہ

کے انصار کے صاحب حیثیت لوگوں سے ان مہاجرین کا بھائی چارہ کروا دیا ----- بھائی چارے کا یہ عہد و پیمان حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر ہوا۔

مدینہ کے انصار نے مہاجرین کے ساتھ اس بھائی چارے کا واقعی حق ادا کردیا ----- چشم فلک نے ایسا بھائی چارہ نہ کبھی پہلے دیکھا تھا اور نہ آئندہ قیامت تک کبھی دیکھ سکے گا۔

انصارِ مدینہ نے اپنے مکانات، اپنی زمینیں، اپنے مال، اپنی جائیداد، اپنے باغات، غرضیکہ ہر چیز مہاجرین میں نصف نصف کرکے تقسیم کردی۔ یہاں تک کہ جس انصاری کی دو بیویاں تھیں اس نے اپنے مہاجر بھائی سے کہہ دیا کہ دونوں میں سے جس بیوی کو تم پسند کرو میں اس کو طلاق دے کر تمہارے نکاح میں دینے کے لیے تیار ہوں۔ (بخاری جلد صفحہ ۵۵۳)

سامعینِ گرامی قدر! مہاجرین اور انصار کے مابین بھائی چارہ کروا کے امام الانبیاء ﷺ نے یہ نمونہ پیش فرمایا کہ مومن کا دوسرے مومن سے رشتہ نہ خون کی بنا پر ہے نہ وطن کی بنا پر ----- نہ حسب و نسب کی بنا پر ----- اگر دو مومنوں کے درمیان رشتہ ہے تو ایمان کی بنا پر ----- یہی وہ رشتہ ہے جو عربی کو عجمی کا، کالے کو گورے کا، دولت مند کو محتاج کا، افریقی کو مصری کا، ہاشمی کو انصاری کا اور مشرق میں رہنے والے کو مغرب میں رہنے والے کا بھائی بنا رہا ہے۔

مسجد نبوی کی تعمیر

مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد امام الانبیاء ﷺ نے اپنے گھر اور حجرے تعمیر کرنے سے پہلے مسجد کی تعمیر ضروری سمجھی۔ مدینہ میں داخلہ کے وقت جس جگہ آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی تھی ----- اس جگہ کو آپ نے مسجد کے لیے پسند فرمایا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ جگہ دو یتیم بچوں سہل اور سہیل کی ہے -----

دونوں یتیموں نے وہ زمین مسجد کے لیے عطیہ دینے کی پیش کش کی ---- مگر آپ نے اسے مناسب نہ سمجھا اور انھیں زمین کی پوری قیمت لینے پر آمادہ کیا ---- مسجد نبوی کے لیے خریدی گئی اس زمین کی قیمت سیدنا صدیق اکبرؓ نے ادا کی۔

(فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۱۹۳)

(بعد میں مسجد نبوی کی فراخی اور توسیع کے لیے جو جگہ خریدی گئی تھی اس کی قیمت سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے ادا کی تھی۔)

اسلامی تاریخ کی سب سے پہلی مسجد تو قبا میں تعمیر ہوئی تھی ---- مگر مسجد نبوی کی خصوصیت یہ ہے کہ بعد میں اس مسجد سے متصل حجرۂ عائشہ میں امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم مدفون ہوئے ---- مسجد نبوی کو یہ شرف حاصل ہے کہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ نے سب سے زیادہ نمازیں اسی مسجد میں ادا فرمائیں ---- اور اسی مسجد میں بیٹھ کر دنیا اور اقوامِ عالم کی قسمتوں کے فیصلے ہوئے۔

اسی مسجد نبوی کی بنیاد رکھتے ہوئے آپ نے پہلا پتھر رکھا، دوسرا پتھر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے رکھا، تیسرا پتھر سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے رکھا اور چوتھا پتھر سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے رکھا ---- اس موقع پر امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

هٰؤُلَاءِ وُلَاةُ الْاَمْرِ مِنْ بَعْدِیْ (مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۱۳)

"یہ تینوں میرے بعد حکومتی معاملات کے ذمہ دار ہوں گے"۔

مسجد نبوی کی عظمتوں اور شرف و عزت کا کیا کہنا جس کے معمار خود نبی اکرمؐ ہوں اور مزدور وہ مہاجرین و انصار ہوں، جو دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کرنے لگیں۔

صحابۂ کرامؓ جب پتھر اٹھا کر لا رہے تھے تو یہ شعر پڑھ رہے تھے ---- کائنات کا سرتاج بھی صحابہؓ کی آواز کے ساتھ آواز ملا رہے تھے۔

اَللّٰھُمَّ لَا خَیْرَ اِلَّا خَیْرُ الْاٰخِرَۃِ فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَ الْمُھَاجِرَۃَ

"مولا! دنیا کی دولت و زینت کیا چیز ہے، اصل دولت اور زینت اور بھلائی تو آخرت کی ہے۔ لہذا مہاجرین اور انصار کو بخش دے"۔ (اور آخرت کی بھلائیوں اور دولت سے نواز دے۔)

مختلف روایات میں یہ شعر مختلف الفاظ کے ساتھ ذکر کیے گئے ہیں ----- ایک روایت میں خیر کے لفظ کی بجائے دونوں جگہ عیش (زندگی) ہے ----- اور ایک روایت میں فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ کی بجائے فَانْصُرِ الْاَنْصَارَ کے لفظ آئے ہیں۔

مسجد نبوی سادگی کا نمونہ تھی جس کا فرش کچا----- اور دیواریں کچی اینٹوں کی تھیں ----- ستون کھجور کے تنوں کے تھے اور چھت پر کھجور کے پتے بچھائے گئے تھے ----- جب بھی بارش ہوتی تو چھت ٹپکنے لگتی اور فرش پر کیچڑ ہو جاتا----- چھت کی اونچائی دس فٹ تھی۔

(مسجد کچی تھی مگر نمازی پکے تھے، ان نمازیوں کا عقیدہ بھی پکا تھا اور آج مسجدیں پکی ہیں مگر نمازی کچے اور ان کا عقیدہ بھی کچا ہے۔)

مسجدِ نبوی کی شمالی جانب ایک چبوترا بنایا گیا

اصحابِ صفہ

----- یہ ان لوگوں کی رہائش تھی جو بے گھر تھے ---- باہر سے آنے والے لوگ جو دینِ اسلام قبول کرنے کے بعد دینی تعلیم حاصل کرنے کے لیے آپؐ کی خدمت میں رہتے ----- مشہور صحابی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی ان لوگوں میں شامل تھے ----- نبی اکرمؐ ان غریب اور نادار صحابہؓ کا بہت ہی خیال فرماتے تھے ----- آپؐ کی خدمت میں جب کوئی ہدیہ وغیرہ آتا تو آپؐ سب سے پہلے انہی لوگوں کو بھجواتے ----- گویا کہ یہ سب سے پہلا مدرسہ اور دار العلوم تھا۔

یہود سے معاہدہ

امام الانبیاء ﷺ کی بصیرت و دانائی نے فیصلہ کیا کہ اگر مشرکین مکہ ہم پر حملہ آور ہوں تو ہوسکتا ہے وہ مدینہ کے یہود کا سہارا لیں ---- یا یہود ہی کی سرپرستی کرکے اور لالچ کے بل بوتے پر لالچی اور حریص یہود کو ہمارے خلاف اکسا کر سازشیں کرتے رہیں ---- ان خطرات کے پیشِ نظر آپؐ نے مدینہ پہنچنے کے بعد یہود سے معاہدہ طے کرلیا کہ ایک دوسرے کے مذہبی معاملات میں کوئی مداخلت نہیں کی جائے گی ---- یہود اور مُسلمان مدینہ پر حملہ آوروں کے مقابلے میں ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے ---- مکہ کے قریش کو کوئی امان نہیں دے گا ---- مدینہ میں لڑائی اور خُونریزی سب پر حرام ہوگی۔

اس معاہدے کے تحت آپؐ مدینہ منورہ کی اندرونی سازشوں کا شکار ہونے سے محفُوظ ہوگئے۔

منافقین

یہود کی فطرت میں خباثت، حسد اور تنگ نظری، تنگ دلی اور سازشیں اور مکر و فریب کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے ---- یہود نے مُسلمانوں کو نُقصان پُہنچانے کے لیے ایک نیا حربہ اور ہتھیار استعمال کیا ---- بلکہ ایسا فتنہ بپا کیا جو اپنے اور اس کے نتائج اور اثرات کے لحاظ سے مشرکین مکہ کے فتنے سے بھی سخت اور خطرناک تھا ---- وہ تھا نفاق کا فتنہ، منافقت کا ہتھیار، یعنی باہر سے دوست اندر سے دُشمن --- بہ ظاہر مُسلمان اور بہ باطن کافر ---- اہلِ اسلام کا غلبہ دیکھ کر ان کے ساتھ ہوجانا اور مُصیبت کے وقت الگ ہوجانا ---- جب بھی موقع ملے مُسلمانوں میں تفریق اختلاف، بد گُمانیاں اور خوف و ہراس پھیلاتے رہنا ---- قرآن مجید منافقین کی شرارتوں، خباثتوں، مکر و فریب کی کہانیوں ---- اور سازشوں سے بھرا پڑا ہے ---- ایک مکمل سورۃ سورۃ المنافقون کے نام سے اتاری گئی۔

سامعینِ گرامی قدر! ہجرتِ مدینہ کے بعد پہلی ہجری کے اہم واقعات میں نے آپ کے سامنے بیان کیے ہیں ---- پہلی ہجری میں کچھ اور واقعات بھی ہوئے۔ مگر میرے پاس وقت نہیں کہ میں ان کی تفصیل میں چلا جاؤں ---- حضرت عبداللہ بن زبیر کی پیدائش ہوئی، حضرت سلمان فارسیؓ ایمان لائے اور سَلْمَانُ مِنَّا اَهْلَ الْبَیْتِ (سلمان ہمارے اہلِ بیت میں سے ہے) کے لقب سے سرفراز ہوئے ---- یہودیوں کے مشہور عالم عبداللہ بن سلام دولتِ ایمان سے سرفراز ہوئے۔

اسی سال سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بئر رومہ کو خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کیا ---- اذان کی ابتداء بھی اسی سال ہوئی۔

۲ھ کے واقعات

۲ھ کے اہم واقعات میں سے ایک بڑا اہم واقعہ تحویلِ قبلہ کا ہے ---- مسلمان مدینہ میں تقریباً سترہ مہینے تک بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نمازیں پڑھتے رہے۔ پھر اللہ رب العزت نے مسلمانوں کے لیے قبلہ بیت اللہ قرار دے دیا جسے اول بیت ہونے کا شرف حاصل ہے اور جسے سیدنا ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام نے اس کی بنیادوں سے اٹھا کر تعمیر کیا تھا۔

(تحویلِ قبلہ کے بارے میں سورۃ البقرہ کی آیت ۱۴۲ سے لے کر ۱۵۱ تک اور آیت نمبر ۱۷۷ کا بغور مطالعہ فرمائیں۔)

روزوں کا حکم

تحویلِ قبلہ کے بعد متصل ہی رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت کا حکم نازل ہوا ---- روزے کسی نہ کسی طریقے سے ہر امت میں فرض رہے ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ

مِنْ قَبْلِكُمْ ﴾ (سورۃ البقرۃ ۲ : ۱۸۳)

"اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے"۔

صدقہ فطر نکالنے کا حکم بھی اسی سال ہوا، اور عید الفطر جیسا مذہبی تہوار اور عید الفطر کی نماز کی ادائیگی کا حکم بھی اسی سال ہوا۔

اسلام کی پہلی عید الفطر قدرتی طور پر اور اتفاقاً بدر کی فتح کی خوشی کا اظہار بن گئی تھی۔

اذنِ جہاد

یاد رکھیے اسلام سلامتی کا دین ہے ---- لڑائی جھگڑے اور مار کٹائی کا دین نہیں ہے -----

مغرب کے کچھ لوگوں نے اور مخالفین اسلام نے پروپیگنڈے کے زور سے مشہور کردیا ہے کہ اسلام قتل و خونریزی اور جنگ و لڑائی اور مار کٹائی کا دین ہے ---- یہ تلوار کے زور سے اور زبردستی لوگوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کرتا ہے۔

حالانکہ اسلام تو ایسا دین ہے جس کے بارے میں اسلام کی کتاب اعلان کرتی ہے :

﴿ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ﴾ (سورۃ البقرۃ ۲ : ۲۵۶)

"دین کے بارے میں کوئی جبر اور زبردستی نہیں ہے"۔

قرآن مجید نے جہاد کے فلسفہ پر روشنی ڈالتے ہوئے ---- جہاد کا مقصد عقائد اور مذہب کے اختلاف کو نہیں ٹھہرایا ---- بلکہ جہاد کا مقصد تحفظ قرار دیا گیا اور کہا گیا کہ اگر جہاد کا حکم نہ ہوتا تو پھر کلیسے، گرجے، خانقاہیں اور مساجد سبھی برباد ہو گئی ہوتیں، جو اپنے اپنے زمانے میں ہدایت کے مرکز رہے ہیں۔ (دیکھیے : سورۃ الحج ۲۲ : ۴۰)

اسلام میں جہاد کا وہ تصور نہیں جو اسلام کے مخالفین اور یورپ کے

نام نہاد دانشور بیان کرتے ہیں---- یعنی قتل و خونریزی۔

بلکہ تعصب کی عینک اتار کر دیکھیں کہ نبی اکرم ﷺ کی زندگی کے ۲۳ سال میں ۸۱ غزوات اور سرایا ہوئے۔ ان میں سے صرف ۲۷ میں آپ بنفسِ نفیس شریک ہوئے اور باقاعدہ جنگ صرف چند ہی غزوات میں پیش آئی۔ ان تمام جنگوں میں اور لڑائیوں میں صرف ۲۵۹ مُسلمان شہید ہوئے اور ۷۵۹ کافر مارے گئے ---- گویا کل ایک ہزار اٹھارہ آدمی قتل ہوئے اور اتنے معمولی نُقصان کے نتیجے میں ایسا انقلاب برپا کیا جس نے انسانی تاریخ کے دھارے کا رُخ موڑ کر رکھ دیا۔

(یورپ کے دانشورو! تم نے دو ہولناک عالمگیر جنگوں میں کیا کیا گُل کھلا دیے؟ تقریباً دو کروڑ آدمی مارے گئے، بے حساب معذور ہوئے، بموں سے زندہ جلا دیے گئے۔ آج عراق میں امریکہ نے کتنے لوگوں کو زندگی سے محروم کیا، افغانستان میں کتنے معصوموں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا، ڈراؤن حملوں میں کتنے بے قصور، بچوں اور عورتوں کو جلا کر خاکستر کردیا گیا---- تم جیسے ہولناک اور خونخوار درندے اور وحشی اسلام کو طعنے دے رہے ہیں کہ یہ قتل و خونریزی کا دین ہے؟۔ یاللعجب

۲ھ میں اللہ رب العزت نے مُسلمانوں کو جہاد کا اذن اور اجازت دی تو اس کے پیچھے کئی اسباب تھے۔ مشرکین مکہ نے اطمینان سے بیٹھے ہوئے مُسلمانوں کے بارے عبداللہ بن ابی کو دھمکی خیز خط تحریر کیا کہ یا تو تم خود محمدؐ کو قتل کردو یا مدینہ سے نکال دو---- ورنہ ہم لشکر لے کر تم پر حملہ آور ہوں گے۔ قریش مکہ نے مدینہ کے لوگوں کو ڈرانا دھمکانا شروع کیا کہ ہم مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے تیاریوں میں مصروف ہیں۔

حالات اس طرح کے پیدا ہوگئے کہ صحابہ رات کو ہتھیار باندھ کر

سوتے ---- اور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم راتوں کو جاگا کرتے تھے ---- سیدنا ابوایوب انصاری رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ ساری ساری رات آپ کی چوکیداری کرتے تھے۔

ان پر خطرناک اور مخدوش حالات میں اللہ رب العزت نے مُسلمانوں کو تلوار اٹھانے کی اور جنگ کرنے کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا:

﴿ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرُ اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ﴾

"ان لوگوں کو جہاد کی اجازت دی گئی جن سے کفار جنگ کر رہے ہیں کیونکہ ان پر بہت ظلم کیے گئے یہ وہ مظلوم ہیں جو ناحق اپنے گھروں سے نکالے گئے، ان کا صرف یہ جرم اور قصور تھا کہ وہ کہتے تھے ہمارا پروردگار اور پالنہار اللہ ہے"۔ (سورۃ الحج ۲۲: ۳۹-۴۰)

غزوۂ بدر

جنگ اور قتال کی اجازت ملنے کے بعد معمولی اور چھوٹی موٹی لڑائیاں اور جھڑپیں تو مشرکین اور مُسلمانوں کے درمیان ہوتی رہیں ---- مگر کفر و اسلام کے مابین اور حق و باطل کے درمیان فیصلہ کن جنگ اور لڑائی بدر کے میدان میں لڑی گئی ---- یہی وہ لڑائی ہے جس میں پورا کفر پورے اسلام کے مقابلے میں آیا ---- اسی غزوہ نے کفر کی کمر توڑ کر رکھ دی ---- اسی غزوہ کو قرآن نے یوم الفرقان کے خُوبصُورت نام سے پکارا ہے۔

مُسلمان اس غزوہ میں جنگ کے ارادے سے نہیں آئے تھے بلکہ ابوسُفیان کی قیادت میں شام سے تجارت میں نفع کما کر ایک قافلہ واپس مکہ کی طرف جا رہا تھا۔ یہ قافلہ تقریباً چالیس آدمیوں پر مُشتمل تھا۔ یہ قافلہ پچاس ہزار دینار کا ساز و سامان ---- ایک ہزار اونٹ کے ساتھ کامیاب تجارتی مہم کے ساتھ واپس مکہ جا رہا تھا۔ (اسی تجارتی منافع سے ہتھیار اور اسباب جنگ خرید کر مدینہ پر حملہ آور ہونے کا منصُوبہ تھا۔)

امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا خیال تھا کہ کچھ ساتھیوں کو لے کر راستے میں اس قافلہ کو روک لیا جائے اور ان کے سامان تجارت پر قبضہ کر کے دشمنوں کو اقتصادی لحاظ سے کنگال کر دیا جائے ----- اس طرح مسلمان مشرکین کے شر سے محفوظ ہو جائیں گے۔

ابوسفیان کو بھی اپنے جاسوسوں کے ذریعہ اطلاع ہو گئی کہ مدینہ کے کچھ لوگ اس کے تعاقب میں ہیں۔ چنانچہ اس نے معروف شاہراہ کو چھوڑ کر ساحلِ سمندر کا راستہ اختیار کر لیا--- مگر اس دوران اس نے تیز رو سوار کو مکہ روانہ کر دیا کہ مسلمان میرے تعاقب میں ہیں ----- یہ خبر مکہ پہنچی تو قریش یخ پا ہو گئے ----- غصہ سے پاگل ہو گئے ----- مسلمانوں کی یہ جرأت کہ ہم پر اور ہمارے قافلوں پر حملہ آور ہوں ---- ابوجہل اور دوسرے صنادید قریش نے اعلان کر کے لوگوں کو اور خاص کر کے نوجوانوں کو ابھارا۔ جذبات برانگیختہ کیے ----- ہتھیار تیار کیے اور مسلح ہو کر پورے کر و فر سے اور غرور و تکبر سے ---- فتح کے نشے میں جھومتے نکلے ----- ان کی تعداد ایک ہزار تھی۔ سات سو اونٹ اور ایک سو گھوڑے ان کے پاس تھے۔ اتنے میں خبر آ گئی کہ ابوسفیان کا قافلہ صحیح و سلامت ہے اور مسلمانوں کے حملے سے بچ گیا ہے ----- اس موقع پر کئی لوگوں نے ابوجہل کو مشورہ دیا کہ مدینہ کی طرف کوچ اور چڑھائی فی الحال مؤخر کر دی جائے، مگر ابوجہل قوت و طاقت کے گھمنڈ میں کسی کی بات سننے کے لیے تیار نہیں تھا ----- کہنے لگا اب بدر ضرور پہنچنا ہے اور مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹا کر یہ کانٹا ہمیشہ کے لیے نکال دینا ہے۔

ادھر امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ایک مختصر سے لشکر کے ساتھ میدانِ بدر کی طرف بڑھے ----- مسلمانوں کے پاس صرف ستر اونٹ تھے ----- دو یا تین گھوڑے۔

لشکر کی تعداد تین سو تیرہ تھی، جن میں چوہتر مہاجرین اور باقی انصار تھے۔
۱۲ر رمضان المبارک اتوار کے دن آپ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اور ۱۷ر رمضان جمعہ کے دن بدر کا معرکہ پیش آیا۔

صحابہؓ سے مشورہ

ابوجہل کی قیادت میں ایک ہزار مسلح اور جنگجو میدان بدر میں پہنچے ----- نبی اکرم ﷺ نے اپنی مبارک عادت کے مطابق اپنے صحابہ سے مشورہ فرمایا کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ آپؐ کے دریافت فرمانے پر سب سے پہلے وہی اٹھا جس کا ہر معاملے میں پہلا نمبر ہے ----- انھوں نے مہاجرین کی نمائندگی کرتے ہوئے ہر قربانی پیش کرنے کے عزم کا اظہار کیا۔
مگر امام الانبیاء ﷺ چاہتے تھے کہ مدینہ کے انصار اپنے جذبات کا اظہار کریں ----- مہاجرین کو تو میں آزما چکا ہوں کہ وہ میرے لیے وطن اور گھر بار اور کاروبار کی قربانی دے چکے ہیں۔
انصار بھی نبی اکرمؐ کا منشاء اور مراد سمجھ گئے ---- چنانچہ حضرت مقداد بن اسود بولے یا رسُول اللّٰہ ! ہم بنی اسرائیل نہیں ہیں جو کہیں گے فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَا ------ تو جا اور تیرا رب جائے اور جنگ کرے ---- کعبہ کے رب کی قسم ہے آپ جہاں جانے کا حکم دیں گے ہم آپ کے ہر حکم کی تعمیل کریں گے۔ (بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۶۴)
پھر انصار کے سردار حضرت سعد بن معاذ کھڑے ہوئے اور کہا:
ہم آپ کے ہاتھ پر سمع و طاعت کی بیعت کر چکے ہیں، اللہ کی قسم اگر آپ ہمیں سمندر میں چھلانگیں لگانے کا حکم دیں گے تو ہم اس کے لیے بھی تیار ہیں۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۳ صفحہ ۲۶۴)
مہاجرین و انصار کے نمائندوں کے وفادارانہ بیانات سن کر نبوت کا

چہرہ نورِ مسرت سے چمک اٹھا، اور ارشاد فرمایا:

سِیْرُوْا وَ اَبْشِرُوْا

چلو اور فتح و کامیابی کی خوشخبری حاصل کرو---- مجھے بشارت دی گئی ہے کہ قریش کے بڑے سردار جو غرور و تکبر کے نشے میں چڑھ کر آرہے ہیں، یہیں پر ڈھیر ہوں گے۔

قوم نیند میں قائد بیدار

کفر و اسلام ایک دوسرے کے آمنے سامنے خیمہ زن تھے---- کسی کو معلوم نہ تھا---- یہ صبح کیا ہونے والا ہے؟ قریش کا لشکر رنگ رلیوں میں مصروف تھا---- اسے اپنی کثرت اور ظاہری قوت پر گھمنڈ تھا۔ دوسری طرف امام الانبیاء ﷺ کے ساتھی سکون کی نیند سو رہے تھے---- مگر ایک ہستی تھی جس کی آنکھیں نیند سے نا آشنا تھیں---- وہ مُسلمان لشکر کا قائد تھا---- جس کے لیے ایک معمولی سا چھپر بنا دیا گیا تھا---- وہ اس چھپر میں ساری رات یادِ الٰہی میں مصروف رہا---- دل پر سوز---- چشم پرنم---- زبان پر اللہ کا ذکر اور دعائیں---- پوری رات التجائیں کرتے کرتے اور رب کے آگے روتے روتے گزار دی---- ساری رات اپنے رب سے راز و نیاز کی باتیں کرتے رہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنْ تَهْلِكْ هٰذِهِ الْعِصَابَةَ مِنْ اَهْلِ الْاِسْلَامِ لَا تُعْبَدُ فِي الْاَرْضِ

"مولا! آج اگر مُسلمانوں کی جماعت ہلاک ہو گئی تو زمین پر تیری خالص عبادت نہیں ہوگی"۔

تمام رات سر سجدہ میں رکھ کر اور رو رو کر رب سے مانگتے رہے---- چادر مبارک آپ کے کندھوں سے گر گئی---- حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جو اس جھونپڑی کے باہر پہریدار تھے---- انھوں نے چادر کو

درست کیا اور کہا:

یا رسول اللہ! اب بس کیجیے، اللہ اپنا وعدۂ نصرت ضرور پورا کرے گا۔

اللہ مددگار باقی سب طلب گار

امام الانبیاء ﷺ کی اس دعا اور التجا سے اور رو رو کر مانگنے سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ مصائب اور دکھوں میں، اور پریشانیوں میں غائبانہ مدد کے لیے پکارنا چاہیے تو صرف اللہ رب العزت کو۔ کائنات کے سرتاج اور نبیوں کا امام بھی اسی کے دربار کا سوالی اور مانگت ہے --- جنگوں اور لڑائیوں میں فتح سے ہم کنار کرنے والا اور پریشانیاں دور کرنے والا صرف اور صرف اللہ رب العزت ہے ---- جس نے کہا ہے:

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ (آلِ عمران ۳: ۱۲۶)

"اور مدد تو صرف اللہ کی طرف سے ہوتی ہے جو غالب اور حکمت والا ہے"۔

امیرِ شریعتؒ کا مقولہ

امیرِ شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی تقریروں میں فرمایا کرتے تھے کہ میں سیرت و تاریخ اور شمائل کی کتابوں میں آمنہ کے لال کے ظاہری اور باطنی کمالات کو پڑھتا ہوں --- کتنا خوبصورت اور کتنا خوب سیرت ہے ---- کتنا عظیم اور کتنا اعلیٰ ہے ---- محبوبِ الٰہی ہے، صاحبِ قرآن ہے، صاحبِ معراج ہے، رحمۃ للعالمین ہے، امام الانبیاء ہے --- ان سب خوبیوں، کمالات اور اوصاف کو دیکھتا ہوں تو میرا دل کرتا ہے کہ ایسے حسین کے سامنے جھک جاؤں پھر جب بدر کے میدان میں اس حسین کو دیکھتا ہوں کہ کسی اور کے سامنے جھکا ہوا ہے تو پھر میرا ضمیر کہتا ہے کہ: عطاء اللہ شاہ تو بھی اس کے آگے جھک جس کے سامنے خوبیوں والا محمد ﷺ جھکا ہوا ہے ---- تو بھی اس کو پکار جس کو کائنات کا سرتاج محمد ﷺ پکار رہا ہے۔

اللہ کی غیبی مدد آ گئی

میدانِ بدر میں عجیب صورتِ حال تھی --- مشرکینِ مکہ بدر میں پہنچے اور ہموار زمین پر ڈیرے ڈال لیے --- پانی کے کنویں پر بھی کنٹرول حاصل کرلیا۔

مُسلمانوں کے حصّے ریتلی زمین آئی، جس میں انسانوں اور جانوروں کے قدم دھنس جاتے ----- دشمن تعداد میں تین گنا تھا ----- سامانِ جنگ سے لیس ----- مسلح اور جنگجو اور تجربہ کار فوجی ----- ادھر مسلمان تعداد میں بہت کم، اسلحہ نہ ہونے کے برابر، سامانِ جنگ برائے نام، سواریوں کا شمار نہ ہونے کے برابر، پانی پر دشمن قابض۔

ایسے حالات میں اللہ کی مدد اتری --- خوف دُور کرنے کے لیے اور تھکاوٹ کو بھگانے کے لیے مُسلمانوں پر غنودگی طاری کردی --- تازہ دم ہوگئے --- ادھر سے بارش برسا کر ریتلی زمین کو ہموار کردیا --- مسلمانوں نے پانی جمع کرلیا۔

مُسلمانوں کی نظروں میں دشمنوں کی تعداد اصل تعداد سے کم دکھائی دی، تاکہ مُسلمان مرعوب نہ ہوں، ایک ہزار فرشتے اتار کر مُسلمانوں کی حوصلہ افزائی اور مدد فرمائی۔

نرالی اور انوکھی جنگ

حق و باطل کی پہلی جنگ اس لحاظ سے بڑی عجیب اور انوکھی جنگ ہے کہ خون کے رشتے ایک دوسرے سے ٹکرائے --- یہ جنگ بیگانوں اور پرائوں کے درمیان نہیں تھی، بلکہ اپنے بھائی بندوں کے درمیان تھی --- آج خون، نسب، وطن، برادری، خاندان، زبان --- سب رشتے ٹوٹ گئے تھے --- آج ایک ہی رشتہ باقی تھا، ایمان والا رشتہ۔

- اُدھر ابوجہل کے جھنڈے کے نیچے : عبدالرحمٰن بن ابی بکر ہے
اور اِدھر محمدؐ عربی کے جھنڈے کے نیچے : سیدنا ابوبکرؓ ہیں۔

- اُدھر ابوجہل کے جھنڈے کے نیچے : عباس بن عبدالمطلب ہے
اور اِدھر محمدؐ عربی کے جھنڈے کے نیچے : ان کے بھائی حمزہؓ۔

- اُدھر ابوجہل کے جھنڈے کے نیچے : ولید بن عُتبہ ہے
اور اِدھر محمدؐ عربی کے جھنڈے کے نیچے : اس کا بھائی ابوجندلؓ۔

- اُدھر ابوجہل کے جھنڈے کے نیچے : عاص بن ہشام ہے
اور اِدھر محمدؐ عربی کے جھنڈے کے نیچے : اس کا بھانجا فاروقِ اعظمؓ۔

- ابو عُبیدۃ بن الجراح رضی اللہ عنہ پر ان کے والد نے حملہ کردیا تو بیٹے نے اپنی مدافعت میں تلوار چلائی اور باپ کے دو ٹکڑے ہوگئے۔

- مکہ کے مشہُور پہلوان اور نامور سردار عُتبہ بن ربیعہ نے میدان میں نکل کر مقابلے کے لیے پکارا تو اسی کا بیٹا ابوحذیفہ صفوں سے باہر نکل کر باپ سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے تیار ہوگیا۔

نتیجۂ جنگ

بہر حال ۱۷ رمضان المبارک بروز جمعۃ المبارک کفرو اسلام کا یہ انقلابی معرکۂ جنگ بپا ہوا ---- دونوں طرف سے مشہُور معروف لوگ اور جنگجو ایک دوسرے کے مقابل ہو کر ھَلْ مِنْ مُبَارِزٍ کی صدائیں لگانے لگے۔

عُتبہ اپنے بھائی شیبہ اور اپنے بیٹے ولید کے ساتھ سج دھج کے میدان میں اترا۔

عُتبہ کو سیدنا امیر حمزہؓ نے واصل جہنّم کردیا --- ولید کو سیدنا علیؓ نے

اپنے انجام کو پہنچا دیا ---- شیبہ کے مقابلے میں سیدنا عُبیدہ نکلے۔ مقابل کو زخمی کیا، مگر خود بھی زخمی ہو گئے ---- حضرت امیر حمزہؓ اور حذیفہؓ نے شیبہ کا کام تمام کر دیا ---- حضرت عُبیدہ جام شہادت نوش فرما کر دین اسلام کی صداقت و حقانیت کی گواہی دے گئے۔

مشرکین کے تین سردار مارے گئے --- لشکر کے حوصلے پست ہونے لگے کہ ابوجہل نے ایک تقریر کے ذریعہ مشرکین کا حوصلہ بڑھایا۔ وہ کہتا تھا: یہ مٹھی بھر ہیں، انھیں موت کے گھاٹ اتار دو ---- میں لات و عزیٰ کی قسم کھاتا ہوں مُسلمانوں کو آج سمجھا دو کہ لات و عزی کو چھوڑ کر وہ کس طرح ذلیل ہوتے ہیں۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۳ صفحہ ۲۸۳)

ادھر ابوجہل لات و عزی کے نام کے نعرے لگا رہا تھا --- لات و عزی کو پکار رہا تھا اور ادھر امام الانبیاء ﷺ صحابہ کرامؓ کی صف بندی فرما کر چھپر میں جا کر اپنے مالک و مولا کو پکارنے لگے اور مدد کی درخواست کرنے لگے۔ سر سجدے میں رکھ کر یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِیْثُ کا ورد اور ذکر زبان پر جاری تھا۔ پھر آپؐ میدانِ جنگ میں پہنچے اور ایک مٹھی مٹی اور کنکریوں کی لے کر شَاهَتِ الْوُجُوْهُ (چہرے روسیاہ ہوں) پڑھتے ہوئے مشرکین کی طرف پھینکیں ---- اللہ رب العزت کی قدرت کہ ہوا نے اس مٹی کے ذرات کو تمام مشرکین کی آنکھوں تک پہنچا دیا اور وہ پریشانی کے عالم میں آنکھیں ملنے لگے۔

قرآن مجید نے اس کو بڑے دل نشین انداز میں بیان فرمایا:

﴿ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ﴾ (الانفال ۸: ۱۷)

"اور آپؐ نے خاک کی مٹھی نہیں پھینکی جس وقت کہ آپؐ نے پھینکی بلکہ اللہ نے وہ پھینکی"۔

پھر آپؐ نے جوابی حملے کا حکم فرمایا، اور زور سے اعلان کیا:

شُدُّوا ------ مشرکین پر زور سے حملہ آور ہو جاؤ ----- جنت تمہاری منتظر ہے۔

صحابہ کرام ---- جو نہتے تھے، آگے بڑھے اور یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے کہ جس دشمن کو اپنے اسلحہ ----- اور قوت و طاقت پر ناز تھا وہ اچانک ہمت ہار چکا تھا ---- میدان چھوڑ کر بھاگنے کی فکر میں تھا ----- جن گردنوں میں تکبر کا سریا تھا وہ گاجر اور مولی کی طرح کٹ کٹ کر گر رہی تھیں ---- بڑے بڑے قوی الجثہ اور بڑی ڈیل ڈول کے پہلوان ---- ان کی مشکیں کمزور اور نحیف صحابی کس رہے تھے ---- درخت کی چھڑیاں دو دھاری تلوار کا کام کر رہی تھیں ---- یہ سب اس نصرتِ الٰہی اور اللہ کی مدد کے کرشمے تھے جو فرشتوں کے نزول کی صورت میں آئی تھی۔

اس بات کو قرآن نے اس طرح بیان فرمایا:

﴿فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ (الانفال ۸ : ۱۷)

"جنگ اور لڑائی میں مشرکین کو تم نے قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انھیں قتل کیا"۔

آپؐ زور دار انداز میں اپنے ساتھیوں کو جنگ پر ابھار رہے تھے ---- فرمایا:

لوگو! اس جنت کی طرف بڑھو جس کی وسعت اور کشادگی آسمانوں اور زمینوں کے برابر ہے۔

نبی اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کا یہ اعلان سن کر حضرت عمیر بن حمام رَضِيَ اللهُ عَنْهُ نے پوچھا یا رسُول اللہ! میں بھی اہل جنت میں سے ہوں؟---- آپؐ نے فرمایا: ہاں تم بھی جنت والوں میں سے ہو ---- ان کے ہاتھ میں چند کھجوریں تھیں ---- کھانے لگے ---- پھر کہا کھجوریں کھانے میں لگ گیا تو یہ زندگی تو لمبی ہو جائے گی

اور یہ کہہ کر کھجوریں پھینک دیں کہ دنیا کی کھجوریں کیا کھانی ہیں، جنت کے باغوں کی کھجوریں کھائیں گے---- پھر لڑتے لڑتے جامِ شہادت نوش فرماگئے۔

ابوجہل واصلِ جہنم ہوا

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف کہتے ہیں کہ میدانِ بدر میں---- میں نے دائیں اور بائیں دیکھا تو دونوں طرف دو نوخیز نوجوانوں کو پایا---- دل میں سوچا کہ میرے دائیں اور بائیں ناتجربہ کار اور نوخیز جوان ہیں---- میری دونوں سائیڈیں کمزور ہیں، میں یہی سوچ رہا تھا کہ ان میں سے ایک نے آہستہ سے پوچھا---- چچا ابوجہل کون سا ہے اور کہاں ملے گا، اتنے میں دوسرے جوان نے بھی یہی سوال کیا۔

میں نے کہا تم ابوجہل کا کیوں پوچھ رہے ہو؟

کہنے لگے: ہم نے سنا ہے وہ ہمارے محبوب پیغمبر کا سب سے بڑا دشمن ہے اور انھیں گالیاں بکتا ہے۔ سو ہم نے اپنے اللہ سے عہد کیا ہے کہ یا تو ابوجہل کو قتل کریں گے یا اپنی جان دے دیں گے۔

اتنے میں اتفاقاً ابوجہل گھوڑے پر سوار اور اسلحہ سے لیس سامنے آگیا---- میں نے اشارے سے بتایا کہ ابوجہل وہ سامنے گھوڑے پر سوار ہے---- میرا اتنا اشارہ کرنا تھا کہ وہ دونوں جوان باز کی طرح ابوجہل پر جھپٹے---- پھر فضا میں گرد و غبار چھایا اور جونہی مطلع صاف ہوا تو میں یہ دیکھ کر حیران ہو گیا کہ ابوجہل کا جسم زمین پر تڑپ رہا تھا---- اسی کشمکش میں ایک بھائی معوذ شہید ہو گیا اور دوسرے بھائی معاذ کا بازو کندھے سے کٹ گیا---- اور صرف ایک تسمہ سا باقی رہ گیا، جسے رکاوٹ سمجھتے ہوئے معاذ نے ہاتھ پاؤں کے نیچے دبا کر ہاتھ کو جسم سے جدا کردیا---- ایک ہاتھ سے ہی دادِ شجاعت دیتے رہے---- معاذ رضی اللہ عنہ خلافتِ سیدنا عثمانؓ تک زندہ رہے---- معاذ اور معوذ کی والدہ کا نام عفراء ہے۔ یہ بہت خوش قسمت صحابیہ ہے جس کے سات بیٹے غزوۂ بدر میں

شریک ہوئے اور دونے جامِ شہادت بھی نوش فرمایا۔ (زرقانی جلد ۱ صفحہ ۴۱۶)

ابنِ مسعودؓ اور ابوجہل کا سر

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ ابوجہل کا سر قلم کر کے لائے --- یہ گئے، ابھی ابوجہل میں سانس کی کچھ رمقیں باقی تھیں --- عبداللہ بن مسعودؓ کمزور اور دبلے پتلے --- ابوجہل کی گردن پر پاؤں رکھ کر کہا: --- اللہ نے تجھے ذلیل اور رسوا کیا ہے۔

ابوجہل نے چونک کر اسی ترنگ میں جواب دیا:

او بکریوں کے چرواہے! دیکھ کہاں پاؤں رکھ رہا ہے؟۔ پھر کہنے لگا:

"میری تیز تلوار سے میری گردن کاٹنا اور میرے بھتیجے کو جا کر کہنا کہ: جتنا بغض اور کینہ اور عداوت میرے دل میں تیرے متعلق تھی آج اس سے بڑھ کر کینہ اور عداوت دل میں لے کر جا رہا ہوں"۔

جب ابوجہل کا سر میرے نبی کے قدموں میں لا کر رکھا گیا اور اس کی دل آزار باتیں بتائی گئیں تو آپ نے فرمایا: یہ میری امت کا فرعون تھا جس کا شر اور فتنہ فرعونِ موسیٰ کے شر اور فتنہ سے بڑھ کر تھا --- اس لیے کہ موسیٰ کے فرعون نے آخری وقت ایمان کا اقرار کیا جو نا مقبول ہوا --- مگر اس امت کے فرعون نے مرتے وقت بھی کفر اور تکبر کے جملے ہی اپنی مردود زبان سے ادا کیے۔

ابوجہل کے علاوہ بڑے بڑے کئی سردار اور چوہدری جنگِ بدر میں مارے گئے --- عتبہ، شیبہ، ولید، امیہ بن خلف (بلالؓ کو تپتے ہوئے انگاروں پر لٹا کر ظلم کرنے والا) عبیدہ بن سعید بن العاص غزوہ بدر میں حضرت زبیر نے ایسی دادِ شجاعت دی کہ خود رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کی دلیری پر حیران ہو گئے --- ان کی تیز تلوار دندانے دار ہو گئی جو یادگار حیثیت اختیار کر گئی۔

اسی جنگ بدر میں عکاشہ بن محصن اسدی رضی اللہ عنہ کی تلوار عین معرکۂ

جنگ میں ٹوٹ گئی ---- وہ امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے کہ اب کیا کروں؟ آپؐ نے عکاشہ کو ایک لکڑی عطا فرمائی اور کہا جاؤ اسی سے جنگ کرو۔

سیدنا عکاشہ نے اس چھڑی کو آپؐ کے دستِ مبارک سے لے کر جو حرکت دی تو وہ ایک لمبی، مضبوط اور چمکتی ہوئی تلوار میں تبدیل ہو گئی ---- اسی تلوار سے لڑتے رہے ---- بعد کی جنگوں میں بھی وہ اسی تلوار کو استعمال کرتے رہے ---- خلافت صدیق اکبرؓ میں منکرینِ ختمِ نبوت سے لڑتے ہوئے انھوں نے جب جامِ شہادت نوش فرمایا ---- یہ تلوار اس وقت بھی ان کے پاس تھی۔

اس جنگ میں مشرکین مکہ کے ستر آدمی قتل ہوئے جن میں کئی ان کے سردار تھے اور بہتر کے قریب قیدی بنائے گئے۔

چودہ صحابہؓ نے شہادت کا مرتبہ پایا۔

شرکاءِ بدر کا مقام

جو اصحاب رسول غزوۂ بدر میں شریک ہوئے ---- اور یہ جنگ ایسے لڑی کہ فضائے آسمانی کو حیران کر کے رکھ دیا ---- ان بدری صحابہ کے بارے میں امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ قَدِ اطَّلَعَ عَلٰی اَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ قَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ وَ بَدَّلْتُ سَيِّئَاتِكُمْ حَسَنَاتٍ

اللہ رب العزت نے بدر کے شرکاء کو جھانک کر دیکھا (ان کے دل دیکھے دلوں میں ایمان دیکھا، سینے دیکھے، سینوں میں دین کی محبت اور اخلاص دیکھا) اور فرمایا جو چاہو عمل کرتے رہو میں نے تمھیں معاف کر دیا ہے اور تمھارے گناہوں کو بھی نیکیوں میں تبدیل کر دیا ہے۔

بدری فرشتے

غزوہ بدر میں ایک ہزار فرشتوں کو اتارا گیا تھا ----
تین ہزار اور پھر پانچ ہزار ملائکہ کے اتارنے کا وعدہ مشروط تھا۔

ایک دن جبریل امین نے امام الانبیاء ﷺ سے پوچھا:
آپ اپنے اندر بدری صحابہ کو کیا مقام و مرتبہ دیتے ہو؟
آپ نے فرمایا: وہ دوسرے تمام مومنوں سے افضل و اعلیٰ ہیں ----
یہ جواب سن کر جبریل امین نے کہا: اسی طرح ہم بھی ان فرشتوں کو سب سے افضل سمجھتے ہیں جو بدر کی جنگ میں اتارے گئے تھے۔ (بخاری کتاب المغازی)

مقتولین کا انجام

غزوۂ بدر میں فتح و کامرانی کے بعد آپ نے تین دن وہیں قیام فرمایا ---- اسی غزوہ میں آپ نے چودہ صحابہ کے کفن و دفن کا انتظام فرمایا۔

بدر کے میدان کے قریب ایک ویران کنواں تھا ---- نہایت گندہ اور غلیظ ---- آپ نے مشرکین کے بڑے بڑے چوبیس سرداروں کی لاشیں اسی کنویں میں پھنکوائیں۔

بدر سے روانگی کے وقت آپ اچانک اس کنویں کی منڈیر پر آئے اور آپ نے ایک ایک مشرک کو اس کا نام لے کر آواز دی:

اے عُتبہ، اے شیبہ، اے امیّہ، اے ابوجہل!

"جو وعدہ ہمارے رب نے ہمارے ساتھ کیا تھا ہم نے اس کو سچا پایا ---- اس نے ہماری مدد کی اور فتح سے ہمکنار فرمایا ---- کیا تم نے بھی دیکھ لیا ہے کہ اللہ رب العزت نے جو وعدہ تم سے کیا تھا وہ سچ اور حق ہے؟"۔

(بخاری جلد ۲ صفحہ ۵۶۶)

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے ---- اور ایک روایت میں ہے کہ

بہت سارے صحابہ بولے : یا رسُول اللہ ! آپ ایسے اجسام سے گفتگو فرما رہے ہیں جن کے اندر روح موجود نہیں ہے۔
(مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۶۷، و بخاری جلد ۲ صفحہ ۵۶۳)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے الفاظ مسند احمد نے اس طرح نقل کیے ہیں :
آتنادیھم بعد ثلاث و ھل یسمعون یقول اللہ اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی
(مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۲۸۷)

یا رسُول اللہ ! آپ ان سے خطاب فرما رہے ہیں جن کو ہلاک ہوئے تین دن گزر چکے ہیں ---- کیا وہ سن رہے ہیں؟ حالانکہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے کہ آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے۔

(آگے بڑھنے سے پہلے ذرا ٹھہریے اور ایک بات کا فیصلہ کیجیے۔
سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے کئی صحابہ کے سوال کرنے اور پوچھنے سے یہ بات ظاہر نہیں ہو گئی کہ تمام اصحابِ رسُول کا یہ عقیدہ تھا کہ مردے دنیا والوں کی کلام سُننے کی صلاحیت نہیں رکھتے ----- اگر صحابہ کرامؓ کا عقیدہ اور نظریہ ہوتا کہ مردے سُنتے ہیں تو وہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کبھی نہ کرتے ----- اور دوسری حقیقت یہ واضح ہوئی کہ اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی ---- کو مردوں کے نہ سُننے پر سیدنا فاروقِ اعظم نے بطور دلیل پیش فرمایا ---- انھوں نے اس آیت کو سماعِ موتیٰ کی نفی میں پیش فرمایا ---- اور یقیناً انھیں اس آیت کا یہ مفہوم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھایا ہوگا۔)

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحابِ رسُول کے تعجب کو دیکھ کر یہ نہیں فرمایا کہ تمھیں علم نہیں کہ مردے سُنتے ہیں اور اے فاروقِ اعظم جو آیت تو تلاوت کر رہا ہے اس کا یہ مفہوم نہیں ہے --- اس آیت سے سماع (سُننے) کی نفی نہیں ہو رہی بلکہ اسماع (سنانے) کی نفی ہو رہی ہے۔

بلکہ اصحابِ رسُول کے تعجب بھرے سوال کے جواب میں آپؐ نے بہت دلچسپ جواب ارشاد فرمایا:

اِنَّهُمُ الْاٰنَ يَسْمَعُوْنَ مَا اَقُوْلُ لَهُمْ (بخاری جلد ۲ صفحہ ۵۶۷)

"بے شک وہ مُردے (تمام مُردے نہیں) اس وقت (ہر وقت نہیں) وہ بات جو مَیں کہہ رہا ہوں، (ہر ایک کی بات نہیں) اسے سُن رہے ہیں"۔

امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے تین قیدیں لگا کر یہ بات سمجھائی کہ اگرچہ مُردے دُنیا والوں کی بات نہیں سُن سکتے ---- مگر اس وقت ان مردوں کا میری بات کو سُن لینا میرا معجزہ ہے --- معجزۃً انھوں نے آپؐ کی بات اور گفتگو کو سنا ---- اور معجزۃً تو آپؐ کی بات کو لکڑی کے تنے نے بھی سنا تھا ---- پتھر بھی بولے تھے ----- جانوروں نے بھی کلام کیا تھا ---- کنکریوں نے بھی تسبیح پڑھی تھی۔

صاحبِ مشکوٰۃ اس حدیث کو لائے ہی باب المعجزات میں ہیں۔

پھر یہ بات اور اس واقعہ کا تذکرہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے پیش ہوا تو انھوں نے فرمایا:

كَيْفَ يَقُوْلُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ذٰلِكَ وَاللّٰهِ تَعَالٰى يَقُوْلُ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى ---- وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِى الْقُبُوْرِ۔ (بخاری جلد ۲ صفحہ ۵۶۷)

اللہ کے رسُولؐ یہ بات (کہ میری بات کو وہ سُن رہے ہیں) کیونکر کہہ سکتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے: میرے پیغمبر آپؐ مُردوں کو نہیں سنا سکتے۔

مُسلم جلد ۲ صفحہ ۳۰۳ میں ہے کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا ---- عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھول گئے ---- وہ امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے الفاظ یاد

نہیں رکھ سکے ---- آپؐ نے مردوں کے سُننے کی بات ہی نہیں فرمائی، بلکہ آپ نے اس طرح فرمایا تھا:

اِنَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ اَنَّ مَا كُنْتُ اَقُوْلُ لَهُمْ حَقٌّ ثُمَّ قَرَأَتْ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ۔

بے شک وہ مشرکین اگلے جہان میں پہنچ کر اس حقیقت کو جان اور سمجھ رہے ہیں کہ جو کچھ میں ان سے کہتا تھا وہ حق اور سچ تھا۔ پھر ام المومنینؓ نے قرآن کی دو آیتیں تلاوت فرمائیں۔ (بخاری جلد ۲ صفحہ ۵۶۷)

ام المومنینؓ کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم قرآن کی آیات کے خلاف بات نہیں کہہ سکتے، اور اگر آپؐ نے یہ جُملے فرمائے بھی ہیں تو ان کا مفہوم اور مراد یہ ہے کہ جو میں نے بیان کردی ہے ---- یعنی سماع بمعنی علم ---- سُننا بمعنی جاننا۔

ایک اور بات بھی سنیے ---- ام المومنین رضی اللہ عنہا نے مردوں کے نہ سُننے پر ان آیات کو تلاوت فرمایا تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سمیت کسی صحابی نے نہیں کہا کہ ---- ام المومنین ان آیتوں کا یہ مفہوم نہیں ہے جو آپ بیان فرما رہی ہیں ---- یہاں سماع کی نہیں اِسماع کی نفی ہو رہی ہے۔

بلکہ ام المومنین کے بیان پر اور سمجھانے پر سب صحابہ نے خاموشی اختیار کرلی ---- اہلِ علم جانتے ہیں اور اصول فقہ کی کُتب گواہ ہیں کہ ایک صحابی کوئی بات بیان فرمائیں اور دوسرے صحابہ خاموش ہوجائیں تو اجماع کی یہ قسم قطعی ہونے میں متواتر کی طرح ہے۔ (اصول الشاشی)

مدینہ میں فتح کی خوشخبری

غزوۂ بدر میں کامیابی اور فتح کی خوشخبری سنانے کے لیے آپؐ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ روانہ فرمایا ---- مدینہ میں منافقین

نے ایک جھوٹی خبر مسلمانوں کی شکست اور امام الانبیاء ﷺ کی شہادت کی پھیلا رکھی تھی جس سے مسلمان بہت افسردہ اور شکستہ خاطر تھے ----- اسی دوران امام الانبیاء ﷺ کی صاحبزادی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا جو سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں انتقال فرما گئیں ----- اس سے مسلمانوں کا دکھ اور غم دوگنا ہو گیا۔

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہ کی بیماری و علالت کی وجہ ہی سے امام الانبیاء ﷺ نے حضرت عثمان کو ان کی تیمار داری اور دیکھ بھال کے لیے مدینہ میں چھوڑا تھا، اور انھیں بدریوں کی فضیلت اور مالِ غنیمت میں برابر کا حصے دار ٹھہرایا گیا تھا۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ امام الانبیاء ﷺ کی اونٹنی قصوا پر سوار ہو کر ---- فتح کی خوشخبری اور بشارت لے کر مدینہ منورہ میں داخل ہوئے اور بتایا کہ بڑے بڑے دشمنانِ اسلام تہِ تیغ کر دیے گئے اور کئی قیدی بنائے گئے ---- یہ سن کر ہر طرف مسرت و شادمانی کی ایک لہر دوڑ گئی ----- مرجھائے ہوئے چہرے کھل اٹھے ----- اور مدینہ کے در و دیوار اور گلیاں نعرۂ تکبیر سے گونج اٹھیں۔

بدر کے قیدی

غزوۂ بدر میں ستر مشرکین کو قیدی بنا لیا گیا تھا ----- مدینہ منورہ پہنچ کر آپ نے قیدیوں کو صحابۂ کرام میں تقسیم فرما دیا اور حکم دیا کہ ہمارے فیصلے تک ان قیدیوں کو اپنے پاس رکھو اور حسنِ سلوک میں کوئی کوتاہی اور کمی نہ ہو۔

صحابہ کرام ان قیدیوں کے ساتھ آپ کے حکم کی تعمیل میں ایسا سلوک کیا کہ دنیا دیکھ کر دنگ رہ گئی ---- پہلے کھانا قیدی کو کھلاتے ---- بچ جاتا تو خود کھا لیتے، ورنہ کھجوروں پر گزارا کر لیتے۔

آپؐ نے اپنے صحابہ سے مشورہ کیا کہ ان قیدیوں سے کیا سلوک کیا جائے؟۔ یہ قیدی کوئی غیر بھی نہیں ہیں، اپنے ہیں۔ کئی مہاجرین کے بہت قریبی رشتے دار ہیں۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مشورہ تھا کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے ----- اس کے دو فائدے ہوں گے ---- فدیہ کی رقم سے ہماری اقتصادی حالت بہتر ہو جائے گی ---- فدیہ کی رقم سے اسلحہ خریدیں گے تو دفاعی پوزیشن بھی مضبوط ہوگی، دوسرا فائدہ یہ ہوگا ----- کہ یہ قیدی ہماری طاقت اور حسن سلوک کو دیکھ چکے ہیں ہوسکتا ہے ان میں سے کچھ کو اسلام لانے کی توفیق مل جائے۔ (مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۲۴۳)

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ یہ لوگ کفر کے سردار ہیں ----- انھوں نے تمام عرصہ اسلام کو مٹانے کے لیے اور ہمیں صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے کوششیں کی ہیں ----- ان کو قتل کر دیا جائے، تاکہ کفر کی کمر مکمل طور پر ٹوٹ جائے۔ (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۳۴، جلد ۱ صفحہ ۲۰۴)

آپؐ نے اگرچہ دونوں کی رائے کی تحسین فرمائی مگر پسند سیدنا صدیق اکبرؓ کی رائے کو فرمایا۔ مگر اللہ رب العزت نے سیدنا فاروقِ اعظمؓ کی رائے اور مشورہ کی تائید اور تصویب فرماتے ہوئے کہا:

﴿ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ ﴾

کسی نبی کے لیے یہ مناسب اور درست نہیں کہ اس کے پاس قیدی آئیں یہاں تک کہ وہ زمین میں اچھی طرح خون بہائے، تم دنیا کا سامان چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہے۔ (الانفال ۸: ۶۷)

زینبؓ کا ہار خدیجہؓ کی نشانی

ان قیدیوں میں امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے داماد

ابوالعاص بھی تھے ------ آپؐ کی بڑی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے خاوند کو چھڑانے کے لیے بطور فدیہ کچھ مال بھیجا---- اس مال میں ایک ہار بھی تھا ---- یہ وہی ہار تھا جو ماں نے اپنی بیٹی زینب کو دلہن بنا کر رخصت کیا تھا تو بیٹی کے گلے میں ڈالا تھا----- اللہ کے محبوبؐ نے جب یہ ہار دیکھا تو آپؐ رنجیدہ ہوگئے ---- آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے ---- وفادار و غم گسار خدیجۃ الکبریٰ یاد آنے لگیں۔

آپؐ نے صحابہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

تُمھاری کیا رائے ہے؟ زینب کا قیدی رہا کردو اور یہ ہار زینب کی ماں کی نشانی اسے واپس کردو۔

صحابہؓ نے آپؐ کی بات سے اتفاق کیا اور ابوالعاص کو اس شرط پر رہا کردیا کہ وہ مکہ جاتے ہی زینب کو مدینے بھیج دے گا۔ (ابوداؤد)

انھوں نے اپنا وعدہ پورا کیا----- زینب کو مدینہ بھیج دیا، بعد میں ابوالعاص کو بھی اللہ رب العزت نے ایمان کی دولت سے سرفراز فرما دیا۔

مُتفرّق واقعات

۲ھ میں پیش آنے والا ایک انتہائی اہم اور تاریخ ساز واقعہ غزوۂ بدر کے مُتعلق میں نے ضروری باتیں آپ کے سامنے بیان کردی ہیں۔

اب میں انتہائی اختصار، بلکہ اشارۃً کچھ ایسے واقعات آپ کو بتاتا ہوں جو ۲ھ میں پیش آئے ---- جن واقعات کی تفصیلات آپ کو سیرت اور تاریخ کی کُتب میں ملیں گی۔

❶ آپؐ کی دوسری صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہ جو سیدنا عُثمان رضی اللہ عنہ کے عقد میں تھیں ----- ان کی وفات ۱۹ر رمضان ۲ھ کو ہوئی ----- انتقال کے وقت ان کی عمر ۲۱ سال تھی۔

❷ ۲ھ میں آپ نے دس محرم الحرام کا روزہ رکھا۔ یہ روزہ رمضان المبارک کے روزہ کی فرضیت سے پہلے واجب تھا ----- بعد میں مُستحب کی حیثیت اختیار کر گیا۔

❸ ۲ھ میں زکوٰۃ اور قربانی کا حکم ہوا۔ نیز عید الاضحیٰ کی نماز پڑھائی گئی۔

❹ ایک روایت کی بنا پر ۲ھ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا نکاح اور شادی سیدہ فاطمہؓ بنت رسول اللہؐ سے ہوئی۔

❺ بدر میں شکست نے قریش مکہ کی کمر توڑ دی تھی ----- ابوجہل کے مارے جانے کے بعد قریش کی قیادت اور سرداری ابوسُفیان کے ہاتھ آ گئی تھی (ابوسُفیان بھی فتح مکہ کے دن دائرۂ اسلام میں داخل ہوکر صحابیت کے مرتبے پر فائز ہوئے اور ان کے گھر نے "من دخل دار ابی سفیان فھو آمن" کے شرف کو پایا۔)

✵ ابوسُفیان نے قسم کھائی کہ جب تک بدر کا انتقام نہ لوں گا اس وقت تک نہ غسل کروں گا اور نہ سر میں تیل ڈالوں گا ----- ابوسُفیان نے اپنی قسم پوری کرنے کے لیے دو سو اونٹ سوار لیے اور مدینے جا پہنچا۔ پھر ایک یہودی کے گھر گیا تو اس نے دروازہ ہی نہ کھولا ---- پھر ابوسُفیان بنو نضیر کے سردار کے گھر پہنچا۔ اس نے بڑی آؤ بھگت کی ----- صبح کے وقت ابوسُفیان نے مدینے سے تین میل کے فاصلے پر کچھ درختوں کو آگ لگائی اور ایک صحابیؓ کو شہید کر دیا۔

✵ ابوسُفیان نے اپنے خیال میں اپنی قسم پوری کرلی ---- نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو خبر ملی تو صحابہ کی ایک جماعت کو لے کر ابوسُفیان کے دستے کا تعاقب کیا ---- ابوسُفیان اپنے گروہ سمیت تیز رفتاری سے بھاگا اور اپنا بوجھ کم کرنے کے لیے ستو کے تھیلے گراتا چلا گیا ----- ستو کو

عربی میں "سویق" کہتے ہیں۔ اسی لیے اس غزوہ کا نام غزوۂ سویق پڑ گیا۔

۶ یہودیوں کا سردار کعب بن اشرف بڑا مالدار شخص تھا، مدینے سے چند میل کے فاصلے پر اس کا قلعہ نما مکان تھا ---- یہ شاعر بھی تھا اور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی شان میں گستاخیاں کرتا اور سازشوں میں مصروف رہتا ---- اسے نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خواہش پر محمد بن مسلمہ رضی اللّٰہ عنہ نے بڑی عجیب ترکیب کے ساتھ موت کے گھاٹ اتارا۔

۷ یہود کا ایک قبیلہ بنو قینقاع تجارت کرتے اور زیورات کا کام کیا کرتے تھے ---- انھوں نے شرارت، ہٹ دھرمی کی انتہا کر رکھی تھی ----- مُسلمان عورتوں تک کے ساتھ استہزاء اور تمسخُر کرتے تھے ---- آپؐ نے سمجھایا ---- مگر انھوں نے اسے مُسلمانوں کی کمزوری سمجھا ----- بلکہ مقابلے کی ٹھان لی ---- آپؐ نے صحابہ کا لشکر لے کر ان کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا ---- پھر انھوں نے ہتھیار ڈال دیے اور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے انھیں مدینہ سے جلا وطن فرما دیا ---- یہ ملک شام کے کسی علاقے میں جا بسے ---

سامعینِ گرامی قدر! میں نے بڑے اختصار کے ساتھ غزوۂ بدر کے اہم اہم واقعات کو ----- اور مفید باتوں کو آپ کے سامنے بیان کیا ہے۔ ----- پھر ایسے واقعات کی طرف بھی میں نے اشارہ کر دیا ہے جو ۲ھ میں پیش آئے تھے۔

اس سے آگے کے واقعات ----- غزوۂ اُحد اور غزوۂ خندق کے حالات و واقعات ان شاء اللّٰہ العزیز آئندہ خطبے میں بیان کروں گا۔

وما علینا الا البلاغ المبین
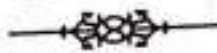
سیرت خاتم الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ۔۴

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿ وَ لَقَدْ صَدَقَکُمُ اللّٰہُ وَعْدَہٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَھُمْ بِاِذْنِہٖ ج حَتّٰٓی اِذَا فَشِلْتُمْ وَ تَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَ عَصَیْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰکُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ط مِنْکُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الدُّنْیَا وَمِنْکُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الْاٰخِرَۃَ ج ثُمَّ صَرَفَکُمْ عَنْھُمْ لِیَبْتَلِیَکُمْ ج وَلَقَدْ عَفَا عَنْکُمْ ط وَ اللّٰہُ ذُوْفَضْلٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ ﴾

اور یقیناً اللہ رب العزت نے تم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا جب تم مشرکین کو قتل کر رہے تھے اللہ کے حکم سے یہاں تک کہ تم نے بزدلی دکھائی اور کام میں جھگڑا ڈالا اور نافرمانی کی بعد اس کے کہ اللہ تمھیں تمھاری پسندیدہ چیز (فتح) دکھا چکا تھا تم میں سے کچھ دنیا کے طلبگار تھے اور تم میں سے کوئی آخرت کا طالب تھا پھر پلٹ دیا تم کو ان پر سے تا کہ تم کو آزمائے اور اس نے تم کو معاف کر دیا اور اللہ کا فضل ہے ایمان والوں پر۔ (سورۃ آلِ عمران ۳ : ۱۵۲)

سامعینِ گرامی قدر ! ۳ھ میں امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور آپ کے ساتھیوں کو کئی واقعات و حالات اور حادثات کا سامنا کرنا پڑا۔

اسی سال شعبان کے مہینے میں آپؐ نے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حفصہ سے شادی فرمائی ---- ان کے پہلے خاوند غزوۂ بدر میں زخمی ہو کر کچھ مدت بعد انتقال کر گئے تھے۔

اسی سال ربیع الاول میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا نکاح سیدہ ام کلثوم بنت رسول اللہ سے ہوا۔

ایک روایت کے مطابق اسی سال رمضان المبارک کے مہینے میں سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی ولادت باسعادت ہوئی۔

اسی سال آپؐ نے ذوالحجہ کے مہینے میں سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔ ان کے پہلے شوہر سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ غزوہ احد میں شہید ہو گئے تھے ---- آپؐ کی یہ زوجۂ محترمہ کثرت صدقہ و خیرات کی وجہ سے، ام المساکین کہلاتی تھیں ---- دو یا تین مہینے آپ کی زوجیت میں رہیں اور پھر اللہ کو پیاری ہو گئیں۔

وراثت کے مکمل احکام بھی اسی سال نازل ہوئے اور مشرکہ عورت سے مومن مرد کا نکاح کرنا بھی اسی سال حرام ٹھہرا۔

ایک روایت کے مطابق شراب کی حرمت بھی اسی سال ہوئی اور ایک روایت کے مطابق شراب کی حرمت ۴ھ میں نازل ہوئی۔

غزوۂ احد

غزوۂ بدر میں جو زخم مشرکین مکہ کو لگ چکے تھے انھوں نے ناسور اور کینسر کی صورت اختیار کر لی تھی ---- قریش مکہ کا ہر گھر ماتم کدہ بن گیا تھا ---- مشرکین مکہ کی آتشِ انتقام بھڑک رہی تھی ---- ان کا ایک ایک جوان بدلے کے لیے تیار تھا۔

انھوں نے ایک نئی جنگ کی تیاری بڑے زور شور سے شروع کی۔

اس تیاری کا اندازہ اس سے لگائیے کہ:

انھوں نے شام سے آیا ہوا تمام منافع جنگی تیاریوں کے لیے وقف کر دیا تھا۔۔۔ اس کے علاوہ بھی کھاتے پیتے گھرانوں کے لوگوں نے چندے دیے۔۔۔۔۔ آتش بیان خطیب، شعلہ بیان مقرر اور جادو اثر شعراء ہر طرف پھیل کر لوگوں کو ہر لحاظ سے جنگ کے لیے تیار کرنے لگے۔ پوری تگ و دو اور کوشش کے بعد مشرکین نے تین ہزار کا ایک بڑا لشکر تیار کر لیا۔۔۔۔۔ جن میں سات سو زرہ پوش تھے۔۔۔۔۔ تین ہزار اونٹ، دو سو گھوڑے تھے۔

علاوہ ازیں بڑے با اثر اور اونچے گھرانے کی عورتوں کو بھی مشرکین مکہ نے ساتھ لے لیا۔۔۔۔ ان میں ابوسفیان کی بیوی ہند بھی ہے۔ عکرمہ بن ابی جہل کی بیوی ام حکیم بھی، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی والدہ بھی۔

ان تمام تیاریوں کے ساتھ لشکرِ کفار مدینے کی طرف روانہ ہوا۔ ابوسفیان اس لشکر کے کمانڈر تھے۔۔۔۔۔ رسالہ کی کمانڈ خالد بن ولید کے سپرد ہوئی اور عکرمہ بن ابی جہل کو اس کا معاون بنایا گیا۔۔۔۔ لشکر کا پرچم دستورِ مکہ کے مطابق قبیلہ بنی عبد الدار کو دیا گیا۔

امام الانبیاء ﷺ کے چچا سیدنا عباس نے ایک قاصد کے ذریعہ تمام حالات تحریر کر کے مدینہ منورہ پہنچا دیے۔

آپ نے یہ اطلاع پا کر اپنے دو ساتھیوں کو لشکرِ قریش کی نقل و حرکت کی خبر لانے کے لیے روانہ فرمایا۔ انھوں نے واپس آ کر اطلاع دی کہ مشرکین مکہ مدینہ کے قریب پہنچنے والے ہیں۔

امام الانبیاء ﷺ کا صحابہ سے مشورہ

امام الانبیاء ﷺ نے صبح کی نماز کے بعد اپنے ساتھیوں سے مشورہ فرمایا کہ مشرکین مکہ سے جنگ کرنے کی حکمتِ عملی کیا ہونی چاہیے؟

آپ کی رائے اور دوسرے بزرگوں کی رائے یہ تھی کہ مدینہ کے اندر رہ کر ہی کفار کا مقابلہ کیا جائے۔ رئیس المنافقین کی رائے بھی یہی تھی۔ (اس کی رائے اس لیے تھی کہ جنگ نہ کرنے کی صورت میں بھی نفاق پر پردہ پڑا رہے گا۔)

مگر پر جوش صحابہ کرام اور نوجوان خون کی رائے یہ تھی کہ مدینہ کے اندر رہ کر مدافعت کرنا ---- ہماری کمزوری اور بزدلی سمجھی جائے گی ---- دشمن مکہ سے چل کر ہمارے گھر کے دروازے پر دستک دے رہا ہے ---- اس لیے باہر نکل کر ---- کھلے میدان میں دشمن سے دو دو ہاتھ کرنے چاہییں۔

امام الانبیاءؐ نے اپنی اور بزرگ صحابہ کی رائے ترک فرما کر اکثریت کے اصرار کو تسلیم فرمایا اور جمعۃ المبارک کی نماز کے بعد ایک ہزار کا لشکر لے کر احد کی طرف روانہ ہوئے۔

آپ نے لشکر کو تین حصوں پر تقسیم فرمایا ---- اور تین ہی جھنڈے بنوائے ---- مہاجرین کا پرچم سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا۔

قبیلہ اوس کا پرچم سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کو عطا ہوا۔

قبیلہ خزرج کا پرچم سیدنا خباب بن منذر کو دیا گیا۔

مغرب کی نماز آپ نے راستے میں ادا فرمائی اور رات کو بھی یہیں قیام فرمایا ---- یہیں پر آپ نے اسلامی لشکر کا جائزہ لیا اور پندرہ سال سے کم عمر صحابہ کو واپس کر دیا۔

ان بچوں میں ایک بچہ رافع بن خدیج تھا، جو اپنے پنجوں کے بل صف میں کھڑا ہو گیا ---- تاکہ میں بڑا نظر آؤں اور لشکر میں شمولیت کے لیے چن لیا جاؤں ---- رافع کی یہ تدبیر کامیاب رہی اور وہ لشکرِ اسلام میں شامل کر لیے گئے ---- ایک دوسرے نو عمر صحابی حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ میرے ساتھی اور ہم عمر رافع کو اجازت مل گئی ہے تو امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی

بارگاہ میں عرض کیا کہ آپ نے رافع کو اجازت مرحمت فرمادی ہے حالانکہ میں اس سے طاقت ور ہوں ---- آپ ہم دونوں کی طاقت و قوت کا اندازہ لگانے کے لیے کشتی کروالیں۔

آپ نے سمرہؓ کی تجویز مان کر کشتی کروائی ---- سمرہؓ نے واقعی رافع کو پچھاڑ دیا ---- اس طرح وہ بھی مجاہدین میں شامل ہوگئے۔

منافقین دغا دے گئے

نماز فجر کی ادائیگی کے بعد آپ احد کی جانب روانہ ہوئے ---- بالکل قریب پہنچ کر رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی ---- اسلامی لشکر کو نقصان پہنچانے کے لیے اور مجاہدین کے حوصلے پست کرنے کے لیے اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر علیحدہ ہوگیا۔ مگر وہ اپنے مذموم مقصد میں کامیاب نہ ہوسکا ---- جس لشکر میں حضرت رافع اور سمرہ بن جندب جیسے جانباز اور فداکار موجود ہوں اس کے حوصلے کیونکر پست ہوسکتے ہیں۔

صرف دو قبیلے ---- بنو سلمہ اور بنو حارثہ ۔ کے کچھ لوگوں میں ہلکی سی لغزش اور کھٹک پیدا ہوئی ---- اللہ رب العزت نے دونوں کی دستگیری و مدد فرمائی اور وہ پھر سے ثابت قدم اور مضبوط ہوگئے۔

اسلامی لشکر کی صف بندی

میدانِ احد میں پہنچ کر آپ نے اپنے مختصر سے لشکر کی صف بندی فرمائی ---- احد پہاڑ کو اپنی پُشت پر رکھ کر آپ نے اپنی پُشت اور دائیں جانب کو محفوظ فرمالیا ---- اور بائیں جانب سے جس درہ سے حملہ کا خطرہ تھا اسے پچاس تیر اندازوں کے دستے سے بند کردیا ---- جس کا افسر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا اور انھیں تلقین فرمائی :

ہم غالب آجائیں یا مغلوب ہوجائیں، تم نے اس درہ سے نہیں ہٹنا۔

(بخاری صفحہ ۴۲۶)

ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ اگر تم دیکھو کہ پرندے ہمارا گوشت نوچ رہے ہیں یا ہم دشمن کو پاؤں کے نیچے روند رہے ہیں ----- میری اجازت کے بغیر تم نے یہ درہ نہیں چھوڑنا۔ (ابوداؤد کتاب الجہاد)

سات شوال ۳ھ ہفتہ کا دن تھا ---- آپ نے لشکر اسلام کو پامردی اور ثابت قدمی کی تلقین فرمائی ---- صحابہ میں دلیری، شجاعت اور بہادری کی روح پھونکتے ہوئے ایک برہنہ تلوار ہاتھ میں لے کر فرمایا:

اس تلوار کا حق کون ادا کرے گا

مَنْ يَّأْخُذُ هٰذَا السَّيْفَ بِحَقِّهٖ ---- تم میں سے کون ہے جو اس تلوار کو لے کر اس کا حق ادا کرے؟

کئی صحابہ آگے بڑھے ---- ہر ایک نے اپنا ہاتھ پھیلایا ---- حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ ---- لیکن ایک صحابی ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر پوچھا:

فَمَا حَقُّهٗ ----- "اس تلوار کا حق کیا ہے؟"۔

آپؐ نے فرمایا: ---- اس کا حق یہ ہے کہ اس کے ساتھ مشرکین کو قتل کیا جائے یہاں تک کہ یہ ٹیڑھی ہوجائے۔

ابودجانہ نے کہا میں اس کا حق ادا کروں گا ---- آپؐ نے وہ تلوار ابو دجانہ کو مرحمت فرمائی۔

پھر ابودجانہ نے اس تلوار کے ذریعہ مشرکین کی صفوں میں گھس کر ---- مشرکین کے جتھوں کو چیر پھاڑ کے اور درہم برہم کر کے رکھ دیا۔

یہ مشرکین کو مارتے اور کاٹتے ہوئے ابوسفیان کی بیوی ہند تک جا پہنچے

---- ابودجانہ نے اس پر تلوار سونتی اور پھر روک لی ---- اور حوصلے سے کہا ---- نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی تلوار کی شان کے خلاف ہے کہ اسے کسی عورت پر آزمایا جائے۔ (مسلم باب فضائل ابودجانہ)

آغازِ جنگ

دونوں لشکروں کی صف بندی کے بعد باقاعدہ جنگ کا آغاز ہوا اور مشرکین کا علم بردار طلحہ میدان میں اترا اور مسلمانوں کو للکارا ---- حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک ہی وار میں جہنم رسید کردیا۔ پھر طلحہ کا بھائی عثمان علم سنبھالنے کے لیے آیا --- اسے سیدنا حمزہؓ نے دو ٹکڑے کرکے رکھ دیا۔

طلحہ اور عثمان کے بعد ان کے تیسرے بھائی ابوسعد نے جھنڈا اٹھایا ---- اور للکارا ---- حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے تاک کر ایسا تیرا مارا جو گردن میں پیوست ہو گیا اور زبان باہر نکل آئی ---- پھر طلحہ کے بیٹے نے علم کو سہارا دیا ---- مگر اس کے سنبھلنے سے پہلے حضرت عاصم بن ثابت نے اس کا کام تمام کردیا۔

پھر طلحہ کے دوسرے بیٹے کلاب نے جھنڈا اٹھایا ---- سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کردیا ---- پھر طلحہ کے تیسرے بیٹے جلاس نے علم ہاتھ میں لیا ---- مگر اسے فوراً حضرت طلحہؓ نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

طلحہ کے گھر کے چھ افراد جو علم بردار تھے یکے بادیگرے قتل ہوگئے ---- پھر ان کے قبیلے بنی عبدالدار کے مزید چار آدمی اسی جھنڈے کو تھامتے تھامتے واصلِ جہنم ہوگئے ---- پھر ان کے ایک غلام نے جھنڈا اٹھایا مگر وہ بھی تہ تیغ ہوا اور اس طرح مشرکین کے لشکر کا جھنڈا زمین پر گر گیا اور اسے اٹھانے والا کوئی نہ رہا۔

عام جنگ اور شہادتِ حمزہؓ

قریش کے علم بردار ایک ایک کرکے بڑی بری طرح کٹ رہے تھے ---- پھر گھمسان کی لڑائی کا آغاز ہوا ---- کفار کی تعداد اگرچہ مُسلمانوں سے تقریباً پانچ گنا زیادہ تھی ---- لیکن مُسلمان اس بات سے بے خبر بھوکے بازوں کی طرح دُشمن پر جھپٹ جھپٹ کر حملہ آور ہو رہے تھے ---- ہر مجاہد کے دل میں غازی یا شہید کا جذبہ ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

امام الانبیاء ﷺ کے چچا اور رضاعی بھائی اور بچپن کے دوست سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ (اللہ اور اس کے رسُولؐ کے شیر) دو دستی تلوار چلاتے جاتے تھے۔ جدھر کا رخ کرتے مشرکین کی صفوں میں بھگدڑ مچا دیتے۔

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ آگے بڑھتے ہوئے وحشی کے پاس سے گزرے وہ ایک پتھر کی اوٹ میں چھپا بیٹھا تھا ---- نیزے کے وار کرنے میں انتہائی ماہر تھا ---- اس نے تاک کر نیزہ مارا جو ناف سے آر پار ہو گیا اور سیدنا امیر حمزہؓ جام شہادت نوش فرما گئے۔

وحشی ---- جبیر بن مطعم کا غلام تھا۔ جس کے چچا طُعیمہ بن عدی کو جنگ بدر میں سیدنا حمزہؓ نے واصل جہنّم کیا تھا ---- جبیر بن مطعم نے وحشی سے کہا اگر تم مُحمّد کے چچا حمزہ کو میرے چچا کے بدلے میں قتل کر دو تو میں تم کو آزاد کر دوں گا۔

(سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۷۲، و بخاری جلد ۲ صفحہ ۵۸۳)

غسیل الملائکۃ

فضاء آسمانی نے یہ منظر بھی بہت کم بار دیکھے ہوں گے کہ ادھر قریشی لشکر میں مدینہ سے بھاگا ہوا سردار ابوعامر موجود ہے اور مُسلمانوں کے لشکر میں ابوعامر کا بیٹا حنظلہ عجیب انداز سے سرفروش بنا ہوا ہے۔

سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ کی نئی نئی شادی ہوئی تھی ----- بیوی سے ہم آغوش تھے کہ جنگ کی منادی ہوئی ---- یہ وہاں سے اٹھ کر جہاد کے لیے روانہ ہوگئے ----- غسل کرنا چاہتے تھے مگر پھر سوچا کہ جہاد کی پکار پر لبیک کہنے میں اتنی تاخیر اور دیر بھی نہیں ہونی چاہیے ---- ویسے ہی بغیر نہائے احد کی جانب روانہ ہوگئے ---- میدانِ جنگ میں ابوعامر جب سب سے پہلے آیا تو انھوں نے باپ پر حملہ کرنے کی اجازت چاہی۔

لڑائی کی آگ جب ہر طرف بھڑک اٹھی تو حضرت حنظلہ صفوں کو چیرتے ہوئے آگے بڑھے اور لشکرِ مشرکین کے قائد ابوسفیان تک جا پہنچے ---- قریب تھا کہ ان کی تلوار ابوسفیان کا کام تمام کردیتی ---- مگر ایک کافر شداد نے ان پر حملہ آور ہوکر شہید کردیا۔

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے فرشتوں کو دیکھا ہے کہ وہ بارش کے پانی سے چاندی کے برتنوں میں حنظلہ کو غسل دے رہے ہیں۔

(خصائص الکبریٰ جلد ۲ صفحہ ۲۱۶)

ایک روایت میں ہے کہ جنگ تھم جانے کے بعد دیکھا گیا کہ ان کے وجود سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔ (البدایہ والنہایہ)

عمرو بن الجموح کا شوقِ شہادت

حضرت عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ کے پاؤں میں لنگڑاہٹ تھی ---- چلنے میں مشکل پیش آتی ---- ان کے چار جوان اور بہادر بیٹے غزوۂ احد میں شریک تھے مگر حضرت عمرو بھی بضد تھے کہ میں نے بھی جانا ہے ---- وہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور غزوۂ احد میں شامل ہونے کی اجازت طلب فرمائی ----- آپ نے ان کے معذور ہونے کی وجہ سے ----- اور اس وجہ سے کہ ان کے چار بیٹے شریکِ جنگ ہیں ---- انھیں

شرکت کی اجازت نہ دی۔

حضرت عمرو یہ سن کر رونے لگے اور کہنے لگے :

وَاللّٰهِ اِنِّیْ لَاَرْجُوْا اَنْ اَطَاءَ بِعِزْجَتِیْ هٰذِهٖ فِی الْجَنَّةِ

کعبہ کے رب کی قسم ہے مجھے امید ہے کہ میں اسی لنگڑاہٹ کے ساتھ جنت کی زمین پر سیر کروں گا۔ (سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۹۰)

آپ نے ان کے جذبے ---- شوقِ شہادت کی قدر فرماتے ہوئے شرکت کی اجازت دی ---- پھر اللہ رب العزت نے انھیں شہادت کے مرتبے پر فائز فرمایا ---- ان کی شہادت کے بعد آپؐ نے فرمایا :

وَلَقَدْ رَاَیْتُهٗ بَطَاءَ بِعِزْجَةٍ فِی الْجَنَّةِ ------ میں نے عمرو کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے لنگڑے پاؤں سے جنت کی زمین کو روند رہا ہے۔

خوفناک اِجتہادی غلطی

غزوۂ احد کی ابتداء میں اگرچہ مُسلمانوں کی قیمتی جانیں کام آئیں ---- کئی نامور صحابہ شہید ہوگئے ---- مگر مُسلمانوں کی جوانمردی و بہادری نے اور بے پناہ حملوں نے قریش کے چھکے چھڑا دیے ---- مشرکین کا علم گر چکا تھا ---- جتھے ٹوٹ گئے ---- میدان خالی ہو گیا ---- مشرکین بھاگنے لگے ---- کچھ دور تک مُسلمانوں نے مشرکین کا تعاقب کیا اور پھر واپس میدان میں آ کر مالِ غنیمت کے لوٹنے میں مصروف ہوگئے۔

درے میں کھڑے کیے گئے پچاس تیر اندازوں نے یہ منظر دیکھا کہ مشرکین کا علم گر چکا ہے اور اس کے گرد علم برداروں کی لاشیں پڑی ہیں ---- اور لشکرِ قریش کے بڑے بڑے سردار سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ رہے ہیں اور مُسلمان ان کے پیچھے پیچھے ہیں۔

تیر اندازوں نے دیکھا کہ میدان لشکرِ کفار سے خالی ہو گیا ہے اور

مجاہدین ایک دوسرے کو مبارک بادیں دیتے ہوئے خوشی و مسرت کا اظہار کرتے ہوئے مالِ غنیمت کے لوٹنے میں مصروف ہیں۔

تو درہ میں کھڑے ان تیر اندازوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ ہمارا یہاں کھڑے رہنے کا مقصد پورا ہو گیا ہے، اب یہاں کھڑے رہنے کی چنداں ضرورت نہیں ---- خوشی و مسرت کے ان لمحات میں ---- مالِ غنیمت کے اکٹھا کرنے کے لیے ہمیں بھی میدان میں اتر جانا چاہیے۔

حضرت عبداللہ بن جبیر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ نے بہت سمجھایا اور روکا اور انھیں امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا تاکیدی حکم اور تاکیدی جملے سنائے ----- مگر اکثریت کی رائے تھی کہ اب یہاں کھڑے رہنا فضول اور بے معنی ہے ----- تقریباً چالیس آدمیوں نے درہ کو چھوڑ دیا اور میدان میں آکر مالِ غنیمت کو سمیٹنا شروع کر دیا ---- باقی کے حضرات اپنے امیر کی قیادت میں درہ پر ڈٹے رہے۔

(سامعینِ گرامی قدر! چالیس صحابہ کا درہ چھوڑنے والی خوفناک غلطی عنادی نہیں اجتہادی تھی ----- انھوں نے امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی نافرمانی عمداً نہیں کی تھی ---- ان کا اجتہاد یہ تھا کہ درہ پر ڈیوٹی اسی حد تک تھی ----- امام الانبیاء کے تاکیدی کلمات کا مقصد بھی یہی تھا جو کفار کے بھاگنے سے پورا ہو گیا ----- ہم اپنی ڈیوٹی پوری کر چکے ---- پھر درہ چھوڑنے کے بعد بھی وہ مصروفِ جہاد تھے ---- یہ ان کی اجتہادی غلطی تھی جس پر وہ اکہرے اجر کے مستحق ہیں۔)

چالیس صحابہ کی اس خوفناک غلطی کا نتیجہ یہ نکلا کہ خالد بن ولید (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) نے اس درے کو خالی دیکھا تو ایک دستہ لے کر حملہ آور ہوگئے ---- اس سے پہلے وہ تین بار اس درے پر حملہ کر چکے تھے مگر تیر اندازوں کی تیر زنی سے نقصان اٹھا کر پسپا ہو گئے تھے ---- دس آدمیوں کا مختصر سا دستہ بے جگری سے مقابلہ کرتا رہا مگر کب تک ---- وہ

سب صحابہ ایک ایک کر کے شہادت کے مرتبے پر فائز ہو گئے --- خالد بن ولید کا دستہ شیرازہ بند تھا اور مُسلمان مُنتشِر ---- صفیں ٹوٹی ہوئیں ----- مُسلمان پیدل اور خالد کا دستہ تیز رو گھوڑوں پر سوار ----- خالد بن ولید نے بھاگے ہوئے فوجیوں کو بھی واپسی کے لیے آواز لگائی اور گرا ہوا جھنڈا فضا میں لہرا دیا ---- مشرکین کی فوج جھنڈے کے نیچے جمع ہونے لگی۔

مُسلمانوں پر یہ وقت انتہائی نازک تھا ---- وہ دونوں طرف سے گھر چکے تھے ---- وہ جانیں بچانے کے لیے دائیں بائیں بھاگنے لگے۔

امام الانبیاء ﷺ پر یورش

کفار کے لشکر کی پوری کوشش یہ تھی کہ داعیِ اسلام کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے ---- انھوں نے بڑی منصوبہ بندی سے آپ پر حملہ کیا ---- اکٹھے ہو کر آپ پر چڑھ دوڑے ---- آپ نے مٹھی میں کنکریاں اٹھا کر دشمنوں کی طرف پھینکیں ----- ان کنکریوں سے اللہ نے کیا طاقت رکھی تھی کہ ایک مرتبہ دشمن پیچھے ہٹ گئے -----

اتنے میں سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے آپ کو پہچان کر آواز لگائی تو کئی صحابہ دوڑ کر امام الانبیاء ﷺ کے گرداگرد حصار بنا کر کھڑے ہو گئے۔ مشرکین نے مجتمع ہو کر آپ پر حملہ کیا تو آپ نے فرمایا:

"کون ہے جو ان مشرکین کے آگے ڈھال بن جائے، وہ جنت میں میرا ساتھی ہو گا"۔ ---- ایک انصاری آگے بڑھا، وہ شہید ہو گیا ----- پھر دوسرا ---- اسی طرح سات انصاری باری باری شمعِ رسالت پر نثار ہو گئے۔

(مُسلم کتاب الجہاد باب غزوۂ احد)

آخری شہید ہونے والے صحابی زیاد بن سکن رضی اللہ عنہ تھے ---- انھیں زخمی حالت میں امام الانبیاء ﷺ کے پاس لایا گیا، اور انھوں نے اپنے

رخسار نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے قدموں کے ساتھ ملا کر اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔ (سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۸۱)

کسی شاعر نے کہا تھا:

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے
یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

مشکل کی اس گھڑی میں تقریباً تیس صحابہ آپ کے ساتھ اور آپ کے شانہ بشانہ رہے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۴ صفحہ ۲۳)
طبقات ابن سعد نے چودہ صحابہ کا ذکر کیا ہے جن میں سات انصار اور سات مہاجر تھے ---- ساتھ رہنے والوں کے ناموں میں سیدنا صدیق اکبر اور سیدنا فاروق اعظم کے اسماء گرامی نمایاں اور ممتاز ہیں۔

اُمّ عمارہؓ کی جانثاری

مشہور صحابیہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا مشکل کی اس نازک گھڑی میں امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے قریب تھیں ---- قریش کے ایک مشہور پہلوان نے تلوار سے آپ پر حملہ کر دیا۔ ام عمارہ سامنے آ گئیں، تلوار ان کے کندھے پر پڑی ---- ایک روایت میں آیا ہے کہ ام عمارہ کو احد کے دن بارہ زخم آئے تھے ---- نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: میں مشکل کی اس گھڑی میں دائیں بائیں جدھر بھی دیکھتا ام عمارہ کو دیکھتا کہ بہادری سے دشمن کا مقابلہ کر رہی ہے ---- آپ نے خوشی و مسرت سے سرشار ہو کر ام عمارہ کے پورے گھرانے کو رحمت و برکت کی دعاؤں سے نوازا۔ (ام عمارہ کے شوہر زید بن عاصم اور ان کے دو بیٹے خُبیب اور عبد اللہ بھی اس معرکہ میں شریک تھے۔)
ام عمارہ نے رحمت و برکت کی دعا سن کر اور مسرور ہو کر عرض کیا

۔۔۔۔۔ یا رسول اللہ! ہمارے لیے دعا فرمائیے کہ جنت میں آپ کی رفاقت میسر آئے ۔۔۔۔۔ آپ نے ان کی عرض کو قبول فرما کر دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُمْ رُفَقَائِيْ فِي الْجَنَّةِ۔

"اے اللہ اُمِّ عمارہ کے پورے گھرانے کو جنت میں میرا رفیق بنا دے"۔ (سیرت ابنِ ہشام جلد ۲ صفحہ ۸۱۷)

سعد بن ابی وقاصؓ کا کارنامہ

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے بھی مشکل کی اس گھڑی میں امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع کا حق ادا کر دیا ۔۔۔۔۔ یہ بہت اچھے تیر انداز تھے ۔۔۔۔۔ یہ دشمنوں پر تیر برسا رہے تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تیر اٹھا اٹھا کر دیتے جاتے تھے اور ساتھ فرماتے تھے:

اِرْمِ يَا سَعْدُ فِدَاكَ أَبِيْ وَأُمِّيْ

"سعد! تیر چلائے جا تجھ پر میری ماں بھی قربان اور تجھ پر میرا باپ بھی قربان"۔ (بخاری جلد ۲ صفحہ ۵۸۰)

حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے ۔۔۔۔۔ یہ جملے فداک ابی و امی ۔۔۔۔ سوائے حضرت سعدؓ کے آپ نے کسی اور کے لیے کبھی نہیں فرمائے۔

آپ سن کر حیران ہوں گے اور ہے بھی عجیب اتفاق کہ ایک بھائی امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع میں تیر کھا بھی رہا ہے، تیر برسا بھی رہا ہے ۔۔۔۔ اور دوسرا بھائی عُتبہ بن ابی وقاص پتھر مار کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ پُر انوار کو لہولہان کر رہا ہے۔

سامعین گرامی! مشکل کی اس گھڑی میں ۔۔۔۔۔ امام الانبیاءؑ کے دفاع میں ۔۔۔۔۔ اصحابِ رسولؐ نے قربانی کی جو تاریخ رقم کی ۔۔۔۔۔

میں کس کس کا تذکرہ کروں۔

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر کہ دشمنوں سے کون نمٹے گا ----- سیدنا طلحہ آگے بڑھے اور گیارہ مشرکین کا اکیلے مقابلہ کیا ---- تلوار کے وار سے ان کی انگلیاں کٹ گئیں ----- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب آنے والے تیروں کو ہاتھ پر روکتے تھے جس سے ان کا ہاتھ شل ہو گیا ----- ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا ----- جو کسی شہید کو زمین پر چلتا ہوا دیکھنا چاہے وہ طلحہ کو دیکھ لے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے بابا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جب کبھی جنگ احد کا ذکر فرماتے تو کہتے:

كَانَ ذَالِكَ الْيَوْمَ كُلُّهُ لِطَلْحَةَ ----- احد کا دن تو سارے کا سارا طلحہ کے لیے ہے۔

(نسائی جلد ۲ صفحہ ۵۲، بخاری جلد صفحہ ۵۲۷، ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۸۶، فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۸۷)

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہو گئے

اصحابِ رسول کی ان جانثاریوں اور قربانیوں کے با وجود امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہو گئے ---- آپؐ کے دندانِ مبارک ٹوٹ گئے، سر مبارک زخمی ہو گیا ----- خون بہنے سے چہرۂ مبارک رنگین ہو گیا ---- آپؐ ایک گڑھے میں گر گئے ---- ادھر لشکرِ اسلام کے علم بردار حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ شہید ہو کر گرے تو شیطان اور شیطان کے چیلوں نے آواز لگائی:

قَدْ قُتِلَ مُحَمَّدٌ ---- "محمد تو شہید ہو گئے ہیں"۔ (معاذ اللہ)

اس آواز نے مسلمانوں میں اور زیادہ انتشار اور بے چینی پیدا کر دی ----- کچھ صحابہ مایوس ہو کر تلواریں رکھ کر غمگین اور اداس ہو کر بیٹھ رہے ----

کہ جب امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہی موجود نہ رہے تو جنگ کرنے کا اور لڑنے کا فائدہ؟

حضرت انس بن نضر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ نے یہ منظر دیکھا تو فرمایا---- بیٹھ کیوں گئے ہو، ہتھیار تم نے رکھ کیوں دیے ہیں ---- کیا ہوا جو نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم شہید ہو گئے ---- مُوْتُوْا عَلٰی مَا مَاتَ عَلَیْہِ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ

جس مقصد اور جس مشن کے لیے اللہ کے رسولؐ نے جان دی ہے تم لوگ بھی اسی مقصد اور مشن پر کٹ مرو---- نبی کریمؐ کے بعد زندگی میں کیا لطف اور مزہ باقی رہ گیا ہے؟۔ (ابن هشام جلد ۲ صفحہ ۸۷)

یہ کہہ کر حضرت انسؓ بن نضر تلوار سونت کر دشمن کی طرف بڑھے اور لپکے---- اچانک سامنے حضرت سعد بن معاذ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ آگئے---- انھوں نے پوچھا---- انس کہاں جا رہے ہو---- چلتے چلتے جواب دیا:

اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ الْجَنَّۃِ دُوْنَ اُحُدٍ---- میرے پالنہار کی قسم ہے میں اُحد کے اس طرف سے جنت کی خوشبو سونگھ رہا ہوں---- پھر اس دلیری اور بے جگری سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے کہ زخموں کی وجہ سے پہچان مشکل ہو گئی ---- تلواروں، نیزوں اور تیروں کے اسی سے زیادہ زخم تھے---- ان کی بہن نے انگلی یا تل دیکھ کر اپنے بھائی کو شناخت کیا۔ (بخاری جلد ۱ صفحہ ۳۹۲)

اسی موقع اور ان ہی حالات کے مطابق یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ ؕ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِکُمْ ؕ وَ مَنْ یَّنْقَلِبْ عَلٰی عَقِبَیْہِ فَلَنْ یَّضُرَّ اللّٰہَ شَیْئًا ؕ وَ سَیَجْزِی اللّٰہُ الشّٰکِرِیْنَ ﴾

(سورۃ آلِ عمران ۳ : ۱۴۴)

"اور محمدؐ صرف رسول ہیں (اِلٰہ اور معبود نہیں کہ ان پر موت نہیں آئی) ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے۔ کیا اگر وہ فوت ہوجائیں یا شہید کردیے جائیں تو تم (دینِ اسلام کو چھوڑ کر الٹے پاؤں پھر جاؤ گے اور جو آدمی الٹے پاؤں پھر جائے گا تو وہ اللہ کا ہرگز کوئی نقصان نہیں کرے گا۔ عنقریب اللہ شکر گزاروں کو بدلہ عطا فرمائے گا"۔

میرا نبی رحمۃ للعالمینؐ

امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم زخموں سے چور ہیں ----- چہرۂ پر انوار خون آلود ہے --- دانت مبارک ٹوٹ گیا ہے ----- ستر صحابہ شہید ہوگئے ہیں ----- مشرکین نے ظلم، بے حیائی اور سفاکیت کی حد کردی ----- لاشوں کا مثلہ کردیا گیا ---- دل اور گردے نکال کر چبانے کی کوششیں ہوئیں ----- اعضا کاٹ کر ان کے ہار بنا لیے گئے ----- کئی صحابہ نے درخواست کی ----- یا رسول اللہ ان ظالموں کے لیے بد دعا فرمایئے۔

اس درخواست کے جواب میں زبانِ نبوت کو جنبش ہوئی ----- مگر آسمان کے فرشتے بھی میرے نبی کے بول سن کر حیران رہ گئے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ (مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۰۸)

مولا! میری قوم کو معاف فرما، کیونکہ وہ (تیری توحید اور میری نبوت کو) نہیں جانتے۔

اور ایک روایت میں دعا کے الفاظ اس طرح آئے :

اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ----- مولا! میری قوم کو ہدایت دے دے کیونکہ یہ علم نہیں رکھتے۔

معافی کا اعلان

درہ چھوڑنے والے صحابہ ---- جن کی غلطی کی وجہ سے اتنا عظیم سانحہ رونما ہوا اور بھاری نقصان

اٹھانا پڑا ---- ستر صحابہ شہید ہوئے ----- خود نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم شدید زخمی ہوئے ---- فتح وقتی شکست میں بدل گئی ---- منافقین طرح طرح کی باتیں کرنے لگے ---- صحابہ کی اس غلطی اور کوتاہی کو معاف کرتے ہوئے اللہ ربُّ العزت نے فرمایا:

وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ (سورۃ آلِ عمران ۳ : ۱۵۵)

یقیناً اللہ نے ان کو معاف کردیا:

درہ چھوڑنے والے صحابہ کے دل میں خیال آیا کہ اللہ رب العزت ہم سے خوش نہیں، اسی لیے غیب کے صیغے "ھم" سے ہمارا تذکرہ کیا کہ اللہ نے ان کو معاف کردیا ---- شاید اللہ نے ہمیں خطاب کے قابل نہیں سمجھا۔

اللہ رب العزت نے فرمایا:

وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۔ (آل عمران ۳ : ۱۵۲)

مجھے اپنی ذات وصفات کی قسم ہے میں نے تمھیں معاف کردیا ہے۔

پھر اللہ ربُّ العزت نے اپنے پیارے پیغمبر کو سفارش کرتے ہوئے فرمایا:

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۔

میرے پیغمبر! ان صحابہ نے نقصان کیا تھا میرے دین کا یا نقصان کیا تھا تیرا ---- کہ ستر صحابہ شہید ہوئے، آپ زخمی ہوئے ----- میں نے ان کو معاف کردیا ہے تو بھی معاف کردے اور ان کے لیے مغفرت طلب کر اور ان کو اپنے معاملات میں مشورہ کرتے ہوئے شریک رکھ۔ (آلِ عمران ۳ : ۱۵۲)

(سامعین گرامی قدر! یہاں ایک لمحہ کے لیے رک کر میری بات غور سے سنیے ---- ان صحابہ نے نقصان کیا تھا اللہ ربُّ العزت کا یا انھوں نے نقصان کیا تھا نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ----- جن کا انھوں نے نقصان اور قصور کیا تھا انھوں نے تو معاف کردیا ---- ہمارا تو صحابہ نے نقصان بھی کوئی نہیں کیا،

پھر ہم معاف کرنے کے لیے تیار کیوں نہیں؟۔)

جب عرش معلی سے ان کی معافی کا اعلان صادر ہو گیا اور اللہ نے امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو بھی معاف کرنے کا حکم صادر فرما دیا تو اب کوئی بدبخت ہی ہوگا جو ان صحابہ کی شان میں لب کشائی کرے ---- اور رب العرش اور نبی مکرمؐ کے مقابلے میں سینہ تان کر کھڑا ہو۔

وقتی شکست کی وجوہات

احد کے میدان میں اللہ رب العزت نے پہلے مرحلے ہی میں لشکرِ اسلام کو فتح و کامیابی عطا کر کے سربلندی و سرفرازی سے ہمکنار کرنے کا وعدہ پورا فرما دیا:

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ (آلِ عمران ۳: ۱۵۲)

اور یقیناً اللہ نے تو اپنا وعدہ سچا کر دکھایا تھا جب تم مشرکین کو قتل کر رہے تھے، اللہ کے حکم سے۔

اللہ رب العزت نے آزمائش فرمائی --- اللہ کا دستور ہے کہ اپنے پیارے بندوں کی آزمائش اور پرکھ کرتا ہے --- انھیں مختلف قسم کے حالات سے دوچار کرتا ہے --- کبھی فتح کبھی شکست --- کبھی سکھ اور کبھی دکھ --- کبھی راحت اور کبھی تکلیف ---- اگر ہمیشہ کامیابیاں ہی کامیابیاں ہوتیں ---- ہمیشہ فتح اور مالِ غنیمت ہی ملتا رہتا ---- ہمیشہ کامرانیاں حصے میں آتیں تو پھر منافقین غول در غول مسلمانوں کے گرد جمع رہتے --- اور چرب زبانیوں سے مخلص و مومنین کو پیچھے دھکیلتے رہے --- اس لیے کبھی کبھی تکلیفیں ---- کبھی زخم اور کبھی شہادتیں اور کبھی وقتی شکست۔ تاکہ کھرے کھوٹے الگ الگ ہو جائیں ---- مومنوں اور منافقوں کی پہچان ہو جائے --- وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ۝ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا (آلِ عمران ۳: ۱۶۶-۱۶۷)

یہ سب کچھ اس لیے ہوا تاکہ اللہ مومنوں اور منافقوں کو ظاہر کر دے۔

ایک اور جگہ پر فرمایا:

﴿ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ﴾ (۳: ۱۷۹)

اللہ اس طرح نہیں کرتا کہ مومنوں کو اپنے حال پر چھوڑ دے جب تک کہ الگ اور جدا نہ کر دے خبیث (منافق) کو طیّب (مومن) سے۔

احد میں جو حالات پیش آئے اس کی ایک وجہ کھرے اور کھوٹے کی پرکھ اور ان کو الگ الگ کرنا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ رب العزت کئی خوش قسمت مومنوں کو شہادت کے درجے پر فائز کرنا چاہتا تھا۔

﴿ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ﴾ (۳: ۱۴۰)

یہ سب کچھ احد میں اس لیے ہوا تاکہ اللہ رب العزت مومنین کو ظاہر کر دے اور تم میں سے کچھ کو شہادت کا رتبہ عطا فرمائے۔

زبان کی جنگ

امام الانبیاء ﷺ میدانِ جنگ میں شدید زخمی ہو گئے تھے ---- جانثار صحابہ نے آپ کو اٹھا کر پہاڑ کی ایک غار تک پہنچایا ---- یہاں آپ کے زخموں کو دھویا گیا ---- اور مرہم پٹی کی گئی۔

اتنے میں سامنے والی پہاڑی پر لشکر کفار کے قائد ابوسفیان نے پُرزور انداز میں آواز لگائی:

اَفِی الْقَوْمِ مُحَمَّدٌ ---- کیا تم لوگوں میں محمد موجود ہیں ---- ابوسفیان کا خیال یہ تھا کہ محمد کریم شہید ہو گئے ہیں ---- سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کچھ جذباتی طبیعت رکھتے ہیں ---- انھوں نے چاہا کہ اٹھ کر ابوسفیان کا جواب دوں ---- مگر امام الانبیاء ﷺ نے ذاتی حملے کے جواب دینے سے منع فرما دیا۔

ابوسفیان نے پھر آواز لگائی ----- اَفِی الْقَوْمِ اَبُوْ بَکْرٍ ----- کیا تم میں ابوبکرؓ موجود ہیں ----- آپ نے جواب دینے سے روک دیا ----- ابوسفیان نے پھر کہا: اَفِی الْقَوْمِ عُمَرَ ---- کیا تم میں عمر موجود ہیں۔ آپؐ نے جواب دینے کی اجازت نہ دی۔

ابوسفیان کی آواز کا جب کوئی جواب نہ آیا تو ساتھیوں سے کہنے لگا ----- یہ سب مارے گئے ہیں ----- فَلَوْ کَانُوْا اَحْیَاءً لَاَجَابُوْا ---- اگر یہ زندہ ہوتے تو جواب ضرور دیتے۔

(سامعین گرامی قدر! یہاں ایک لمحہ کے لیے رک کر اس حقیقت کی طرف توجہ کیجیے کہ ابوسفیان نے ان تین کے سوا کسی اور کے بارے میں نہیں پوچھا ---- اس لیے کہ دنیائے کفر کو بھی معلوم تھا کہ محمد کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بعد ابوبکرؓ اور ابوبکرؓ کے بعد عمرؓ ہی اس قوم کی قیادت کر سکتے ہیں۔ اور اسلام کی عمارت کھڑی ہے تو ان تینوں کے سہارے کھڑی ہے ---- اگر یہ تینوں نہیں رہے تو اب ہمیں کوئی فکر نہیں ---- اب دین اسلام اور مسلمان ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتے۔)

ابوسُفیان اور غیراللہ کی پکار

پھر ابوسفیان نے خوشی و مسرت سے جھومتے ہوئے اور شرک و کفر کی مستی سے سرشار ہو کے بلند آواز سے نعرہ لگایا ----- اعل ھبل ---- ہُبل کی جے ہو ---- ہُبل زندہ باد --- ہُبل نے ہماری مدد کی تو ہم کامیاب ہوئے۔

یاد رکھیے! ھبل جس کو ابوسفیان نے پکارا ----- یہ حضرت آدم علیہ السّلام کا بیٹا "ہابیل" ہے، جسے اس کے بھائی قابیل نے قتل کر دیا تھا --- یہ پیغمبر زادہ بھی ہے اور دنیا کا پہلا شہید بھی۔

اسی ہابیل کا نام بدلتے بدلتے مکہ میں ہُبل ہو گیا---- کہاں ہیں وہ لوگ جو یہ کہتے ہوئے نہیں شرماتے کہ مشرکین مکہ اس لیے مشرک تھے کہ بے جان مورتیوں اور جامد بتوں کو پکارتے تھے ----- ابوسفیان کے احد کے میدان میں اعل ھبل کے نعرے سے ثابت ہوا کہ وہ مصائب اور مسرت کے مواقع پر پیغمبرزادے اور دنیا کے پہلے شہید ہابیل کو پکارا کرتے تھے۔

نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ابوسفیان کی پہلی تینوں آوازوں ---- بلکہ للکاروں پر خاموش رہے اور اپنے ساتھیوں کو بھی جواب دینے سے منع فرمایا ---- مگر جب مسئلہ توحید پر زد آنے لگی اور غیر اللہ کے نام کی مدد کے نعرے لگنے لگے ---- تو صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور فرمایا: ---- عمرؓ جس مسئلے کے لیے تمھیں لڑوانے لایا ہوں ---- اس مسئلے پر چوٹ لگا رہا ہے ---- اٹھ اور پوری قوت سے شرکیہ نعرے کا بھرپور انداز میں جواب دے: اَللّٰہُ اَعْلٰی وَ اَجَلُّ ---- اللہ ہی سب سے اعلیٰ، ارفع، برتر، بزرگ اور بلند ہے۔

ابوسفیان پھر بولا ---- لَنَا عُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَکُمْ ---- ہمارے پاس اور ہمارے ساتھ عزیٰ ہے جس نے ہماری مدد کی اور تمھارے پاس کوئی عزیٰ نہیں ہے جو تمھاری مدد کرے۔

یہ ہوتا ہے مشرک۔ پہلے ہُبل کو پکارا ---- اب ہُبل کو پکڑ کے رکھ نا ---- ذرا ہُبل پر جما رہ ---- مگر دوسرے لمحہ ہی مشرک نے ہُبل کا دامن چھوڑا اور عزیٰ کو پکارنے لگا ---- اور جو موحد ہے وہ ہر لمحہ اور ہر لحظہ اور ہر وقت اللہ ہی کو پکارتا ہے۔

ابوسفیان کے شرکیہ نعرے کے جواب میں امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا ---- عمر اسے جواب دے اور پوری قوت سے دے ---- لَنَا مَوْلٰی وَلَا مَوْلٰی لَکُمْ ---- اللہ ہمارا مددگار ہے اور تمھارا کوئی مددگار نہیں۔

فیصلہ ہو گیا گستاخِ رسول کون؟

آج ہمارے ملک میں ایک مذہبی عنصر نفرت پھیلانے کے لیے بلا دلیل علماء دیوبند پر گستاخِ رسول ﷺ ہونے کا الزام لگاتا ہے ---- نبی اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا عاشق کون ہے؟ اور آپؐ کا گستاخ کون ہے؟ اس کا فیصلہ کرنے کا حق نہ مجھے ہے اور نہ کسی دوسرے کو ہے ---- آیئے اس کا فیصلہ خود امام الانبیاء صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے کروا لیتے ہیں ---- فیصلہ تو میدانِ احد میں ہو چکا ہے کہ جو لوگ مصائب میں، تکالیف میں، جنگوں میں فتح کے مواقع پر غیر اللہ کو پکارتے ہیں ---- ہُبل اور عزیٰ کے نام کی دہائیاں دیتے ہیں وہ مشرکوں کے فوج کے کمانڈر ابوسفیان کی طرح دشمنِ رسول اور گستاخِ پیغمبر ہوتے ہیں ---- اور جو لوگ ایسے مواقع پر صرف اور صرف اللہ ہی کو پکارتے ہیں وہ حضرت حمزہؓ کی طرح محبِ رسول اور عاشقِ پیغمبر ہوتے ہیں۔

سیدنا حمزہؓ سید الشہداء

سیدنا حمزہ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کے جسدِ مبارک کو امام الانبیاء صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے دیکھا کہ پیٹ چاک ہے ---- جسم کے اعضاء کاٹ لیے گئے ---- اس حالت میں حمزہؓ کے جسم کو دیکھ کر آپ صدمہ سے نڈھال ہو گئے ---- پھر سنبھلے اور فرمایا:

مجھے جبریل امین نے اطلاع دی ہے کہ حضرت حمزہ کا لقب:

اَسَدُ اللهِ وَاَسَدُ رَسُوْلِهٖ

اللہ اور اس کے رسول کا شیر آسمانوں پر لکھ دیا گیا ہے۔

روتے ہوئے آپؐ کی ہچکی بندھ گئی ---- پھر فرمایا:

سَیِّدُ الشُّھَدَآءِ عِنْدَ اللهِ یَوْمُ الْقِیَامَةِ

"حضرت حمزہؓ قیامت کے دن تمام شہیدوں کے سردار ہوں گے"۔

(مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۱۹۹، فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۲۸۲)

سامعینِ گرامی قدر! امام الانبیاء ﷺ نے سید الشہداء کا لقب اپنے چچا اور رضاعی بھائی حضرت حمزہ کو عطا فرمایا ---- اب جو شخص سید الشہداء کا لقب حضرت حمزہؓ کے علاوہ کسی دوسری شخصیت کے نام کے ساتھ چسپاں کرنا چاہتا ہے اسے امام الانبیاء ﷺ کی بات پر شاید اعتبار نہیں یا وہ آپؐ کے مقابلے میں آنے کی غلطی کر رہا ہے۔

مدینہ منورہ کو واپسی

شہداء کی تجہیز و تکفین کے بعد ---- اللہ کے آگے رو رو کر مناجات کرنے کے بعد امام الانبیاء ﷺ زخمی حالت میں زخمی ساتھیوں کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔

راستے میں آپ کی پھوپھی زاد بہن حمنہ بنت جحش سامنے آ گئی ---- اسے اطلاع دی گئی کہ تمہارا بھائی عبداللہ شہید ہو گیا ہے ---- تمہارے ماموں حمزہ بھی جامِ شہادت نوش کر گئے ہیں ---- تمہارے شوہر مصعب بن عمیر بھی مرتبہ شہادت پر فائز ہو گئے ہیں ---- شوہر کی شہادت کی خبر سن کر قدرے پریشان اور مغموم ہوئیں ورنہ ہر شہادت کی خبر سن کر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کا ورد کرتی رہیں۔

راستے میں ایک خاتون ملیں جس کو اطلاع دی گئی کہ تیرا والد شہید ہو گیا ---- اس عورت نے کہا مجھے یہ بتاؤ کہ رحمتِ کائنات کا کیا حال ہے؟ اسے اطلاع دی گئی کہ تیرا بھائی بھی شہید ہو گیا ---- اس نے وہی جواب دیا کہ میرے نبی کا کیا حال ہے؟ بتلانے والے نے بتایا کہ تیرا سرتاج بھی شہید ہو گیا ---- وہ کہنے لگی میں اپنے سرتاج کا نہیں کائنات کے سرتاج کا پوچھ رہی ہوں ---- لوگوں نے کہا ---- وہ اللہ کے فضل و کرم سے خیریت سے ہیں ---- کہنے لگی میں نبوت کے بدرِ منیر کو دیکھنا چاہتی ہوں ---- جونہی اس کی نگاہ

نبوت کے چہرۂ پر انوار پر پڑی تو کہنے لگی-----

کل مصیبة بعدك جلل۔

آپ اگر زندہ و سلامت ہیں تو ہر مصیبت ہیچ ہے اور گوارا ہے۔

(ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۹۸)

شہداء کی زندگی

قرآن مجید نے شہداء کی زندگی کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾

جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید ہوگئے انھیں مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے ہاں سے روزی پا رہے ہیں اللہ کے فضل پر وہ بہت خوش ہیں اور جو ان کے پیچھے دنیا میں ہیں ان کے لیے بھی خوش ہیں کہ شہادت کی موت کے بعد انھیں کچھ خوف اور غم نہیں ہوگا۔ وہ اللہ کی نعمتوں پر خوش ہیں اور یقیناً اللہ مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ (سورۃ آل عمران ۳ : ۱۶۹-۱۷۱)

زندگی کون سی دنیوی یا برزخی

اس آیتِ کریمہ کے ظاہر سے کچھ لوگ سادہ لوح عوام کو دھوکا دیتے ہیں کہ شہید اسی دنیا میں اور اسی قبر میں اور اسی جسم کے ساتھ زندہ ہے۔ انھیں مردہ کہنا تو دور کی بات ہے مردہ سمجھنے اور گمان کرنے سے بھی اللہ رب العزت نے منع کیا ہے۔

اس آیت میں شہداء کی زندگی سے کون سی زندگی مراد ہے---- اس

کا فیصلہ کرنے کا اختیار نہ مجھے ہے اور نہ کسی دوسرے عالم کو ہے ---- بلکہ اس آیت کی وہی تفسیر معتبر ہوگی ---- اور زندگی سے وہی زندگی مراد ہوگی جو صاحب قرآن حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم بیان فرمائیں گے۔

مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۲۶۵ اور ابوداؤد میں مشہور صحابی سیدنا عبد اللہ عباس رضی اللہ عنہما کی روایت موجود ہے ---- اور مسلم کتاب الامارۃ میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ---- اور ترمذی کتاب التفسیر میں حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے پاک نبی نے اس آیت کا مطلب بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ رب العزت نے احد کے شہیدوں کی ارواح سبز رنگ کے پرندوں کے قالبوں میں رکھ کر جنت میں لطف و سرور اٹھانے کے لیے آزاد چھوڑ دیا۔ اللہ رب العزت نے ان کی طرف جھانک کر پوچھا ---- هَلْ تَشْتَهُوْنَ شَيْئًا ---- تمھیں کس چیز کی خواہش ہے؟ تمھارا کوئی مطالبہ ہو تو مجھے بتاؤ۔ اللہ نے جب بار بار یہی سوال دہرایا ---- تو وہ کہنے لگے :

نُرِيْدُ اَنْ تَرُدَّ اَرْوَاحَنَا فِيْ اَجْسَادِنَا حَتّٰى نُقْتَلَ فِيْ سَبِيْلِكَ مَرَّةً اُخْرٰى

ہماری خواہش اور ہمارا سوال یہ ہے کہ ہماری روحیں ہمارے دنیا والے جسموں میں لوٹا دے تاکہ ہم تیرے راستے میں دوبارہ جہاد کریں اور ایک بار پھر شہید کر دیے جائیں۔

اللہ رب العزت نے ان کے مطالبے کے جواب میں فرمایا : ---- اِنِّيْ قَضَيْتُ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ (مشکوۃ) میرا فیصلہ پہلے ہی ہو چکا ہے کہ جسموں سے روحیں نکالنے کے بعد قیامت سے پہلے ان جسموں میں لوٹائی نہیں جائیں گی۔

یہ سن کر ان روحوں نے کہا ---- مولا ! پھر ہماری اس خوشحالی ---- عیش و آرام اور زندگی کی اطلاع تو ہمارے بھائیوں کو اور ساتھیوں کو فرما دیجیے تاکہ وہ جہاد میں سستی نہ کریں اور نہ جنگ سے جی چرائیں ---- تو اللہ رب العزت

نے ان آیات کو نازل فرمایا۔

سامعین گرامی قدر! یہاں ایک لمحہ کے لیے ٹھہریے اور میری بات پر توجہ فرمائیے ---- امام الانبیاء صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم کے ان ارشادات سے واضح ہوا کہ جو شخص اس دنیا کو چھوڑ کر چلا جاتا ہے ---- چاہے وہ شہید ہی کیوں نہ ہو اس کی روح عالمِ برزخ میں چلی جاتی ہے --- اس کی روح اس کے دنیوی جسم میں قیامت سے پہلے نہیں لوٹ سکتی۔

قرآن مجید نے یہ بھی واضح کیا کہ شہداء کو ہر طرح کی نعمت ملتی ہے اور وہ کھانوں سے لُطف اندوز ہوتے ہیں ---- ظاہر بات ہے یہاں روزی اور کھانوں سے مراد دنیا کے کھانے ہرگز ہرگز نہیں ہوسکتے ---- پھر بتلائیے یہاں یرزقون سے مراد کون سا رزق ہے؟ دنیوی یا جنت کا برزخی؟ یقیناً آپ کا جواب ہوگا رزق اور روزی سے مراد دنیا کی روزی نہیں اخروی روزی ہے ---- تو پھر میں کہتا ہوں جس طرح کی روزی اسی طرح کی زندگی۔ اگر روزی جنت کی اور اخروی ہے تو پھر شہداء کی زندگی بھی جنت کی اور اخروی ماننی پڑے گی۔

زخمی صحابہ دشمن کے تعاقب میں

ابو سُفیان کے لشکر نے مدینہ منورہ سے تقریباً ۳۶ میل دور روحاء کے مقام پر پڑاؤ ڈالا تو انھیں محسوس ہوا کہ انھوں نے واپسی کے لیے جلدی کی ہے ---- مُسلمانوں کی رہی سہی طاقت کو بھی ختم کرنا چاہیے تھا۔

کچھ لوگوں نے مدینہ میں مُسلمانوں کو اطلاع پہنچائی کہ مشرکین مجتمع ہو کر تم پر زبردست قسم کا حملہ کرنا چاہتے ہیں ---- ابھی ابھی احد سے واپسی ہوئی ہے ---- تھکاوٹ سے چور ہیں ---- زخم ابھی رس رہے ہیں ---- ستر ساتھیوں کی جدائی کا غم تازہ ہے ---- مگر جونہی یہ خوفناک اطلاع پہنچی تو اصحاب رسُول نہ گھبرائے اور نہ پریشان ہوئے بلکہ قرآن کہتا ہے:

فَزَادَهُمْ إِيمَانًا ۖ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ (۳ : ۱۷۳)

اس خبر نے اور اس بات نے انھیں ایمان میں اور بڑھا دیا اور وہ کہنے لگے ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ اللہ بہت اچھا کارساز ہے۔

امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے تھکے ہارے ---- زخموں سے چور صحابہ کو حکم دیا کہ بجائے اس کے کفار مدینہ کا رخ کریں ہمیں آگے بڑھ کر ان کا مقابلہ کرنا چاہیے ---- کسی ایک صحابی نے بھی تھکاوٹ کا، بیماری کا یا زخموں کا بہانہ نہیں بنایا، بلکہ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر رسالت کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے آپ کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے۔

امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ---- اپنے جانثار ساتھیوں کے ہمراہ روانہ ہو کر حمراء الاسد پہنچ گئے اور وہاں تین روز تک قیام فرمایا ---- کفار کے لشکر کو آپ کی آمد کی اطلاع ہوئی تو وہ اپنا ارادہ بدل کر مکہ کی طرف بھاگ گئے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

سیرت خاتم الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ۵

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ جَآءَتْکُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْھِمْ رِیْحًا وَّ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْھَا ؕ وَکَانَ اللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا ﴾

اے ایمان والو اپنے اوپر اللہ کا انعام اور احسان یاد کرو جب چڑھ آئے تھے تم پر لشکر پھر ہم نے ان پر ہوا بھیج دی اور وہ فوجیں بھی بھیج دیں جن کو تم نے نہیں دیکھا اور اللہ تمھارے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔ (سورۃ الاحزاب ۳۳ : ۹)

سامعینِ گرامی قدر ! میں چاہتا ہوں کہ جمعۃ المبارک کے خُطبات میں امام الانبیاء خاتم النّبیّین صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی حیات طیبہ اور سیرت مبارکہ کو ترتیب کے ساتھ ---- مگر بہت اختصار کے ساتھ آپ کے سامنے بیان کروں۔ آپ کی پیدائش سے لے کر غزوہ احد تک کے حالات میں بیان کر چکا ہوں۔

واقعہ رجیع

عرب کے کفار و مشرکین نے اسلام کو ختم کرنے کے لیے اور مُسلمانوں کی قوت کو کمزور کرنے کے لیے کئی صورتیں اختیار کرنے کا فیصلہ کیا----

1. صحابہ کرام کو مختلف بہانوں سے بلا کر دھوکے اور بد عہدی سے قتل کیا جائے۔
2. مسلمانوں پر منظم حملے کے لیے عرب کے مختلف قبائل کو تیار کیا جائے۔
3. اور کسی طریقے سے داعی اسلام اور نبوت کے مدعی کو قتل کر دیا جائے۔

سنہ ۴ھ صفر کے مہینے میں کچھ قبیلوں کے لوگ حاضر ہوئے ---- ظاہراً اسلام قبول کیا اور آپ کی خدمت میں درخواست کی کہ ہمارے قبیلوں میں اسلام کے بارے دلچسپی پیدا ہو رہی ہے ----- آپ مہربانی فرمائیں اور کچھ مبلغین اور قراء ہمارے ساتھ بھیجیں تاکہ وہ لوگوں کو دعوتِ اسلام دیں اور ان کی اسلامی نہج پر تربیت کریں اور انھیں قرآن پڑھائیں اور سکھائیں۔

آپ نے دس صحابہ کو سیدنا عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کی قیادت میں روانہ فرما دیا ----- یہ ابھی راستہ میں ہی تھے کہ قبیلہ بنو لحیان کے دو سو آدمیوں نے انھیں گھیر لیا ---- صحابہ کرام ایک ٹیلے پر چڑھ گئے اور محفوظ پوزیشن سنبھال لی اور مقابلہ شروع ہو گیا ---- اس میں سے سات صحابہ شہید ہو گئے ---- باقی بچنے والے تین کو مشرکین نے کہا تم لوگ نیچے اتر کر اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو، ہم تمھیں کچھ نہیں کہیں گے ---- ان تینوں میں سے دو نیچے اتر آئے۔ ایک حضرت زید اور دوسرے حضرت خبیب ---- ان دونوں کو ان بد عہد کفار نے مشرکین مکہ کے ہاتھ فروخت کر دیا ---- حضرت زید کو امیہ کے بیٹے صفوان نے خریدا، تاکہ اپنے باپ امیہ کا بدلہ چکاؤں گا ---- اور حضرت خبیب کو حارث کے بیٹوں نے خریدا کہ اپنے باپ حارث کے قتل کا بدلہ لیں گے ---- تیسرے صحابی عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ ٹیلے پر اکیلے مقابلہ کرتے ہوئے رتبہ شہادت پر فائز ہوئے۔

حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عاصم کو جب یقین ہو گیا کہ اب بچنا مشکل ہے اور شہادت ناگزیر ہے تو انھوں نے دعا مانگتے ہوئے کہا: -----

اَللّٰھُمَّ اَخْبِرْ عَنَّا رَسُوْلَکَ (ابوداؤد) ---- اے ہمارے پالنہار مولا!

اپنے رسُول کو ہمارے حال کی خبر پُہنچادے۔

(سامعین گرامی قدر! حضرت عاصم رضی اللہ عنہ ---- صحابیٔ رسُول ہیں اور

صحابہ کی ایک مختصر جماعت کے امیر بھی ہیں ---- مگر ان کا عقیدہ یہ ہے کہ

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو عالم الغیب ہیں اور نہ ہی حاضرو ناظر ہیں ----

اور نہ انھیں ہمارے ان حالات کا علم ہے ---- اسی لیے وہ اپنے اللہ سے

درخواست کر رہے ہیں کہ: مولا! ہمارے ان حالات کی خبر تو ہمارے محبوب

پیغمبر تک پُہنچادے۔)

زید اور خُبیب رضی اللہ عنہما

حضرت زید رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے لیے مکہ سے باہر تنعیم میں

جگہ بنائی گئی ---- جب جلاد نے تلوار کھینچی تو ابوسُفیان نے آگے بڑھ

کر سیدنا زید سے پوچھا ---- زید کیا خیال ہے؟ تیری جگہ تیرے نبی کو یہاں لایا

جائے اور تو اپنے گھر میں بال بچوں کے ساتھ زندگی گزارے؟۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ نے محبت کی چاشنی میں اور مستی میں ڈوب کر ایسے

کٹھن وقت میں جواب دیا:

پاگل! کیسا سوال کر رہا ہے؟۔ محمد کریمؐ میری جگہ مقتل میں ہوں اور میں

گھر میں ہوں ---- میں تو یہ بھی برداشت نہیں کرسکتا کہ میں گھر میں ہوں اور

آپؐ کے پاؤں مبارک میں کوئی کانٹا چُبھ جائے۔

یہ جواب سن کر ابوسُفیان کہنے لگا:

مَا رَاَیْتُ مِنَ النَّاسِ اَحَدًا یُحِبُّ اَحَدًا کَحُبِّ اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ مُحَمَّدًا۔

میں نے دنیا میں ایسا کوئی شخص نہیں دیکھا جو کسی سے اتنی محبت کرتا ہو

جتنی محمد کے ساتھی محمد سے کرتے ہیں۔

پھر جلاد نے تلوار کے ایک ہی وار سے نبوت کے اس شیدائی کو ہمیشہ کی نیند سلا دیا۔

دوسرے قیدی حضرت خُبیبؓ ---- حارث کے بیٹوں کے گھر میں قیدی ہیں۔

حارث کی بیٹی زینب (جو بعد میں مُسلمان ہو گئی تھیں) کہا کرتی تھیں ---- خُبیب ہمارے گھر میں قید تھے ---- میں نے کوئی قیدی خُبیب سے بہتر نہیں دیکھا ---- وہ لوہے کی زنجیروں میں باندھا ہوا تھا ---- کہ میں نے دیکھا کہ انگوروں کا ایک پورا خوشہ ان کے ہاتھ میں ہے اور وہ مزے سے کھا رہے ہیں ---- اللہ کی قسم اس زمانے میں مکہ میں انگور تلاش بسیار کے باوجود نہیں ملتے تھے۔

حضرت خُبیب کو سولی پر چڑھانے کے لیے تنعیم کے مقام پر انتظام کیا گیا تھا ---- انھیں سولی کے قریب لایا گیا اور آخری خواہش پوچھی گئی تو فرمایا مُجھے دو رکعت نماز پڑھ لینے دو ---- نماز پڑھنے کے بعد فرمایا ---- آج میرا دل کرتا تھا کہ زندگی کی آخری نماز طویل سے طویل کردوں ---- مگر اس لیے مختصر پڑھی ہے کہ تم یہ نہ سمجھو کہ محمدؐ کا سپاہی موت سے ڈر گیا ہے۔

سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۱۷۳ میں ہے کہ شہادت سے پہلے کچھ اشعار پڑھے ---- پھر کہا:

اَللّٰهُمَّ اِنَّا قَدْ بَلَّغْنَا رِسَالَةَ رَسُوْلِكَ فَبَلِّغْهُ مَا يَصْنَعُ بِنَا۔

اے اللہ ہم نے تیرے رسُول کا پیغام جہاں تک پُہنچا سکتے تھے پُہنچا دیا ---- مولا! اب جو کُچھ ہمارے ساتھ ہو رہا ہے اس کی خبر اور اطلاع اپنے رسُول کو پُہنچا دے۔

(حضرت خُبیبؓ کا عقیدہ اور نظریہ بھی یہی تھا کہ نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم عالم الغیب اور حاضر و ناظر نہیں ہیں اور آپؐ کو ہمارے ساتھ ہونے والے

حالات اور مظالم کا پتا نہیں ---- آپ کو خبر تب ہوگی جب اللہ ربُّ العزت آپ کو اس کی اطلاع فرمائے گا۔)

عجیب بات

مشرکین نے حضرت خُبیب رضی اللہ عنہ کی لاش کو اپنی کمینگی کی وجہ سے سولی پر لٹکا ہوا چھوڑ دیا ---- امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر اور حضرت مقداد کو بھیجا کہ حضرت خُبیب کو سولی سے اتار کر لے آؤ ---- سولی چڑھے تقریباً چالیس دن ہوگئے تھے ---- حضرت زبیر کہتے ہیں میں نے لاش کو سولی سے اتارا تو تر و تازہ تھی ---- گھوڑے پر لادا اور مدینہ کی جانب روانہ ہوگیا ----- مشرکین کو علم ہوا تو انھوں نے تعاقب شروع کر دیا ---- اور حضرت زبیر کے قریب پہنچ گئے ---- حضرت زبیر نے اپنی جان بچانے کے لیے ان کے جسم کو گھوڑے سے اتار کر زمین پر رکھ دیا ---- فوراً زمین شق ہو گئی اور حضرت خُبیب کے جسم کو نگل گئی ---- اسی لیے سیدنا خُبیب کو بلیغ الارض کہتے ہیں۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۴ صفحہ ۷)

بئر معونہ کا حادثہ

سنہ ۴ھ صفر ہی کا مہینہ تھا بنو کلاب کا سردار ابو براء عامر بن مالک بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ: ہمارا قبیلہ اور ہمارے اردگرد کے کئی قبیلے اسلام سے متاثر ہو رہے ہیں ---- لہٰذا آپ میرے ساتھ کچھ مبلغین کو روانہ فرمائیں ---- جو ہمارے علاقے میں پھیل کر دین کی دعوت عام کریں اور نئے ہونے والے مسلمانوں کو احکام اسلام سکھائیں ---- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک قبیلے کی فطرت اور خصلت سے کچھ نہ کچھ واقفیت رکھتے تھے ---- اس لیے عامر بن مالک کی درخواست کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ نجد کے قبائل سے مجھے خطرہ ہے کہ ہمارے مبلغین کو نقصان پہنچائیں گے ---- مالک بن عامر نے حفاظت کی ذمہ داری اٹھائی ---- امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت منذر بن

عمرو رضی اللہ عنہ کی امارت و قیادت میں ستر ایسے صحابہ کا انتخاب فرمایا جو علم و فضل میں اور تعلیم و تعلم میں ایک امتیازی شان اور حیثیت رکھتے تھے ---- یہ مُعلمین اور مبلغین دن کو لکڑیاں چن کر اپنی معاشی ضروریات پوری کرتے ---- پھر آپ کی خدمت میں رہ کر دین کی تعلیم حاصل کرتے اور رات کو اللہ کے حضور سر بسجود ہوتے۔ (بخاری جلد ۲ صفحہ ۵۸۶)

یہ اصحابِ رسول سفر کرتے کرتے بئر معونہ (معونہ کے کنویں) پر جا پہنچے ---- نجد کے قبائل نے غداری اور دھوکا کرتے ہوئے ستر میں سے ۶۸ صحابہ کو انتہائی بے دردی کے ساتھ شہید کر دیا ---- صرف دو صحابی بچ نکلے ---- ایک کعب بن زید جو زخمی ہو کر گر گئے تھے اور دشمنوں نے انھیں مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا تھا ---- دوسرے عمرو بن امیہ تھے۔ ان کو قبیلہ کے سردار نے یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ میری ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی منت مانی تھی ---- میں اس منت کو پورا کرتے ہوئے اسے رہا کرتا ہوں۔

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع

۶۸ صحابہ کو انتہائی بے دردی اور سفاکیت سے تہ تیغ کیا گیا اور امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو اس درد ناک اور خوفناک حادثہ کی اطلاع جبریل امین نے پہنچائی ---- امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی افسردہ لہجہ میں صحابہ کرام کو بتلایا کہ تمھارے بھائی شہید کر دیے گئے اور وہ جنت میں پہنچ کر کہنے لگے :

بَلِّغُوْا عَنَّا قَوْمَنَا اِنَّا لَقِیْنَا رَبَّنَا فَرَضِیَ عَنَّا وَ اَرْضَانَا۔

ہماری قوم کو یہ پیغام پہنچا دو کہ ہم اپنے رب سے جا ملے اس حالت میں کہ وہ ہم سے خوش ہو گیا اور ہمیں خوش کر دیا۔

مُسلم کی روایت میں ہے کہ انھوں نے اپنے رب سے کہا :

اَللّٰھُمَّ بَلِّغْ عَنَّا نَبِیَّنَا اِنَّا قَدْ لَقِیْنَا فَرَضِیْنَا عَنْكَ وَ رَضِیَ عَنَّا۔

اے ہمارے مولا! ہمارے نبی کو ہمارا یہ پیغام پہنچا دے کہ ہم نے اپنے اللہ سے ملاقات کرلی ہے۔ ہم اللہ سے راضی ہوگئے اور اللہ ہم سے راضی ہو گیا۔ (مسلم کتاب الامارۃ)

امام الانبیاء ﷺ کو اس اطلاع پر ---- اور اس حادثہ فاجعہ پر اتنا صدمہ پہنچا کہ آپ ایک مہینہ تک نماز فجر میں ان قبائل کا نام لے لے کر متواتر بد دعا کرتے رہے۔ (بخاری جلد ۲ صفحہ ۵۸۷)

ایک اہم مسئلہ

بئر معونہ کا یہ دردناک واقعہ اور اس سے پہلے دس صحابہ کی شہادت کا واقعہ میں نے بیان کیا، اور آپ نے اسے سنا ---- میں یہاں آپ سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں ---- لیکن شرط یہ ہے کہ جواب انصاف پر مبنی ہونا چاہیے۔

ان دونوں موقعوں پر جو بے ایمان اور کافر لوگ ---- اسلام اور دین کا لبادہ اوڑھ کر آپ سے مطالبہ کر رہے تھے کہ دین کی اشاعت کرنے کے لیے کچھ مبلغین کو ہمارے ساتھ روانہ کیجیے ---- کیا امام الانبیاء ﷺ جانتے تھے کہ یہ منافق اور فریبی لوگ ہیں؟ ---- یہ میرے صحابہ کو دھوکے سے لے جا کر شہید کردیں گے؟

اگر آپ کا جواب یہ ہے کہ جانتے تھے ---- آپ کو ہر ہر چیز کا علم تھا ---- آپ عَالِمُ مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ تھے ---- آپ غیب دان تھے ---- تو میرا دُوسرا سوال یہ ہے کہ کیا آپ نے جانتے بوجھتے ہوئے ---- سب باتوں کا علم رکھتے ہوئے ---- جان بوجھ کر انھیں بھیجا تھا؟ کیا ایک مسلمان اس کا تصور بھی کرسکتا ہے؟ اور اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر ہماری سیدھی سادھی بات کو مان لیجیے کہ امام الانبیاء ﷺ عالم الغیب ---- عالم ما کان و ما یکون نہیں تھے ---- آپ کو اپنے سامنے بیٹھے ہوئے مکاروں اور فریبیوں کا

علم نہیں تھا --- بلکہ آپؐ کے ساتھ ان لوگوں نے دھوکا اور مکر و فریب کیا تھا ---- عالم الغیب صرف اور صرف اللہ رب العزت کی ذات بابرکات ہے۔

بنو نضیر کی جلاوطنی

اردگرد کے لوگ ---- احد میں مُسلمانوں کا ہونے والا نقصان دیکھ کر سازشوں میں مصروف تھے ---- مدینہ کے قرب میں رہنے والے بنو نضیر کے یہودی بھی اپنے آپ کو بد عہدی کے لیے تیار کرنے لگے --- ان کے مذموم اور خُفیہ ارادے اور سازشیں یہاں تک پہنچ گئیں کہ العیاذ باللہ نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو قتل کر دیا جائے --- پھر مسلمانوں کے اموال پر قبضہ کر لیا جائے ---- مُسلمانوں کی عورتوں کو لونڈیاں بنا لیا جائے اور ان کے مردوں کو گرفتار کر کے قُریش مکہ کے ہاتھ بیچ دیا جائے۔

۴ھ ربیع الاول کے مہینے میں آپؐ نے ---- اپنے مسلح ساتھیوں کو ساتھ لیا اور عصر کے وقت بنو نضیر کے علاقے میں پہنچ گئے ---- فضا نعرۂ تکبیر سے گونج اٹھی ---- بنو نضیر کے لوگ پہلے بہت جوش میں تھے ---- بڑی ڈینگیں مارا کرتے تھے ---- عبداللہ بن ابی کی ہش بھی انھیں حاصل تھی ---- باہر کے کُچھ کفار نے بھی مدد کی حامی بھرلی تھی --- مگر عین موقع پر کوئی حمایتی نظر نہ آیا --- اور دور دور تک عبداللہ بن ابی کا نام و نشان بھی دکھائی نہیں دیا ---- اللہ رب العزت نے بنو نضیر کے دلوں میں لشکرِ اسلام کا دبدبہ اور رعب ڈال دیا ---- قرآن کہتا ہے:

وَقَذَفَ فِي قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ (سورۃ حشر)

"اور بنو نضیر کے دلوں میں مُسلمانوں کا رعب ڈال دیا"۔

بنو نضیر قلعہ بند ہو گئے ---- مُسلمانوں نے ان کے قلعہ کا اور گھروں کا محاصرہ کر لیا ---- چھ دن یا پندرہ دن یہ محاصرہ جاری رہا ---- آخر کار شکست

تسلیم کرلی اور پیغام بھیجا کہ آپ کی تمام شرائط ہمیں منظور ہوں گی۔

آپ نے فرمایا: اسلحہ کے علاوہ اپنے مال میں سے جس قدر مال و اسباب اپنے ساتھ لے جاسکتے ہو---- وہ سب لے کر بال بچوں سمیت مدینہ منورہ کو چھوڑ کر چلے جاؤ۔

بنونضیر اس طرح ذلیل و رسوا ہوئے اور اپنے مکان اور دکانیں اور زمینیں اور اسلحہ چھوڑ کر مدینے سے نکلنے پر مجبور ہوئے----- اللہ رب العزت نے سورۃ الحشر میں اس واقعہ کو بڑی تفصیل کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سورۃ الحشر کو سورۃ بنی نضیر بھی کہا کرتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

۴ھ کے باقی واقعات

شعبان ۴ھ میں غزوہ بدر دوم پیش آیا---- غزوۂ احد کے بعد ابوسفیان نے کہا تھا آئندہ سال مقام بدر پر پھر معرکہ ہوگا---- ابوسفیان مکہ سے نکلا تو آپ بھی ڈیڑھ ہزار کے لشکر کے ساتھ نکلے---- لشکر کفار مرعوب ہوگیا اور خرابی موسم کا بہانہ بنا کے راستے سے ہی واپس چلا گیا---- آپ نے آٹھ دن بدر میں قیام کر کے کفار کا انتظار کیا۔

- اسی سال ام المومنین زینب بن خزیمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔
- اسی سال حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔
- اور اسی سال شوال کے مہینے میں حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا اُمّ المومنین کے مرتبے پر فائز ہوئیں۔
- اسی سال حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا نے انتقال فرمایا۔
- اسی سال شعبان کے مہینے میں نواسۂ رسول سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

۵ھ کے اہم واقعات

غزوۂ بنی مصطلق

بنو مُصطلق ایک قبیلے کا نام ہے جو بنو خزاعہ کی ایک شاخ ہے ---- اس غزوہ میں مریسیع نامی چشمہ پر لڑائی ہوئی تھی اس لیے اس غزوہ کو غزوۂ مریسیع بھی کہا جاتا ہے۔

امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو اطلاع ملی کہ بنو مُصطلق کے لوگ اپنے سردار حارث کی قیادت میں مدینے پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں ---- آپ اپنے صحابہ کو لے کر روانہ ہوئے اور بنو مُصطلق پر حملہ آور ہوئے ----- دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے اور مُسلمانوں کو فتح عطا ہوئی ----- دشمن کے دس آدمی مارے گئے اور چھ سو کے قریب لوگ قیدی بنائے گئے ---- دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں بھی مالِ غنیمت میں ملیں۔

گرفتار اور قیدی بننے والوں میں قبیلے کے سردار حارث کی بیٹی جویریہ بھی تھی جو تقسیم میں ثابت بن قیس صحابی کے حصے میں آئیں اور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے رقم ادا کر کے ان کو آزاد کروالیا اور پھر ان کے ساتھ نکاح فرما کر انھیں اس مرتبے پر پہنچا دیا جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہ اجمعین کو جب معلوم ہوا کہ سردار کی بیٹی سے آپؐ نے شادی کر لی ہے تو انھوں نے بنو مُصطلق کے چھ سو قیدیوں کو یہ کہہ کر آزاد کر دیا کہ یہ نبی اکرمؐ کے سسرالی رشتے دار ہیں اور ہم آپؐ کے سسرالی رشتے داروں کو قیدی بنا کر نہیں رکھنا چاہتے ---- اس موقع پر ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ (جو اس غزوہ میں شامل تھیں) نے فرمایا: میں نے جویریہ سے زیادہ کسی عورت کو اپنی قوم کے حق میں بابرکت نہیں دیکھا جس کی وجہ سے ایک دن میں سینکڑوں لوگ آزاد ہوئے۔ (ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۱۹۲)

ایک ناخوشگوار واقعہ

اسی غزوہ میں پانی لینے کے مسئلے پر ایک مہاجر اور انصاری کے درمیان جھگڑا ہوا اور دونوں نے اپنے اپنے لوگوں کو مدد کے لیے آواز لگائی ---- نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو معلوم ہوا تو فرمایا:

دَعُوهَا فَإِنَّهَا خَبِيثَةٌ ---- ایسی آوازوں ---- اور ایسی حرکات کو چھوڑ دو ---- یہ گندی اور بدبودار باتیں ہیں۔ (بخاری کتاب التفسیر)

عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس غزوہ میں شریک تھا ---- اس نے اس واقعہ سے فائدہ حاصل کرنے کی ناکام کوشش کی اور مدینے کے رہائشی لوگوں کو بھڑکایا کہ مہاجرین تُمھارے سر پر سوار ہوگئے ہیں ---- ان ذلیلوں کو مدینے سے نکال باہر کرو ---- اللہ رب العزت نے منافقین کی باتوں اور ان کی مذموم کارروائی کی اطلاع سورۃ المنافقون اتار کر اپنے محبوب پیغمبرؐ کو دی۔

اسی غزوہ سے واپسی پر عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین کا بیٹا عبداللہ ---- مدینہ کے دروازے پر تلوار سونت کر کھڑا ہو گیا تھا کہ میرے باپ نے العیاذ باللہ نبی اکرمؐ کو ذلیل کہا ہے ---- اور کہا ہے کہ ہم ذلیلوں کو مدینے میں داخل نہیں ہونے دیں گے ---- یا تو آج میرا باپ اقرار کرے گا کہ میں ذلیل ہوں اور محمدؐ معزز ہیں، ورنہ میں اس کی گردن قلم کردوں گا۔

ام المومنینؓ اور افک مبین

اسی غزوہ میں ایک بہت ہی عجیب اور اہم واقعہ پیش آیا جسے قرآن افک یا بہتان عظیم کہتا ہے ---- اس غزوہ سے واپسی پر ایک غلط فہمی کی بنا پر سیدہ عائشہ ایک جگہ پر لشکر سے پیچھے رہ گئیں ---- لشکر کے پیچھے پیچھے ذرا فاصلے پر ایک صحابی چلا کرتے تھے تاکہ لشکر میں شریک لوگوں میں سے

کسی کی کوئی چیز گر جائے تو وہ اسے اٹھا کر مالک تک پہنچا دے۔

اس غزوہ میں یہ ڈیوٹی حضرت صفوان کی تھی ---- انھوں نے ایک جگہ پر بالکل تنہا اور اکیلی عورت کو دیکھا تو پہچان لیا کہ ام المومنین ہیں ---- صورتِ حال معلوم کر کے اپنے اونٹ پر سوار کیا اور خود مہار تھامے تیزی سے چلتے ہوئے لشکر کو جا ملے۔

بس اتنی سی بات تھی جسے افسانہ بنا دیا گیا ---- عبداللہ بن ابی نے دوسرے منافقین کے ساتھ مل کر طوفانِ بدتمیزی کھڑا کر دیا ---- اور اتنا ہنگامہ کھڑا کیا اور اتنے زور سے اور شدت سے پروپیگنڈا کیا کہ بعض سادہ لوح مسلمان بھی اس کی لپیٹ میں آ گئے۔

سیدہ عائشہؓ سفر سے واپسی پر بیمار ہو گئیں اور ایک ماہ تک مسلسل بیمار رہیں انھیں کچھ علم نہیں تھا کہ مدینہ منورہ میں ان کے بارے ایک طوفان بدتمیزی کھڑا کر دیا گیا ہے ---- البتہ نبی اکرمؐ کے رویے میں پہلی والی محبت اور تعلق انھیں نظر نہیں آتا تھا ---- انھیں ایک رات قضائے حاجت جاتے ہوئے اپنے والد گرامی کی خالہ زاد بہن ام مسطح سے سارا واقعہ معلوم ہوا ---- واپس آ کر اس خبر کی تحقیق کے لیے انھوں نے امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے اجازت طلب کی کہ وہ اپنے والدین کے گھر جانا چاہتی ہیں ---- والدین کے گھر آ کر انھیں اس تہمت کے بارے میں معلوم ہوا تو انھوں نے فرطِ غم سے رونا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ دو راتیں اور ایک دن روتے روتے گزر گیا۔ پھر کچھ دنوں کے بعد نبوت کا بدرِ منیر کا شانہ صدیق پر جلوہ افروز ہوا ---- سیدہ عائشہؓ کے قریب آ کر بیٹھ گئے اور ان سے اس معاملے کی حقیقت دریافت فرمائی۔ ام المومنینؓ نے کہا:

یا رسول اللہ! اگر میں اس بہتان کی تردید کروں اور اپنی بریت ظاہر کروں (اور اللہ خوب جانتا ہے کہ میں اس گناہ سے بری ہوں) تو آپ میری

بات کو درست اور سچا نہیں سمجھیں گے ---- میرا معاملہ یوسفؑ کے والد والا ہے ---- پھر میں وہی کہتی ہوں جو انھوں نے کہا تھا:

فصبر جمیل و اللہ المستعان علی ما تصفون

پس میرے لیے صبر ہی بہتر ہے اور تمھاری باتوں پر اللہ کی مدد مطلوب ہے۔

یہ کہہ کہ ام المومنینؓ نے بستر پر کروٹ بدل لی ---- انھیں یقین تھا کہ اللہ رب العزت کسی نہ کسی طرح اپنے نبی کو صحیح صورتِ حال سے آگاہ فرمائے گا۔ ام المومنینؓ کی یہ فریاد اللہ کے دروازے پر بڑی مؤثر دستک ثابت ہوئی اور اسی وقت وحی کا دروازہ اپنی بھرپور وسعتوں کے ساتھ کھل گیا ---- اور سورۃ نور کے تقریباً دو رکوع ام المومنینؓ کی برات اور بے گناہی ثابت کرنے کے لیے نازل ہوئے ---- وحی کی کیفیت ختم ہوئی تو نبوت کے چہرۂ پر انوار پر مُسکراہٹ تھی اور آپ نے فرمایا: ------ عائشہ اللہ نے سات آسمانوں پار سے تیری برات اور پاک دامنی کا اعلان کیا ہے ---- یہ سن کر ام المومنینؓ کی والدہ محترمہ ام رومان رضی اللہ عنہا نے کہا:

اٹھ عائشہ بیٹی اور نبی کریمؐ کا شکریہ ادا کر ---- ام المومنینؓ نے نازسے کہا: اللہ کی قسم میں تو صرف اس اللہ کا شکر ادا کروں گی جس نے میری پاک دامنی کا اعلان کیا ---- یہ ناز بھرا فقرہ اور توحید میں ڈوبا ہوا یہ جُملہ عائشہ کے سوا اور کون کہہ سکتا تھا؟۔

غزوۂ خندق

سامعینِ گرامی قدر! آپ سن چکے ہیں اور میں بیان کرچکا ہوں کہ مدینہ سے جلا وطن ہونے والے یہود (بنو نضیر) مدینہ سے نکل کر خیبر میں آباد ہوگئے ---- مدینہ سے نکلنے کا انھیں بڑا دکھ تھا ---- خیبر میں ان کی بڑی آؤ بھگت ہوئی ---- بنو نضیر کے سردار

مکہ مکرمہ پہنچے اور قریش مکہ سے مل کر مسلمانوں کے خلاف ایک متحدہ محاذ بنانے کی پلاننگ اور سازش کی۔

انھوں نے بنو غطفان کو اس محاذ میں شامل کر لیا----- بنو اسد کو اپنے ساتھ ملا لیا----- بنو سلیم کو بھی آمادہ کر لیا---- عرب کے تمام قبائل، جماعتیں اور گروہ ---- مل کر ایک بہت بڑے لشکر کی صورت میں جن کی تعداد دس ہزار اور بعض روایات کے مطابق بائیس ہزار تھی ----- مدینہ کے مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لیے مدینے کا رخ کیا۔

("اَحزَاب" "حِزبٌ" کی جمع ہے جس کے معنی گروہ کے ہیں۔ "غزوۂ خندق" کو "غزوۂ احزاب" اسی لیے کہتے ہیں کہ عرب کے چھوٹے بڑے گروہ مل کر مدینہ پر حملہ آور ہوئے تھے۔ امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو جب اطلاع ہوئی کہ مشرکین مکہ کی قیادت میں عرب کے تمام قبائل کا ایک بہت بڑا لشکر مدینہ منورہ پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے ----- تو آپ نے حسب عادت صحابہ کرامؓ کو مشورہ کے لیے بلایا اور مدینہ منورہ کے دفاعی منصوبے کے لیے غور کیا گیا۔)

سیدنا سلمان فارسیؓ کا مشورہ اور خندق

سیدنا سلمان فارسی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ نے مشورہ دیا کہ ہمارے ہاں فارس میں دستور یہ ہے کہ ایسے موقع پر شہر کے گرداگرد خندق کھود کر اپنے آپ کو محفوظ کر لیا جاتا ہے اور دشمن کو دور رہنے پر مجبور کر دیا جاتا ہے ---- آپ کو یہ رائے پسند آئی اور آپ نے اپنے ساتھیوں کو خندق کھودنے کا حکم دیا اور کدال لے کر خود بھی بہ نفس نفیس خندق کے کھودنے میں حصہ لیا۔

۱۸ ذوالقعدہ ۵ھ کو خندق کی کھدائی کا کام شروع ہوا ---- یہ تین ہزار مزدور تھے جو صرف رضائے الٰہی کی خاطر مزدوری میں مصروف تھے ---- ان کو کوئی مزدوری رقم کی صورت میں نہیں ملتی تھی ---- بلکہ پیٹ بھرنے

کے لیے کھانا تک میسر نہیں تھا ---- آسمان کی آنکھوں نے اس سے بہتر مزدوروں کا گروہ نہ کبھی پہلے دیکھا اور نہ قیامت تک دیکھ سکے گا۔

انسانی کائنات کی تاریخ نے پہلی مرتبہ دیکھا کہ آقا اور غلام، حاکم اور محکوم، خادم اور مخدوم، سب ہاتھوں میں کدالیں اٹھائے ---- تین دن کے فاقے سے پیٹ پر پتھر باندھے ---- یہ اشعار پڑھتے ہوئے خندق کھودنے میں مصروف ہیں:

نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا مُحَمَّدًا عَلَی الْجِهَادِ مَا بَقِیْنَا اَبَدًا

ہم وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ فروخت کر چکے ہیں۔

اصحاب رسول اور خود رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم مل کر پڑھ رہے ہیں:

وَ اللّٰهِ لَوْ لَا مَا اهْتَدَیْنَا وَ لَا تَصَدَّقْنَا وَ لَا صَلَّیْنَا

اے اللہ اگر تیری راہنمائی نہ ہوتی تو نہ ہم کو ہدایت نصیب ہوتی اور نہ ہم زکوٰۃ و صلوٰۃ ادا کر سکتے تھے۔

کبھی صحابہ کرام وفاداریوں اور جانثاریوں سے بھرپور اشعار پڑھتے ---- تو امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سن کر جواب میں یہ ارشاد فرماتے:

اَللّٰهُمَّ لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشُ الْاٰخِرَةِ فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَ الْمُهَاجِرَةِ

اے اللہ زندگی تو صرف آخرت کی زندگی ہے ---- پس تو مہاجرین اور انصار کی مغفرت فرما۔

کفار پہنچ گئے

صحابہ کرام صرف چھ دن میں خندق کی کھدائی سے فارغ ہو گئے ---- اتنے میں کفار کا لشکر بھی پورے ساز و سامان کے ساتھ مدینہ کی حدود میں پہنچ گیا۔ اتنا بڑا لشکر مسلمانوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا ---- مگر مشرکین اور کفار نے بھی دفاع کا یہ طریقہ کبھی نہیں دیکھا تھا

---- وہ خندق کو دیکھ کر سخت پریشان ہوئے ---- ان کے مذموم مقاصد اور خطرناک منصوبے مُسلمانوں کی شاندار دفاعی منصوبہ بندی سے خاک میں مل گئے ---- کوئی کافر خیموں سے نکل کر جونہی خندق کے قریب آتا مُسلمان تیروں اور پتھروں کی بوچھاڑ سے اسے واپس جانے پر مجبور کردیتے ---- ادھر یہود کے دوسرے قبیلے بنو قریظہ نے عہد شکنی شروع کردی ---- بنو قریظہ مُسلمانوں سے معاہدہ توڑ کر دشمنوں کی صف میں شامل ہوگئے ---- اب سامنے خندق کے پار کفار مکہ اور عرب کے قبائل تھے اور پیچھے سے بنو قریظہ حملہ آور ہونا چاہتے تھے ---- مدینہ میں عورتیں اور بچے غیر محفوظ ہو رہے تھے ---- یہ دن بڑے کٹھن اور راتیں بڑی مشکل تھیں ---- سردیوں کی طویل اور ٹھنڈی راتیں مُسلمان جاگ کر گزارتے تھے ---- ہر وقت خطرہ ---- کہیں مشرکین خندق پار نہ کرلیں ---- کہیں بنو قریظہ پیچھے سے حملہ آور نہ ہوجائیں۔

قرآن نے اسے ---- دیکھیے کس طرح ذکر فرمایا:

﴿ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَ مِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَ اِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَ تَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ زُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا۝ ﴾

"جب کافر تم پر چڑھ آئے تھے اوپر کی جانب سے اور نیچے کی جانب سے اور جب آنکھیں پتھرا گئی تھیں اور دل (خوف سے) گلوں تک پہنچ گئے تھے اور تم اللہ کے بارے مختلف قسم کے گمان کر رہے تھے ---- وہاں مُسلمان آزمائے گئے اور ہلائے گئے زور کا ہلانا"۔ (الاحزاب ۳۳: ۱۰-۱۱)

اب اللہ رب العزت نے مُسلمانوں کی مدد کی ایک نئی صورت پیدا کردی کہ غطفان قبیلے کا ایک رئیس نعیم بن مسعود اشجعی جو مخفی طور پر ایمان لاچکا تھا اور اپنی قوم کا مُعتمد علیہ تھا، اس نے بڑی سمجھ داری اور زیرکی اور ہوشیاری سے

ایک ملاقات بنو قریظہ سے کی اور دوسری ملاقات قریش سے کی اور دونوں کے درمیان ہونے والے اتحاد میں دراڑ ڈالنے میں کامیاب ہو گیا۔

میرے حضورؐ اللہ کے حضور میں

امام الانبیاء ﷺ نے شدت و تکلیف اور پریشانی کے ان ایام میں جو طویل ہوتے جارہے تھے اپنے اللہ کے حضور دعا کے لیے اور کبھی بد دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔

اَللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ سَرِيْعَ الْحِسَابِ اهْزِمِ الْاَحْزَابَ اَللّٰهُمَّ اهْزِمْهُمْ وَزَلْزِلْهُمْ (بخاری)

اے میرے مولا! قرآن کے نازل کرنے والے، جلد حساب لینے والے تو مشرکین کی جماعتوں کو شکست دے۔ میرے مولا! ان کو بھگا دے اور ان کو ڈگمگا دے۔

کبھی کہتے: ---- لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ اَعَزَّ جُنْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَغَلَبَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ فَلَا شَیْءَ بَعْدَهٗ (بخاری)

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو اکیلا اور یکتا ہے اس نے اپنے لشکر کو (مسلمانوں کو) عزت بخشی اور اپنے بندے (محمد ﷺ) کی مدد فرمائی اور وہ اکیلا سب گروہوں پر غالب ہے اور اس کے ماسوا سب فانی ہے۔

اور دعا قبول ہو گئی

محاصرہ طویل ہو گیا تو دشمن بھی گھبرا گئے ---- ہزاروں آدمیوں کے کھانے پینے کا انتظام ---- ہزاروں جانوروں کے لیے چارہ ---- یہ سب کچھ مشکل ہوتا چلا گیا---- پھر سردی کی شدت نے مشکلات میں مزید اضافہ کر دیا۔

پھر نصرتِ الٰہی پہنچ گئی ---- تیز آندھی بلکہ طوفان جس نے دیکھتے ہی دیکھتے تمام لشکر کو زیر و زبر کر ڈالا ---- خیمے اکھڑ کر ہوا میں اڑنے لگے ----

چوپائے خوف سے بھاگنے لگے ---- دیگیں چولھوں پر سے الٹنے لگیں ---- سارے لشکر میں ابتری پھیل گئی اور کفار نے محاصرہ چھوڑ کر راہ فرار اختیار کرنے کو ترجیح دی۔

رحمت کائنات صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے بشارت سنائی:

اب کبھی دشمن ہم پر حملہ آور نہیں ہوسکیں گے۔ اب ہم ان پر حملہ آور ہوں گے۔ (بخاری جلد ۲ صفحہ ۵۹۰)

اللّٰہ تعالیٰ نے اپنی آنے والی مدد کو قرآن میں یوں ذکر فرمایا:

﴿ يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ﴾ (۳۳ : ۹)

"اے ایمان والو! اللّٰہ کا احسان یاد کرو جب تم پر ہر طرف سے فوجیں چڑھ آئی تھیں، پھر ہم نے ان پر ہوا بھیج دی اور وہ فوجیں جن کو تم نے نہیں دیکھا"۔

امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

اللّٰہ رب العزت نے مجھے ہوا کے ذریعہ فتح عطا فرمائی جس طرح قوم عاد کو سخت ہوا سے ہلاک کیا گیا تھا۔

- اسی غزوہ میں آپ کی اور صحابہ کی کچھ نمازیں قضا ہو گئی تھیں ---- اور آپ کو نمازوں کے قضا ہوجانے پر اس قدر افسوس ہوا کہ آپ نے مشرکین کے لیے بد دعا فرمائی۔ (بخاری جلد ۲ صفحہ ۵۹۰)
- اسی غزوہ میں سیدنا علی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ نے بڑی پامردی اور شجاعت سے مکہ کے پہلوان عمرو بن ود کو واصلِ جہنم کیا۔
- اسی غزوہ میں آپ نے تین دفعہ اعلان کیا کہ مشرکین کی جاسوسی کے لیے کون جائے گا؟۔

تینوں دفعہ حضرت زبیر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اٹھے ---- تب آپ نے فرمایا:

ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے اور میرے حواری زبیر ہیں۔

❁ اسی غزوہ میں حضرت زبیر کی والدہ اور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے بنو قریظہ کے ایک یہودی کو خیمے کی لکڑی اکھاڑ کر اس کے سر پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ اسے دوسرا سانس لینا نصیب نہ ہوا---- یہ یہودی حملے کے لیے راستہ ڈھونڈ رہا تھا---- حضرت صفیہ کی اس دلیرانہ کارروائی سے بنو قریظہ کے باقی لوگوں کے حوصلے پست ہوگئے۔

غزوہ بنو قریظہ

غزوۂ خندق کے موقع پر بنو قریظہ نے مُسلمانوں سے عہد شکنی کر کے در پردہ مشرکین کا ساتھ دیا تھا----- مشرکین خاسر و نامراد ہو کر واپس پلٹ گئے---- نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم بھی مدینہ منورہ میں تشریف لے آئے---- ابھی آپ نے ہتھیار اتار کر غسل کیا ہی تھا کہ جبریل امین آ گئے اور کہنے لگے:

آپ نے ہتھیار اتار دیے۔ ہم نے تو ابھی ہتھیار نہیں اتارے اور اٹھیے اور بنو قریظہ پر یلغار کیجیے---- آپ نے اعلان کروایا کہ ابھی نکلنا ہے اور عصر کی نماز بنو قریظہ کے علاقے میں ادا کرنی ہے----

یہ اعلان ظہر کی نماز کے بعد ہوا۔

بنو قریظہ اپنے قلعوں میں محفوظ ہو گئے اور مُسلمانوں نے ان کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا، جو تقریباً پچیس دن جاری رہا---- آخر کار انھوں نے ہتھیار ڈالنے کا فیصلہ کیا اور مصالحت کی درخواست پیش کی---- اور کہا کہ حضرت ابولبابہؓ ہمارے سابق حلیف کو بھیج دیجیے تاکہ ہم ان سے مشورہ کر لیں---- ابولبابہؓ ان کے ہاں پہنچے تو انھوں نے پوچھا اگر ہم ہتھیار ڈال دیں تو مُسلمان ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں گے؟

ابولبابہؓ نے اپنی گردن پر ہاتھ پھیر کر اشارہ کیا کہ سب کے سب قتل کردیے جاؤ گے۔

یہ اشارہ کرکے ابولبابہؓ کو احساس ہوا کہ میں نے یہ راز فاش کرکے اللہ اور اس کے رسُول کے ساتھ خیانت کی ہے ----- چنانچہ بجائے اس کے ابولبابہؓ نبی اکرمؐ کے پاس واپس آتے سیدھے مسجد نبوی پُہنچے اور اپنے آپ کو مسجد کے ایک ستون سے باندھ لیا اور قسم کھائی کہ جب تک میری توبہ قبول نہیں ہوگی اور جب تک رسُولِ رحمت اپنے مبارک ہاتھوں سے مُجھے نہیں کھولیں گے اس وقت تک میں اس جگہ سے نہیں ٹلوں گا۔

ادھر حضرت ابولبابہؓ کے اشارے کے باوجود بنو قریظہ نے ہتھیار ڈال دیے اور انھوں نے اپنے بارے میں فیصلہ کے لیے قبیلہ اوس کے سردار سعد بن معاذ کو ثالث مان لیا ---- قبیلہ اوس بنو قریظہ کا پرانا حلیف قبیلہ تھا اور انھیں امید تھی کہ پرانے تعلقات کو مد نظر رکھ کے اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ نرم فیصلہ فرمائیں گے۔

حضرت سعد بن معاذ غزوۂ خندق میں زخمی ہوگئے تھے ---- وہ گدھے پر سوار وہاں پُہنچے اور انھوں نے فیصلہ کیا ------ بنو قریظہ کے لڑنے والے مردوں کو قتل کردیا جائے ---- عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا جائے اور ان کا تمام مال اور اسباب مُسلمانوں میں تقسیم کردیا جائے۔

نبی اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حضرت سعد کا فیصلہ سن کر فرمایا:

سعد نے ان کے بارے میں وہی فیصلہ فرمایا جو سات آسمانوں کے اوپر سے اللہ رب العزت کا فیصلہ ہے۔ حضرت سعد کے فیصلے پر عمل درآمد کے لیے مدینہ کے بازاروں میں خندقیں کھودی گئیں، اور تقریباً چھ سو یہودیوں کو تہِ تیغ کردیا گیا۔

ادھر ابولبابہؓ چھ دنوں سے مسلسل ستون سے بندھے ہوئے تھے (صرف نمازوں کے لیے کھولے جاتے) چھ دنوں کے بعد سحری کے وقت ان کی توبہ قبول ہوئی ---- رحمتِ کائنات صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اس رات حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں تھے ---- سب سے پہلے انھیں مبارک بھی سیدہ ام سلمہؓ نے دی ---- صحابہ انھیں کھولنے کے لیے دوڑے مگر ابولبابہؓ نے سب کو منع کر دیا---- اور کہا مجھے رسولِ رحمتؐ اپنے دستِ مبارک سے کھولیں گے تو کھلوں گا ورنہ نہیں۔

چنانچہ آپ صبح کی نماز کے لیے تشریف لائے تو اپنے دست مبارک سے ابولبابہؓ کو کھولا۔

مسجد نبوی میں یہ ستون اب بھی موجود ہے جس پر "اسطوانہ ابی لبابہ" لکھا ہوا ہے۔

حضرت سعد بن معاذ کے تاریخی فیصلے کے کچھ مدت بعد وہ خندق میں لگنے والے زخموں کی تاب نہ لا کر شہید ہو گئے---- رحمتِ کائناتؐ کو اطلاع دی گئی تو سخت مغموم مسجد میں تشریف لائے ---- جہاں ان کا جسد اطہر موجود تھا۔ آپ نے حضرت سعد کا سر اپنی جھولی میں رکھ لیا---- اور فرمایا سعد بن معاذ کی موت سے اللہ کا عرش ہل گیا ہے۔ (بخاری جلد ۲ صفحہ ۵۳۶)

اور پھر فرمایا سعد کے لیے آسمان کے تمام دروازے کھول دیے گئے اور آسمانوں کے فرشتے ان کی روح کے آنے سے مسرور ہوئے۔
(فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۹۳)

پھر فرمایا سعد کے جنازے میں ستر ہزار ایسے فرشتے اتارے گئے جو اس سے پہلے کبھی زمین پر نہیں آئے۔

زینب رضؓ بنت جحش سے نکاح

اسی سال یعنی ۵ھ میں امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے زینب بنت جحش سے نکاح فرمایا ----- جس کا مفصل واقعہ سورۃ الاحزاب میں بیان ہوا۔

زینب بنت جحش آپؐ کی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی تھیں --- ان کا پہلا نکاح آپؐ کے آزاد کردہ غلام سیدنا زید بن حارثہ کے ساتھ ہوا تھا جسے آپؐ نے منہ بولا بیٹا بنایا ہوا تھا --- یہ شادی ایک سال تک قائم رہ سکی --- میاں بیوی کے درمیان تعلقات خوشگوار نہ رہ سکے ----- زید نے زینب کو آخر کار طلاق دے دی۔

جب انھیں طلاق مل گئی تو امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم زینب کی دلجوئی کے لیے چاہتے تھے کہ میں خود ان سے نکاح کر کے انھیں امہات المومنین کے زمرے میں لے آؤں --- مگر عرب کے دستور اور ایک غلط رسم کا لحاظ کرتے ہوئے کہ عرب کے دستور میں منہ بولا بیٹا بھی حقیقی بیٹے کی طرح سمجھا جاتا تھا ---- اس لیے عرب کے لوگ منہ بولے بیٹے کی مطلقہ سے نکاح جائز نہیں سمجھتے تھے --- اسی وجہ سے آپؐ تأمل فرماتے تھے ----- لیکن چونکہ یہ رسم جاہلیت کی رسم تھی اور شریعت کی نگاہ میں اس کا مٹانا ضروری تھا اس لیے اللّٰہ رب العزت نے فرمایا: ہم نے عرش پر آپ کا نکاح زینب سے کر دیا ہے۔

اس طرح آپ نے زینب کو اپنی زوجیت میں لے کر جاہلیت کی ایک قدیم اور فرسودہ رسم کو جڑ سے اکھاڑ دیا ---- سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی دعوتِ ولیمہ میں پردہ کی آیت اور حکم نازل ہوا تھا۔

وما علینا الا البلاغ المبین

سیرت خاتم الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ۔۶

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿ لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَ مُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ؕ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝ هُوَ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝ ﴾

یقیناً اللہ نے اپنے رسول کو خواب سچا دکھایا کہ ان شاء اللہ تم یقیناً پورے امن و امان کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہوگے، سر منڈواتے ہوئے اور سر کے بال کترواتے ہوئے بے خوف ہو کر اللہ ان امور کو جانتا ہے جن کو تم نہیں جانتے پس اس نے اس سے پہلے ایک نزدیک کی فتح تمھیں میسر کردی ۔۔۔ وہی اللہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اس دین کو ہر دین پر غالب کرے اور اللہ کافی ہے گواہی دینے والا۔

(سورۃ الفتح ۴۸ : ۲۷-۲۸)

سامعینِ گرامی قدر ! سیرت النبی ﷺ کو بیان کرتے ہوئے ---- میں نے ۵ھ تک کے حالات اور اہم واقعات کو گزشتہ خطبات میں آپ کے سامنے بیان کیا ہے ------ ٦ھ کے واقعات میں سب سے نمایاں، ممتاز اور اہم واقعہ صلح حدیبیہ کا واقعہ ہے ---- جس نے تاریخِ اسلام کے دھارے کا رخ موڑ دیا اور بقول شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ کہ فتح مکہ اور فتح خیبر بلکہ آنے والی تمام فتوحات اسلامیہ کے لیے صلح حدیبیہ اساس، بنیاد اور دیباچہ ہے۔

مہاجرین کو ہجرت کرکے مدینہ منورہ آئے چھ سال کا عرصہ ہو گیا تھا ---- کچھ مہاجر ایسے بھی تھے جن کے اہل وعیال ابھی مکہ ہی میں تھے ----- اگرچہ مہاجرین مکہ مکرمہ سے مستقل ہجرت کرکے مدینہ منورہ میں آگئے تھے ---- انھوں نے اپنا گھر بار، املاک، کھیتی، دکان، جائیداد اور رشتے داروں کو چھوڑا تھا اور وطنیت کے بت کو توڑا تھا ---- مگر بیت اللہ سے تو منھ نہیں موڑا تھا، بلکہ اس مرکز دینی سے دور ہونے کا تو انھیں شدید صدمہ تھا۔

ہجرت کے چھٹے سال امام الانبیاء ﷺ نے خواب دیکھا کہ میں اپنے صحابہ کے ساتھ مسجد حرام میں امن کے ساتھ داخل ہو رہا ہوں ----- آپ کے ہاتھ میں بیت اللہ کی چابی ہے اور بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں۔ آپ نے صحابہ کرام کو یہ خواب سنایا تو وہ مسرت سے جھوم اٹھے ---- انھیں یقین تھا کہ نبی کا خواب عام لوگوں کے خواب کی طرح ظنی نہیں ہوتا بلکہ قطعی ہوتا ہے اور وحی کا درجہ رکھتا ہے۔

صحابہ کرام کو چونکہ بیت اللہ کی زیارت کا جنون کی حد تک شوق تھا، وہ سمجھے کہ یہ خواب اسی سال پورا ہو کر رہے گا ---- انھوں نے عمرے کے لیے تیاری شروع کر دی۔

امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم یکم ذی قعدہ ۶ھ کو چودہ سو صحابہ کے ساتھ عمرے کے ارادے سے روانہ ہوئے۔

مشرکین مکہ کو اطلاع ہوئی تو انھوں نے مختلف قبائل کو جمع کر کے مقابلے کی تیاریاں شروع کر دیں ----- وہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ مسلمان اس طرح امن و امان سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوں۔

مسلمانوں کا قافلہ چلتے چلتے مکہ مکرمہ سے تقریباً آٹھ میل کے فاصلے پر حدیبیہ کے مقام پر جو در اصل ایک کنویں کا نام ہے، وہاں اتر گیا---- یہ پورا علاقہ حدیبیہ کے نام سے مشہور تھا۔ آج کل اسے شُمَیسِیَہ کے نام سے پہچانا جاتا ہے ---- چند ڈول نکالنے سے کنویں کا پانی ختم ہو گیا----- صحابہ کرام نے اس کا تذکرہ آپ کے سامنے کیا تو آپ نے اپنے ترکش میں سے ایک تیر نکالا اور کہا اسے کنویں میں ڈال دو---- تیر ڈالنے کی دیر تھی کہ کنویں کا پانی جوش مارنے لگا اور سب صحابہ نے خوب سیر ہو کر پیا۔ (بخاری)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ تمام کا تمام پانی ختم ہو گیا ---- صرف ایک برتن میں تھوڑا سا پانی رہ گیا ہے ---- رحمتِ کائنات نے اپنے مبارک ہاتھ برتن میں ڈالا ----- اور پھر آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی چشموں کی طرح ابلنے لگا---- حضرت جابر کہتے ہیں اگر ہم اس روز ایک لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی ہمارے لیے کافی تھا۔

(بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الحدیبیۃ)

مشرکین کے وفود

مشرکین مکہ نے مسلمانوں کی طاقت کا اندازہ کرنے کے لیے اور آپ کو عمرہ کیے بغیر مدینے واپسی پر آمادہ کرنے کے لیے کئی آدمیوں کو حدیبیہ بھیجا۔

انھوں نے بنو کنانہ کے ایک شخص حلس بن علقمہ کو بھیجا ---

اسے محسوس ہوا کہ مسلمانوں کا ارادہ صرف اور صرف عمرے کا ہے اور بیت اللہ سے کسی کو روکنا کسی لحاظ سے بھی مناسب نہیں ---- اس نے مشرکین مکہ کو جا کر صحیح صورت حال سے مطلع کر دیا۔

اس کے بعد قریش نے ایک انتہائی دانشور اور ذہین آدمی کا انتخاب کیا ---- بنو ثقیف کا سردار عروہ بن مسعود ---- وہ آپ کی خدمت میں پہنچا ---- آپ نے اسے اصل صورت سے باخبر کیا ---- اس نے حدیبیہ میں اصحابِ رسول کی اس محبت و عقیدت کو بھی دیکھا جو صحابہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ اپنے دل میں رکھتے تھے۔ واپس جا کر عروہ نے مشرکین سے کہا:

میں نے بہت سے بادشاہوں کو دیکھا ہے مگر محمدؐ جیسا کسی کو نہیں دیکھا۔ وہ مجھے بادشاہ معلوم نہیں ہوتا ---- وہ عقیدت اور محبت جو محمدؐ کے ساتھیوں کی محمدؐ کے ساتھ ہے۔ وہ میں نے کسی دنیا کے بادشاہوں کے درباروں میں بھی نہیں دیکھی۔

سیدنا عثمانؓ رسولُ رسولِ اللہ

آپؐ نے اپنے دوہرے داماد سیدنا عثمانؓ کو قاصد بنا کر مکہ بھیجا کہ تم بنو امیہ قبیلہ سے تعلق رکھتے ہو ---- اور بنو امیہ مکہ کا ایک مؤثر قبیلہ ہے ---- مکہ کے لوگوں کو جا کر یہ بات سمجھاؤ کہ ہم جنگ کرنے کے لیے نہیں آئے صرف عمرہ کرنے کے لیے آئے ہیں ---- اس لیے تم مزاحمت کا رویہ ترک کر کے ہمیں امن و امان کے ساتھ عمرہ کرنے کے لیے مکہ مکرمہ آنے دیں۔

رسُول اللہ، بیت اللہ اور عثمانؓ

سیدنا عثمانؓ ---- میرے رسولؐ کے رسول بن کر مکہ پہنچ گئے۔ اپنے ایک رشتے دار ابان بن سعید کے گھر ٹھہرے ---- مکہ کے

سرداروں سے بات چیت کی ---- انھوں نے واضح الفاظ میں انکار کر دیا کہ ہم محمدؐ اور ان کے ساتھیوں کو عمرہ کی ادائگی کے لیے مکہ آنے کی اجازت نہیں دیں گے۔

اگر تم عمرہ کرنا چاہو تو اجازت ہے۔

ایک لمحہ کے لیے تصور کیجیے ----- چھ سال ہو گئے ہیں بیت اللہ کی زیارت سے محروم ہیں ---- آج بیت اللہ پہنچ گئے ہیں ---- احرام باندھا ہوا ہے اور رکاوٹ بھی کوئی نہیں ------ مگر میرے نبی کے مُحِبِ صادق نے جو جواب دیا وہ تاریخ کے اوراق پر ابھرتے ہیرے کی طرح چمکتا رہے گا ---- کہا: میں یہاں تنہا اور اکیلا عمرے کا طواف کرلوں اور میرا حقیقی کعبہ ---- بیت اللہ سے دور حدیبیہ میں بیٹھا رہے۔

اللہ اللہ! کتنے روح پرور الفاظ ہیں ---- عقیدتِ رسُول میں پختگی اور محبتِ نبی میں وارفتگی کا اس سے بہتر مظاہرہ چشمِ فلک نے کبھی اور کہیں بھی نہ دیکھا ہوگا۔

دنیوی عیش و عشرت، بہار و نشاط اور سرور و مسرت کو تو مُحبانِ رسُولؐ نے قربان کر دیا تھا اور کہا تھا: ؎

مے بھی ہے مینا بھی ہے ساغر بھی ہے ساقی نہیں
دل میں آتا ہے لگادوں آگ میخانے کو میں

مگر عُثمان ذوالنورینؓ نے تو محبتِ رسُول میں عبادتِ الٰہی کو بھی قربان کر دیا۔ ؎

نہ ہو جب تو ہی اے ساقی بھلا پھر کیا کرے کوئی
ہوا کو ابر کو گل کو چمن کو صحنِ بستاں کو

کیسی بہار کس کے ستارے کہاں کے پھول
جب تم نہیں تو دیدۂ دل میں سمائے کون

ادھر عثمان یہ کہہ رہے تھے ----- اور ادھر حدیبیہ میں رکے ہوئے مسلمان کہہ رہے تھے ---- عثمان خوش قسمت ہیں ----- مکہ پہنچ گئے ہیں ---- کم سے کم عمرہ تو کرلیں گے۔

عثمان کے نبض شناس پیغمبرؐ نے یہ سن کی فرمایا ----- میرا عثمان میرے بغیر عمرہ نہیں کرے گا ----- کتنا اعتماد ہے نبوت کو عثمان پر ----- اور کس قدر پورا اترا ہے عثمان اپنے نبی کے اعتماد پر۔ سبحان اللہ

قتل عثمان کی افواہ اور بیعت رضوان

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو مشرکین نے روک لیا ---- واپسی میں دیر ہو گئی تو یہ افواہ پھیل گئی: "قَدْ قُتِلَ عُثْمَانُ" ---- عثمان کو شہید کر دیا گیا ہے ---- یہ خبر سن کر آپؐ کو انتہائی صدمہ ہوا ----- ایک سفیر کا قتل اور سفیر بھی عثمان جیسا۔ آپ ایک درخت کے نیچے تشریف لائے اور چودہ سو صحابہ سے بیعت لی کہ جب تک عثمان کے خون کا بدلہ نہیں لیں گے یہاں سے واپس نہیں جائیں گے ---- آپؐ نے صحابہ کو آواز لگائی ----- بَایِعُوا عَلَی الْمَوْتِ ------ سر دھڑ کی بازی لگانے پر بیعت کرو ------ بیعت کرو کہ بھاگے گا کوئی نہیں ----- بیعت کرو کہ ڈٹ کر اور جم کر مقابلہ کریں گے ----- سب صحابہ بیعت کرنے کے لیے دیوانہ وار دوڑے اور لپکے ---- جب تمام صحابہ بیعت کر چکے تو امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنے ایک ہاتھ کو اپنے دوسرے ہاتھ پر رکھتے ہوئے فرمایا کہ یہ میرا ہاتھ ہے اور یہ دوسرا عثمان کا ہاتھ ہے اب میں عثمان کی بیعت لیتا ہوں۔

(سامعین گرامی قدر! یہاں یہ نکتہ یاد رکھنے کے اور غور سے سُننے کے قابل ہے کہ اللہ رب العزت نے نبی اکرم کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ ﴾

جو لوگ تجھ سے بیعت کر رہے ہیں وہ یقیناً اللہ سے بیعت کر رہے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ (فتح ۴۸ : ۱۰)

اور آج بیعت رضوان کے وقت نبی اکرمؐ نے اپنے ہاتھ کو عثمان کا ہاتھ قرار دیا ---- نتیجہ واضح اور ظاہر ہے ---- عثمان کا ہاتھ ---- نبی کا ہاتھ ---- اور نبی کا ہاتھ عثمان کا ہاتھ ---- اسی ہاتھ کو اشاعتِ قرآن کا حامل اور ناشر قرآن بننا چاہیے تھا۔) اس بیعت کو بیعتِ رضوان کہتے ہیں ---- یہ بیعت جس درخت کے نیچے ہوئی اسے شجرۂ رضوان کا لقب ملا ---- اور جو صحابہ اس بیعت میں شامل تھے انھیں اصحاب رضوان کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید نے کہا:

﴿ لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ عَلَیْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا ﴾

بلا شک اللہ راضی ہو گیا ایمان والوں سے جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے اللہ نے معلوم کیا جو کچھ ان کے دلوں میں ہے۔ (یعنی اخلاص و قربانی کا جذبہ) اور ان پر اطمینان اور تسکین اتاری اور ان کو جلد ملنے والی فتح سے سرفراز فرمایا۔ (فتح ۴۸ : ۱۸)

بیعت ہو چکی تو اطلاع پہنچی کہ سیدنا عثمان کے قتل کی افواہ غلط تھی ---- وہ زندہ ہیں اور خیریت سے ہیں اور واپس حدیبیہ تشریف لا رہے ہیں۔

کئی مسئلے حل ہو گئے

سامعین گرامی قدر! یہ واقعہ جو آپ نے ابھی سنا ہے ---- اس پر غور کریں تو کئی مسئلے حل ہو جائیں گے۔

❶ ایک بات اور حقیقت تو یہ واضح ہوئی کہ سیدنا عُثمان رضی اللہ عنہ کا خون کتنا قیمتی ہے کہ رحمتِ کائنات چودہ سو صحابہ سے موت کی بَیعت لے رہے ہیں کہ عُثمان کے خون کا جب تک بدلہ نہیں لیں گے چین سے نہیں بیٹھیں گے۔

❷ دوسری بات یہ واضح ہوئی کہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم باوجود علو مرتبت کے ----- عالم الغَیب اور حاضر و ناظر نہیں تھے ----- اور چودہ سو صحابہ ---- جو بہر حال اولیاء اللہ سے بلند مقام رکھتے ہیں وہ بھی عالم الغَیب اور حاضر و ناظر نہیں تھے ---- اگر آپؐ اور آپؐ کے صحابہؓ عالم الغَیب ہوتے ----- تو انھیں معلوم ہوتا کہ قتل عُثمان کی افواہ جھوٹی اور غلط ہے ----- سیدنا عُثمان تو زندہ اور صحیح سلامت مکہ میں موجود ہیں ----- اور اگر انھیں یہ علم ہوتا تو پھر بَیعت ہوتی؟ ----- ہرگز نہ ہوتی ---- لوگو! اگر زندہ پیغمبر ---- اور زندہ صحابہ کو مکہ میں موجود سیدنا عُثمان کے بارے میں کوئی علم نہیں تو پھر انھیں ہر ہر چیز کا علم کیسے ہوسکتا ہے؟ پھر آپؐ عالم ما کان و مایکون کیسے ہوسکتے ہیں؟۔
یہ حقیقت مان لیجیے کہ علمِ غیب خاصہ انبیاء اور اولیاء کا نہیں بلکہ یہ صفت صرف اور صرف اللہ رب العزت کی ہے۔

❸ تیسری بات یہ ثابت اور واضح ہوئی کہ اگر امت کے اعمال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش ہوتے ہیں ----- تب بھی آپؐ کو معلوم ہوجانا چاہیے تھا کہ عُثمان زندہ ہے ---- ابھی اس کی نماز اور ذکر و ازکار کے اعمال میرے سامنے پیش ہوئے ہیں۔

❹ چوتھی بات یہ واضح ہوئی کہ امت کے لوگوں کا پڑھا ہوا درود ---- اس

آدمی کا نام لے کر آپ پر پیش نہیں ہوتا ---- اس لیے کہ اگر امت کا پڑھا ہوا درود نام لے کر پیش ہوتا تو آپ کی زندگی میں ---- حدیبیہ کے مقام پر بیٹھے ہوئے سیدنا عثمان کا نماز میں پڑھا ہوا درود پیش ہوتا اور آپ کو پتا چل جاتا کہ عثمان تو زندہ ہے ---- پھر آپ عثمان کے قتل کا قصاص لینے کے لیے بیعت کبھی نہ لیتے۔

سہیل آیا معاملہ سہل ہو گیا

قریش کو سرفروشانہ بیعت کا علم ہوا تو خوفزدہ ہو گئے اور حالات کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے ایک معاملہ فہم اور زیرک شخص کو سفیر بنا کر آپ کی خدمت میں بھیجا --- یہ سہیل بن عمرو تھے جو خطیب قریش کے لقب سے مشہور تھے ---- آپ نے سہیل کو آتے ہوئے دیکھا تو فرمایا ---- اب تمہارا کام سہل یعنی آسان ہو گیا ہے ---- بہت دیر تک گفت و شنید ہوتی رہی۔ بالآخر ان شرائط پر اتفاق ہو گیا:

1. مسلمان اس سال عمرہ کیے بغیر واپس چلے جائیں۔
2. آئندہ سال آئیں اور صرف تین دن مکہ میں رہیں اور اپنی تلواریں نیاموں میں رکھیں۔
3. مکہ سے جو شخص مدینے چلا جائے اسے واپس کر دیا جائے ---- مگر مدینے سے جو مسلمان مکے آئے گا اسے واپس نہ کیا جائے گا۔
4. فریقین امن و امان کے ساتھ رہیں گے اور دس سال تک جنگ نہیں کریں گے۔
5. مسلمان اور قریش جس قبیلے کو چاہیں اپنا حلیف بنا سکتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس معاہدہ کو تحریر فرمایا ---- جب آپ نے لکھوایا کہ هٰذَا مَا قَضٰی عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ---- یہ وہ معاہدہ ہے جو

محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی طرف سے ہو رہا ہے۔

مشرکین کے سفیر نے کہا "رسُول اللہ" کا لفظ کاٹ دیجیے ---- اگر ہم آپؐ کو اللہ کا رسُول سمجھتے تو پھر جھگڑا کس بات کا تھا۔

آپؐ نے فرمایا:

علیؓ! اسے کاٹ کر وہی لکھو جو سفیر قریش کہہ رہا ہے۔

سیدنا علیؓ چند سیکنڈوں کے لیے عجیب ذہنی کش مکش میں مُبتلا ہو گئے ---- ایک طرف حکمِ نبی ہے اور دوسری طرف احترامِ نبی ہے ---- آخر جذبہ اطاعت پر جذبہ محبّت و ادب غالب آ گیا ---- قلم رکھ کر کہنے لگے ---- علی کے جن ہاتھوں نے رسُول اللہ لکھ دیا ہے یہ ہاتھ کٹ سکتے ہیں مگر اس لفظ کو مٹا نہیں سکتے۔

لوگو! ------ سیدنا علیؓ کی اس بظاہر نافرمانی، پر ہزاروں فرماں برداریاں قربان ہیں۔

اسی طرح وفات سے چند دن پہلے نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے قلم اور کاغذ طلب فرمایا اور سیدنا فاروق اعظم نے "حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰهِ" کہہ کر امتحان میں کامیابی حاصل کی اور آپؐ یہ جواب سن کر خاموش ہو گئے۔)

وفاءِ عہد کا نادر نمونہ

ابھی معاہدہ تحریر ہو رہا تھا کہ سفیر قریش سہیل کا مُسلمان بیٹا ابوجندل رضی اللہ عنہ بیڑیوں سمیت مکہ کی قید سے نکل کر گرتے پڑتے حدیبیہ پہنچ گیا ---- سہیل نے کہا معاہدہ کے تحت میرے بیٹے کو واپس کرنا ہوگا ---- آپؐ نے فرمایا ابھی معاہدہ مکمل نہیں ہوا ---- ابھی فریقین کے دستخط نہیں ہوئے ----- سہیل کہنے لگا اگر میرے بیٹے کو واپس نہ کیا گیا تو ہم یہ معاہدہ ہی نہیں کریں گے۔

ادھر ابوجندل زخموں سے چور ---- فریاد کر رہا تھا کہ میں بڑی مُشکل سے

----- ظالموں کے پنجے سے بھاگ کر آیا ہوں ----- تم مجھے پھر ان درندوں کے حوالے کر رہے ہو؟۔

پھر امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ایک ارشادِ گرامی کے آگے ابوجندل نے سر جھکا دیا ----- کہ ابوجندل تم واپس چلے جاؤ ---- میں وعدہ اور عہد کے ہاتھوں مجبور ہوں ----- اللہ تیرے لیے کوئی بہتر سبیل نکال دے گا۔

ابوجندل کے جذبہ اطاعت اور ایثار نفس پر قربان جاؤں ---- واپس پلٹ گئے اور اب ان پر ایک نگران مقرر ہوا تا کہ کہیں بھاگ نہ جائیں ---- انھوں نے اپنے نگران کو دعوت اسلام دی اور کچھ ایسے ڈھنگ سے تبلیغ کی کہ وہ مسلمان ہو گیا ----- قریش کو معلوم ہوا تو انھوں نے اس نگران کو بھی قید کر دیا اور ان دونوں پر تیسرا آدمی نگران مقرر کر دیا ---- اب دونوں نے مل کر تبلیغ کی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بھی اسلام لے آیا ---- تاریخ و سیرت کی کتابوں نے لکھا ہے کہ ایک سال کے قلیل عرصہ میں سیدنا ابو جندلؓ اور ان کے ساتھیوں نے تین سو کافروں کو اسلام کی دولت سے مالا مال کر دیا۔

سیدنا عمرؓ کا جوش

اگرچہ شرائط صلح سے صحابہ کرام مطمئن نہیں تھے ---- پھر ابوجندل کی واپسی نے جلتی پر تیل کا کام کیا ---- مگر سب صحابہ خاموش تھے لیکن سیدنا عمرؓ سے ضبط نہ ہو سکا ---- وہ سر جھکائے دربار رسالت میں پہنچے ---- اور کہا:

یا رسُول اللہ! کیا ہم حق پر نہیں اور آپ اللہ کے سچے پیغمبر نہیں ---- فرمایا: ہاں ہم حق پر ہیں اور میں اللہ کا برحق نبی ہوں۔

حضرت عمرؓ کہنے لگے: تو پھر ہم اپنے دین کے معاملے میں دبے دبے کیوں ہیں۔

آپؐ نے فرمایا: میں اللہ کا نبی ہوں اور میں اس کی نافرمانی نہیں

کر سکتا۔ وہ میرا معین و مددگار ہے۔

حضرت عمرؓ وہاں سے نکلے تو سیدھے حضرت ابوبکرؓ کے خیمے میں پہنچے اور ان سے بھی وہی سوال کیے جو نبی اکرمؐ سے کر چکے تھے ---- سیدنا ابوبکرؓ نے بھی وہی جواب دیے جو نبی اکرمؐ نے دیے تھے۔ ان کے جواب نے حضرت عمرؓ کا سارا جلال ٹھنڈا کر دیا ---- حضرت عمرؓ کو اس وقتی دینی جوش اور اپنی تیز گفتگو ---- اور گفتار کے اس انداز پر اتنی ندامت رہی کہ ساری عمر اس کے مداوا اور اس کے کفارہ کے لیے بہت نوافل پڑھے۔ روزے رکھے، صدقہ و خیرات کیا اور بہت سے غلام آزاد کیے۔

شرکاء حدیبیہ حدیبیہ میں شریک چودہ سو صحابہؓ اس لحاظ سے خوش قسمت ہیں کہ اللہ رب العزت نے سورۃ الفتح میں ان کو اپنی رضا اور خوشنودی کی سند عطا فرمائی ---- ان کے ساتھ فتح و نصرت کے اور مالِ غنیمت عطا کرنے کے وعدے فرمائے۔

اور دوسری طرف رحمتِ کائنات صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اصحاب حدیبیہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

اَنْتُمُ الْیَوْمَ خَیْرُ اَھْلِ الْاَرْضِ

آج کے روز تم لوگ روئے زمین کے تمام لوگوں سے بہتر ہو۔

(مسلم کتاب الامارۃ)

پھر آپؐ نے یہ خوشخبری سنائی:

لَا یَدْخُلُ النَّارَ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ مِنْ اَصْحَابِ الشَّجَرَۃِ اَحَدُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا تَحْتَھَا۔

درخت والوں میں سے ہر وہ شخص جس نے درخت کے نیچے بیعت کی ان شاء اللہ وہ جہنم میں داخل نہیں ہوگا۔ (مسلم باب فضائل اصحاب الشجرۃ)

صلح حدیبیہ فتح مبین

صلح حدیبیہ ہوجانے کے بعد آپؐ نے تین دن وہیں قیام فرمایا ----- پھر مدینے کو روانگی ہوئی ----- صحابہ کرام مغموم تھے ----- عمرہ کی ادائگی بھی نہ ہوئی اور صلح کی شرائط ان کی مرضی اور توقعات کے برعکس تھیں ----- جب نِصف راستہ طے فرمالیا تو یہ آیات نازل ہوئیں ----- آپؐ نے صحابہ کرام کو اکٹھا کرکے یہ آیتیں سنائیں:

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ----- ہم نے آپ کے لیے واضح فتح کے دروازے کھول دیے۔

اس خوشخبری کو سن کر صحابہ کرام نے از راہ تعجب پوچھا ----- یا رسُول اللہ! یہ صلح فتح مبین ہے ----- جس میں ہم نے دب کے صلح کی ہے ----- فرمایا: ہاں! یہ فتح مبین ہے، اور عظیم الشان کامیابی ہے۔

- فتح مبین اس لحاظ سے کہ آج یہ معاہدہ کرکے مشرکین نے مُسلمانوں کو اپنے برابر کی طاقت تسلیم کرلیا۔
- فتح مبین اس لحاظ سے کہ آپؐ نے اس صلح کے ذریعے دس سال تک مشرکین مکہ کے ہاتھ جنگ کرنے سے روک دیے۔
- فتح مبین اس لحاظ سے کہ جنگ کی صورتِ حال سے نکل کر دعوت و تبلیغ کے کام کا راستہ عرب اور اطرافِ عرب میں کھل گیا۔
- مُختلِف ممالک کے بادشاہوں اور مُختلِف قبائل کے سرداروں کو دعوتِ اسلام کے لیے خُطُوط لِکھے گئے ----- اور پھر ہزاروں کی تعداد میں لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہونے لگے
- خیبر کے یہودیوں کے خلاف بھرپور اور جاندار کارروائی شروع ہوئی۔
- مکے اور مدینے کا راستہ ہر راہی کے لیے بے خطر کھل گیا ----- باہر

کے تاجر بے خوف ہو کر مدینے آنے لگے۔

- مکہ کے مشرکین بھی تجارت کی غرض سے یا اپنے دوست و احباب کو ملنے کے لیے مدینے آنے لگے۔
- وہ کئی کئی روز مدینے میں قیام کرتے ---- مُسلمانوں سے ملتے ---- مُسلمانوں کے اخلاق، نیکو کاری، شرافت سے مُتاثر ہوتے اور پھر اسلام قبول کر لیتے ----
- ۶ھ ہجری ذوقعدہ کے مہینے میں صلح حدیبیہ ہوئی جس میں چودہ سو مُسلمان شریک تھے ---- اور اس کے صرف دو سال بعد رمضان ۸ھ میں فتح مکہ کے دن آپ کے ساتھ دس ہزار قدوسیوں کا لشکر تھا ---- جو فاتح بن کر مکہ مکرمہ میں پوری شان و شوکت سے داخل ہوئے ---- پھر اسے فتح مبین نہیں کہیں گے تو کیا کہیں گے؟

آپ کے پیغام بادشاہوں کے نام

اِسلام کی دعوت اگرچہ جزیرہ نما عرب میں پھیل چکی تھی ---- اب ۶ھ کے آخر میں آپ نے حدیبیہ سے واپسی پر مختلف بادشاہوں اور امراء کے نام خُطوط لکھ کر انھیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی ---- بادشاہ کسی کے خط کو بغیر مہر کے قبول نہیں کرتے تھے ---- چنانچہ اس کے لیے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی گئی جس پر محمد رسول اللہ تحریر تھا۔ (بخاری جلد ۲ صفحہ ۸۷۲)

عرب کی ایک چھوٹی سی ریاست مدینہ کی طرف سے دنیا کی سپر طاقتوں اور نامور بادشاہوں کو دعوتِ اسلام کے خُطوط تحریر کرنا ایک جرأت مندانہ اقدام بھی ہے اور حیرت انگیز واقعہ بھی۔

شاہ عمان کی طرف سیدنا عمرو بن العاص کے ذریعہ خط بھیجا -----

رئیس یمامہ کی طرف حضرت سلیط کے ذریعے ---- رئیس یمن کی طرف سیدنا مہاجر بن امیہ کے ذریعے ---- شاہِ مصر و اسکندریہ کی طرف سیدنا حاطب کے ذریعے ---- شاہ حبشہ کی طرف سیدنا عمرو بن امیہ کے ذریعہ آپؐ نے خُطُوط تحریر کیے۔

یاد رکھیے اس زمانے میں دنیا کی دو سپر طاقتیں تھیں ---- ایک سپر پاور رومی عیسائیوں کی تھی جن کے بادشاہ کو قیصر کہا جاتا تھا --- امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے دور میں روم کے قیصر کا نام ہرقل تھا۔

دوسری سپر پاور ایران کے مجوسیوں کی تھی ---- ان کے بادشاہو کو کسریٰ کہا جاتا تھا---- اس وقت کے کسریٰ ایران کا نام خسرو پرویز تھا۔

قیصرِ روم ہرقل کے نام خط حضرت دحیہ کلبی لے کر گئے ---- ہرقل اس وقت بیت المقدس میں تھا اور اتفاق سے ابوسُفیان بھی بیت المقدس میں تجارت کی غرض سے گئے ہوئے تھے۔ ہرقل نے نبی اکرمؐ کی صداقت، حسب و نسب، خاندان، پیروکار، جنگوں کی صورتِ حال، عہد و پیمان کے بارے ---- ابوسفیان سے ہی تصدیق کی تھی ---- تمام باتیں سن کر ہرقل کہنے لگا جو کچھ تم اس شخص کے بارے کہہ اور بتا رہے ہو اگر یہ صحیح ہے تو وہ عنقریب میرے اس تخت کا مالک بن جائے گا ----- پھر کہنے لگا:

لَوْ کُنْتُ عِنْدَہٗ لَغَسَلْتُ عَنْ قَدَمَیْہِ۔ اگر میں اُن کے پاس ہوتا تو ان کے پاؤں دھوتا۔ (بخاری جلد۱ صفحہ ۳۰)

ایران کے بادشاہ کے نام

ایک خط آپؐ نے ایران کے بادشاہ خسرو پرویز کے نام تحریر فرمایا ---- جسے حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ لے کر گئے ---- ایران کے مُتکبّر بادشاہ نے آپؐ کا مکتوب گرامی پڑھا اور اسے پھاڑ دیا ---- آپؐ کو اطلاع

ہوئی تو بد دعا کرتے ہوئے کہا:

"اَنْ يُمَزَّقُوا كُلَّ مُمَزَّقٍ"۔

"وہ بھی اسی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو کر پھٹ جائیں جس طرح انھوں نے میرے خط کو ٹکڑوں میں تقسیم کیا ہے"۔ (بخاری کتاب المغازی)

اللہ کے محبوب رسُول کی زبان مقدس سے نکلے ہوئے یہ الفاظ تیر بہدف ثابت ہوئے اور اسے اس کے بیٹے شیرویہ نے بھرے دربار میں قتل کر کے تخت پر قبضہ کرلیا--- اور پھر سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ایران پر چڑھائی ہوئی اور محمدؐ عربی کا جھنڈا لہرانے لگا۔

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے تحریر کردہ ان دعوتی خُطُوط کے جواب میں کُچھ بادشاہ اور امراء ایمان کی دولت سے مالا مال ہوئے اور کُچھ نے اس دعوت کو مسترد کردیا--- جنھوں نے مسترد کیا وہ کُچھ عرصے کے بعد تباہ و برباد ہوگئے اور جن خوش قسمت لوگوں نے اس دعوت کو مانا وہ تاریخ اسلام میں نامور اور زندہ ہوگئے---- ان خُطُوط کے جواب میں کسی نے دعوتِ اسلام کو قبول کیا یا نہیں کیا---- لیکن اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ اسلام پوری دنیا میں ایک معروف دعوت اور قوت بن کر ابھرا۔

غزوۂ خیبر

غزوۂ خیبر سے پہلے جتنی جنگیں مُسلمانوں نے لڑیں وہ مشرکین مکہ کے خلاف لڑی تھیں----

غزوۂ خیبر--- یہود کے خلاف پہلی جنگ تھی---- آپ سن چکے ہیں کہ مدینہ کے یہودی بنو نضیر جلا وطن ہو کر خیبر میں پناہ لے چکے تھے---- وہاں پہلے سے بھی یہودی آباد تھے اور بہت خوشحال تھے---- خیبر کا علاقہ کھجوروں کے باغات سے مالا مال تھا--- خیبر میں رہنے والے یہودیوں کو اپنی طاقت اور قوت پر بڑا ناز اور گھمنڈ تھا--- انھوں نے اپنی حفاظت کے لیے چودہ کے قریب قلعے تعمیر

کر رکھے تھے ۔۔۔۔۔ ان کے پاس تقریباً دس ہزار جنگجو بھی تھے۔

خیبر کے یہودیوں نے دوسرے قبائل سے رابطہ کر کے تقریباً بیس ہزار کے قریب فوج جمع کر لی اور مدینہ منورہ پر حملہ آور ہونے کی تدبیریں کرنے لگے۔

امام الانبیاء ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو لشکر اسلام کو خیبر کی طرف روانگی کا حکم دیا کہ بجائے اس کے کہ خیبر کے یہود مدینہ پر چڑھائی کریں، ہم ان کے گھر جا کر ان سے دو دو ہاتھ کر لیتے ہیں ۔۔۔۔ یہ محرم ۷ھ کا واقعہ ہے کہ چودہ سو سواروں اور دو سو پیادوں کے ساتھ آپؐ خیبر کی طرف روانہ ہوئے جو مدینہ منورہ سے ۱۸۱ کلومیٹر کے فاصلے پر شمالی جانب تھا ۔۔۔۔ اس غزوہ میں آپؐ نے شرط لگائی کہ غزوۂ خیبر میں ملنے والا مالِ غنیمت صرف اصحاب حدیبیہ کو عطا ہو گا۔

امام الانبیاءؐ خیبر کے قریب

امام الانبیاء ﷺ اپنے قدوسی ساتھیوں کے ہمراہ چلتے چلتے رات کے وقت خیبر کے قریب جا پہنچے اور یہود کو آپؐ کی آمد کی کانوں کان خبر نہ ہوئی ۔۔۔ صبح کے وقت یہود کے کچھ لوگ زراعت کے آلات لے کر کھیتی باڑی کے لیے باہر نکلے ۔۔۔۔ انھوں نے جونہی باہر کا ہیبت ناک منظر دیکھا تو چیخ اٹھے :

مُحَمَّدٌ وَاللهِ مُحَمَّدٌ وَالْخَمِيسُ (بخاری باب غزوہ خیبر)

”محمد آ گئے، اللہ کی قسم محمد اپنے لشکر سمیت آ گئے“۔

امام الانبیاء ﷺ نے سنا تو فرمایا :

”اَللهُ اَكْبَرُ خَرِبَتْ خَيْبَرُ“

”اللہ بہت بڑا ہے خیبر کی تباہی کا وقت آ پہنچا“۔

(مسلم باب غزوہ خیبر)

یہود بھاگ کر قلعوں میں قلعہ بند ہونے لگے ---- آپؐ نے قلعوں کا محاصرہ کرلیا---- یہ مُختَلِف قلعے تھے جو مُختَلِف صحابہ کے ہاتھوں فتح ہوئے۔

قلعہ ناعم حضرت محمد بن مُسلمہ نے فتح کیا---- قلعہ صعب کو اور قلعہ ابی بن معاذ کو حضرت حبابؓ بن منذر نے فتح کیا----

ایک کے بعد دوسرا قلعہ فتح ہوتا چلا گیا---- آخر میں قلعہ قموص کا محاصرہ ہوا----- کئی حملے کیے گئے مگر قلعہ قموص فتح نہ ہوا۔

بیس دن تک اس قلعے کا محاصرہ رہا اور لگاتار حملے ہوتے رہے---- کئی صحابہ کرام کو علم عطا کر کے بھیجا گیا مگر ہر دفعہ ناکامی کا مُنھ دیکھنا پڑا۔

قلعہ قموص اور سیدنا علیؓ

ایک دن آپؐ نے فرمایا: کل میں جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جس کے ہاتھوں اللّٰہ فتح عطا فرمائے گا۔ وہ شخص اللّٰہ اور اس کے رسُول سے محبت کرتا ہے اور اللّٰہ اور اس کا رسُول اس شخص سے محبت کرتے ہیں۔

تمام صحابہ کرام نے یہ رات اضطراب میں گزاری --- ہر شخص کی خواہش تھی کہ یہ خوش نصیب شخص میں ہوں ---- یہ عظمت مجھے ملنی چاہیے --- ہر شخص آس لگائے بیٹھا تھا کہ آپؐ نے فرمایا:

اَینَ عَلِیُّ بنُ اَبِی طَالِبٍ

ابوطالب کا بیٹا علیؓ کہاں ہے؟۔

بتایا گیا ان کی آنکھیں خراب ہیں اور اپنے خیمہ میں ہیں ---- فرمایا انھیں میرے پاس لاؤ--- اللّٰہ کے رسول نے اپنا لعابِ دہن ان کی آنکھوں پر لگایا اور دعا فرمائی ---- فوراً ہی حضرت علیؓ کی آنکھیں ایسی درست ہو گئیں جیسے کبھی خراب تھیں ہی نہیں۔ (بخاری جلد صفحہ ۶۰۵، مُسلم جلد ا صفحہ ۵۲۵)

پھر آپؐ نے جھنڈا حضرت علیؓ کو تھمایا ---- اور سمجھایا کہ سب سے

پہلے اسلام کی دعوت دینی ہے۔۔۔۔۔ نہ مانیں تو پھر تلوار چلانی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ جھنڈا تھام کر گئے۔۔۔۔۔ ہدایت نبوی کے مطابق دعوتِ اسلام دی۔۔۔۔۔ یہودیوں نے اسے مسترد کر دیا۔۔۔۔۔ اور یہودی فوج کا رئیس مرحب مقابلے کے لیے باہر آیا۔۔۔۔۔ حضرت علیؓ آگے بڑھے اور تلوار کے ایک ہی وار سے مرحب کو ڈھیر کر دیا۔

عام مؤرخین نے یہ بات اسی طرح تحریر کی ہے کہ مرحب کے قاتل سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔ مگر سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۳۳۳، البدایہ و النہایہ جلد ۴ صفحہ ۱۸۹، ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۲۱۹ نے لکھا کہ مرحب کو حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا اور مرحب کی تلوار نیزہ اور اس کا خود۔۔۔۔۔ نبی اکرم نے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا تھا۔۔۔۔۔ واللہ اعلم بالصواب

مگر مستدرک حاکم جلد ۲ صفحہ ۳۹ اور صحیح مسلم کی روایت کے مطابق سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہی مرحب کو واصل جہنم کرنے والے ہیں اور یہی بات درست معلوم ہوتی ہے۔

قلعہ قموص کی فتح کے بعد قلعہ کا دروازہ توڑ کر مسلمانوں کا لشکر یہود پر ٹوٹ پڑا۔۔۔۔۔ اور اس طرح اللہ رب العزت نے لشکر اسلام کو فتح سے ہم کنار کر دیا۔۔۔۔۔ بہت سا مالِ غنیمت ہاتھ لگا۔۔۔۔۔

یہود کی درخواست

خیبر کے اس معرکے میں سولہ صحابہ کرام نے جامِ شہادت نوش فرمایا۔۔۔۔۔ اور تقریباً ترانوے یہودی صحابہ کرام کے ہاتھوں واصلِ جہنم ہوئے۔

فتح خیبر کے بعد یہود نے آپؐ سے ہاتھ جوڑ کر درخواست کی کہ خیبر کی سرسبز و شاداب زمینیں ان ہی کے قبضے میں رہنے دی جائیں۔۔۔۔۔ وہ زمینوں کی پیداوار کا نصف حصہ مسلمانوں کو ادا کر دیا کریں گے۔۔۔۔۔ آپؐ نے یہود کی اس

درخواست کو منظور فرمالیا۔

چنانچہ جب بھی کسی فصل کی کٹائی کا وقت آتا تو آپؐ اپنے صحابی حضرت عبداللہ بن رواحہ کو خیبر روانہ فرماتے اور وہ عدل و انصاف سے پیداوار کو دو حصوں میں تقسیم کرتے اور پھر یہودیوں کو کہتے ---- ان دونوں میں سے جو حصہ تم پسند کرتے ہو وہ لے لو۔

حضرت جعفر طیارؓ اور ساتھیوں کی آمد

فتح خیبر کے بعد آپ ابھی خیبر ہی میں تھے

کہ سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ تقریبًا ایک سو ساتھیوں کے ساتھ حبشہ سے خیبر پہنچے ---- حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی حبشہ میں نجاشی کے دربار میں ولولہ انگیز خطاب اور خدمات کا تذکرہ میں گزشتہ خُطبات میں کرچکا ہوں۔

حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے آنے پر آپؐ بے حد مسرور ہوئے ---- آپؐ نے ان کا پرتپاک استقبال فرمایا ---- ان کا مُنھ اور سر چوم کر فرمایا: میں نہیں جانتا کہ مجھے خیبر کی فتح کی خوشی زیادہ ہے یا جعفر طیار کے آنے کی۔

(بخاری جلد ا صفحہ ۴۴۳)

سردار زادی نبوت کے نکاح میں

خیبر کی قیدی عورتوں میں ایک عورت کا نام صفیہ تھا ----

یہودیوں کے سردار حُیَیّ بن اخطب کی بیٹی تھی ---- اس کے شوہر کا نام کنانہ تھا جو خیبر میں قتل ہو گیا تھا ---- امام الانبیاء صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے صفیہ کو آزاد کردیا اور ان سے نکاح کر کے ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بنا دیا ---- دوران سفر ہی آپؐ نے دعوتِ ولیمہ کا اہتمام فرمایا ---- ام المومنین حضرت صفیہ کو اونٹ پر سوار کرتے ہوئے آپؐ نے اپنا گھٹنا پھیلایا اور ام المومنینؓ آپؐ کے گھٹنے پر پاؤں رکھ کر اونٹ پر سوار ہو گئیں۔ (بخاری باب غزوہ خیبر، مسلم کتاب النکاح)

یہودن نے زہر دے دیا

فتح خیبر کے بعد آپؐ نے چند روز خیبر ہی میں قیام فرمایا ---- ایک یہودن عورت زینب بنت حارث نے آپؐ کی دعوت کی اور بکری کے بھنے ہوئے گوشت میں زہر ملا دیا ---- آپؐ نے گوشت کو چکھتے ہی کھانے سے ہاتھ روک لیا ---- اور فرمایا: "یہ گوشت بتاتا ہے کہ اس میں زہر ملا ہوا ہے"۔

ایک صحابی بشر بن براء بھی کھانے میں آپؐ کے ساتھ شریک تھے ----- انھوں نے زہر آلود لُقمہ نگل لیا تھا۔

زینب کو بلایا گیا --- باز پرس کرنے پر کہنے لگی ---- میں نے سالن میں زہر ملایا ہے ---- اس لیے کہ اگر آپؐ (معاذاللہ) جھوٹے ہیں تو آپؐ کا ختم ہوجانا ہی بہتر ہے ---- اور اگر آپؐ سچے ہیں تو پھر سچا اللہ آپؐ کو زہر آلود گوشت کھانے نہیں دے گا۔

یہودن کے اقرار جرم کے باوجود آپؐ نے اسے کوئی سزا نہیں دی ---- لیکن بعد میں جب حضرت بشر اس زہر کھانے کی وجہ سے شہید ہوگئے تو آپؐ نے زینب کو حضرت بشر کے وارثوں کے حوالے کردیا، جنھوں نے زینب کو قصاص میں قتل کردیا۔

بخاری کتاب الطب میں ایک روایت ہے کہ: زہر آلود کھانا تیار کرنے کا منصُوبہ صرف ایک عورت کا نہیں تھا بلکہ یہ تمام یہودیوں کا طے شدہ منصُوبہ تھا۔

اِس زہر کا اثر آپؐ اس کے بعد برابر محسُوس فرماتے رہے ---- یہاں تک کہ انتقال سے پہلے ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا ---- جو زہر خیبر میں مجھے دی گئی تھی آج اس کے اثرات سے میرا اندر کٹ رہا ہے۔

عالم الغیب کون؟

سامعین گرامی قدر! ایک لمحہ کے لیے یہاں غور کرنے کے لیے رُکیے ---- اور میرے ایک سیدھے سادھے سوال کا امانت و دیانت سے جواب دیجیے ---- کیا امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو علم تھا کہ یہودن نے سالن میں زہر ملایا ہے ---- کیا آپ اپنے سامنے رکھے ہوئے سالن کی حقیقت کو جانتے تھے کہ یہ زہر آکود ہے؟ ---- اگر آپ لوگوں کا جواب اثبات میں ہے ---- ہاں میں ہے ----

تو پھر میرا دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا جان بوجھ کر زہر آکود سالن کھانا جائز ہے ---- پھر حضرت بشر کی شہادت کا ذمہ دار کون ہے؟۔

اللہ کا واسطہ دے کر کہوں گا ---- یہ بڑا پیچیدہ اور مُشکل سوال ہے ---- جواب ذرا سوچ کر دیجیے اور ہماری بات مان لیجیے کہ امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو ---- زندہ پیغمبر کو ---- سوئے ہوئے بھی نہیں --؟؟-- پیغمبر کو ---- اور پیغمبر بھی کائنات کا سرتاج ---- پیغمبر بھی تمام مخلوقات کا امام ---- انھیں نہ تو یہودن کے زہر ڈالنے کا علم تھا ---- اور نہ اپنے سامنے پڑے ہوئے کھانے میں ملے ہوئے زہر کا علم تھا ---- اور جِسے اتنا علم اور پتا نہ ہو وہ عالم الغیب، حاضر و ناظر نہیں ہوتا ---- علم غیب صرف اور صرف اللّٰہ رب العزت کی صفت ہے ---- قرآن کی مُتعدد آیات اس پر شاہد اور گواہ ہیں۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی سو گئے

خیبر سے واپسی پر ---- خیبر میں پڑاؤ کی تھکاوٹ اور مسلسل سفر کی وجہ سے ایک رات پڑاؤ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا: ---- ہم سب لوگ بہت تھکے ہوئے ہیں ---- کہیں ایسا نہ ہو کہ سوتے ہی رہیں اور صبح کی نماز بھی قضا ہو جائے۔

سیدنا بلال رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کہنے لگے: آپ سب سو جائیں ---- صبح نماز کے لیے جگانا میرے ذمے رہا۔ سب صحابہ بھی اور امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم بھی سو گئے

اور بلالؓ نوافل میں مشغول ہو گئے ---- عین صبح صادق کے وقت کجاوے سے ٹیک لگا کر اور مشرق کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئے ---- یوں بیٹھنا تھا کہ بلالؓ کی بھی آنکھ لگ گئی۔

پھر نہ امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم جاگے ---- نہ اصحاب رسولؐ کی آنکھ کھلی اور نہ بلالؓ بیدار ہوئے ---- حَتّٰی طَلَعَتِ الشَّمْسُ ---- یہاں تک کہ سورج چڑھ گیا ---- اور دھوپ کی تپش اور تمازت ان کے چہروں پر پڑی ---- سب سے پہلے امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی آنکھ کھلی ---- یہ منظر دیکھ کر آپؐ پریشان ہو گئے اور بلالؓ کو آواز دینے لگے۔

یَا بِلَالُ اَیْنَ مَا قُلْتَ ---- اے بلال کہاں رہ گئے ہو ---- جو تو نے کہا تھا (کہ میں جگاؤں گا) وہ کہاں گیا۔

سیدنا بلالؓ نے کہا ---- جس اللہ نے آپؐ کو بھلا دیا اسی اللہ نے مجھے بھی سلا دیا ---- اور آج جیسی گہری نیند تو پہلے کبھی نہیں آئی۔

یہ سن کر آپؐ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ قَبَضَ اَرْوَاحَکُمْ حِیْنَ شَآءَ وَ رَدَّھَا عَلَیْکُمْ حِیْنَ شَآءَ

بے شک اللہ رب العزت تمھاری روحوں کو جب چاہتا ہے قبضے میں کر لیتا ہے اور جب چاہتا ہے ان روحوں کو تمھارے جسموں میں لوٹا دیتا ہے۔

(بخاری کتاب مواقیت الصلوۃ، مسلم کتاب مواضع الصلوۃ، ابوداؤد، ترمذی)

ایک اہم مسئلہ

سامعین گرامی قدر! یہاں ایک لمحہ کے لیے رکیے اور غور فرمائیے ---- امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور تمام صحابہ کرام ---- سوئے ہوئے ہیں ---- مگر ان سب کو ارد گرد ہونے والے حالات و واقعات کا کوئی علم نہیں ہے ---- امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو یہ علم نہیں تھا کہ بلالؓ جو کچھ کہہ رہا ہے ---- اس پر بلالؓ پورا نہیں

اتر سکتا ---- خود بلالؓ بھی نیند کی آغوش میں چلا جائے گا ---- ہماری نماز قضا ہوجائے گی ---- سوئے ہوئے نبیؐ کو ---- صرف نبی نہیں امام الانبیاء ---- خاتم الانبیاء ---- رحمۃ لِّلعالمین ---- محبوبِ رب العالمین کو سوتے ہوئے اردگرد کے حالات کا علم نہیں ---- تو وفات کے بعد ہر ہر چیز کو جاننا ---- ہر ایک کی بات کو سُننا ---- قبرِ مقدس پر آنے والوں کو پہچاننا اور دیکھنا ---- یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے؟۔

ادائے عمرہ

صلح حدیبیہ میں یہ شرط رکھی گئی تھی کہ مُسلمان اس سال بغیر عمرہ کیے واپس چلے جائیں، اور آئندہ سال عمرہ کی غرض سے آئیں ---- مگر اس طرح کہ ان کی تلواریں میانوں کے اندر رہوں۔

۷ھ ذی العقدہ کے مہینے میں امام الانبیاء ﷺ تقریباً دو ہزار قدوسیوں کے ساتھ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے ---- مُسلمانوں کے دل آج مسرور تھے، بیت اللہ کا طواف کریں گے ---- سات سال کے بعد اس شہر کو دیکھیں گے ---- جس کے ساتھ بچپن اور جوانی کی یادیں وابستہ ہیں ---- اپنے آبائی مکان اور گھر دیکھیں گے ---- ماضی کی خوشگوار تلخ یادیں تازہ ہوں گی۔

روایات میں آتا ہے کہ مشرکین نے آپؐ کے چہرۂ پُر انوار کو دیکھنے کے لیے لائن لگا رکھی تھی ---- پھر یہ مشرکین مکہ مکرمہ کو خالی کرکے ادھر ایک پہاڑی پر جا بیٹھے کہ وہاں سے مُسلمانوں کے طواف کا منظر دیکھیں گے ---- امام الانبیاء ﷺ اپنی قصوا نامی اونٹنی پر سوار تھے ---- حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اونٹنی کی مہار پکڑے آگے آگے چل رہے تھے ---- جانثاروں نے اونٹنی کو اپنے حصار میں لے رکھا تھا۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ جو شاعر بھی تھے اور بلند آواز بھی ----

یہ شعر جھوم جھوم کر پڑھ رہے تھے :

خَلُّوْا بَنِي الْكُفَّارِ عَنْ سَبِيْلِهٖ اَلْيَوْمَ نَضْرِبْكُمْ عَلٰى تَنْزِيْلِهٖ

اے کافروں کی اولاد امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا راستہ چھوڑ دو ---- ورنہ اللہ کے حکم سے ہم تمھیں ماریں گے۔

آپ عبداللہ بن رواحہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کے اشعار سن کر مسرور ہو رہے تھے ---- پھر آپؐ نے فرمایا: ان اشعار کی جگہ یہ کہو:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ نَصَرَ عَبْدَهٗ وَاَعَزَّ جُنْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ

اللہ اکیلے کے سوا کوئی معبود نہیں اسی نے اپنے بندۂ کامل (محمدؐ) کی مدد فرمائی اور اس کے لشکر کو عزت بخشی اور کفار کے تمام گروہوں کو اس اکیلے اللہ نے شکست دی۔

عبداللہ بن رواحہ نے ان کلمات کو پڑھنا شروع کیا ---- ان کے ساتھ آواز سے آواز ملا کر صحابہ کرام نے بھی یہ کلمات دہرانے شروع کر دیے ---- ان کی آواز سے مکہ کی فضا گونج اٹھی اور پہاڑوں پر چڑھے ہوئے مشرکین کے دل ہیبت و خوف سے کانپنے لگے۔

مشرکین نے ایک دوسرے سے کہا: ---- مدینہ کے بخار نے اور آب و ہوا نے مُسلمانوں کو کمزور کر دیا ہے۔ اس لیے آپؐ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ طواف کے پہلے تین چکر دوڑ کر اور پہلوانی چال چل کر لگائیں، تاکہ مشرکین مُسلمانوں کی جسمانی قوت و طاقت کا مشاہدہ کر لیں۔

(بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۱۸، مُسلم جلد ۱ صفحہ ۴۱۲)

تین دن مکہ مکرمہ میں رہ کر آپ اسی شان و شوکت سے رخصت ہوئے جس شان و شوکت سے داخل ہوئے تھے۔ آپؐ قصوا اونٹنی پر سوار تھے اور آپ کے اردگرد اور آگے پیچھے ایسے دو ہزار قدسیوں کا جم غفیر تھا جن کے تقدس کی

فرشتے بھی قسم کھاتے ہیں۔

اسی عمرۃ القضاء کے موقع پر آپ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے ان کی درخواست اور خواہش پر شادی فرمائی۔

بخاری میں ہے کہ جب اللہ کے رسُول مکہ مکرمہ سے نکل رہے تھے تو سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی امامہ جو ابھی تک مکہ میں تھیں چچا چچا کہتی ہوئی آپ کے پاس آ گئی --- سیدنا علیؓ نے آگے بڑھ کر گود میں اٹھا لیا --- سیدنا زید بن حارثہ اور سیدنا جعفر طیار بھی موجود تھے ---- جھگڑا یہ ہوا کہ اس یتیم بچی کی پرورش کس کے سپرد ہو ---- تینوں میں سے ہر ایک دلائل کے ساتھ اپنا اپنا استحقاق ثابت کرنے لگا۔

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے تینوں کی باتیں سن کر فرمایا: "میں اس کو جعفرؓ کے سپرد کرتا ہوں، کیونکہ جعفرؓ کی بیوی اس بچی کی خالہ ہے اور خالہ ماں کے برابر ہوتی ہے"۔

اس عمرۃ القضاء سے اللہ رب العزت نے اپنا وعدہ پورا فرما دیا۔

﴿ لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ﴾ (الفتح ۴۸: ۲۷)

"اللہ نے اپنے نبی کا برحق خواب سچا کر دکھایا کہ اللہ نے چاہا تو تم ضرور مسجد الحرام میں امن کے ساتھ داخل ہو گے"۔

عمرو بن العاص اور خالد بن ولید اسلام کی گود میں

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب رسُول نے جو تین دن مکہ میں گزارے تھے ---- اس کے اثرات جو مرتب ہوئے بہت جلد اس کے نتائج برآمد ہونے لگے ---- مکہ کے مشہور جرنیل اور

کمانڈر خالد بن ولید --- مکہ کے عظیم دانشور اور مدبر عمرو بن العاص اور بیت اللہ کے کنجی بردار عثمان بن طلحہ ایک ہی دن ---- مدینہ منورہ میں حاضر ہو کر دولت ایمان سے مالا مال ہوئے۔

امام الانبیاء صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے اس موقع پر فرمایا : ---- آج مکہ نے اپنے جگر گوشوں کو ہمارے حوالے کیا۔ سیدنا خالد بن ولید اور سیدنا عمرو بن العاص ---- دونوں اکٹھے مسلمان ہوئے ----- اور پھر یہ دونوں میدانِ جنگ کے ایسے مرد میدان ثابت ہوئے کہ جدھر کا رخ کیا پرچم اسلام لہراتے چلے گئے ----- جہاں گئے فتح نے ان کے قدم چومے ---- ایک سیف اللہ کے لقب سے سرفراز ہوا اور دوسرے کے سر پر فاتحِ مصر کا سہرا سجایا گیا۔ رضی اللہ عنہم اجمعین

سیرت امام الانبیاء صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے آگے کے واقعات ان شاء اللہ آئندہ جمعۃ المبارک کے خطبہ میں بیان کروں گا۔

وما علینا الا البلاغ المبین

سیرت خاتم الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿ اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا ○ لِّیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِکَ وَ مَا تَاَخَّرَ وَ یُتِمَّ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکَ وَ یَهْدِیَکَ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا ○ ﴾

بے شک ہم نے آپؐ کو ایک کھلم کھلا فتح دی ہے تاکہ آپؐ کی لغزشیں جو آگے ہوئیں اور جو پیچھے ہوئیں سب کو اللہ معاف فرمائے اور تجھ پر اپنا احسان پورا کردے اور چلائے تجھ کو سیدھی راہ اور اللہ تیری زبردست مدد کرے۔ (سورۃ الفتح ۴۸ : ۱۔۲)

سامعین گرامی قدر! ۶ھ میں پیش آنے والے اہم اور ضروری واقعات گزشتہ خطبات میں ---- میں بیان کرچکا ہوں۔

آج کے خطبے میں ۸ھ میں پیش آنے والے واقعات ---- سیرت امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے حوالے سے بیان کرنا چاہتا ہوں ---- اللہ رب العزت اپنے فضل و کرم سے مجھے بیان کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

غزوۂ موتہ

آپ سن چکے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے بعد امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مُختَلِف ممالک کے سربراہوں اور صوبوں کے گورنروں کو دعوتی خُطُوط بھیجے تھے ---- بصریٰ کے حاکم کو جو خط بھیجا گیا وہ حضرت حارث بن عمیر ازدی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ لے کر گئے تھے ---- بصریٰ کا حاکم عیسائی تھا اس نے آپؐ کا خط پڑھ کر حضرت حارث کو قتل کروا دیا ---- بین الاقوامی روایت کے مطابق ایک سفیر کا قتل بہت بڑی زیادتی اور جارحیت تھی ---- آپؐ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آپ پر یہ بات بہت گراں گزری اور آپؐ سخت پریشان اور مغموم ہوئے۔

علاوہ ازیں مُختَلِف قرائن کے ذریعہ معلوم ہو رہا تھا کہ شام کی فوجیں پیش قدمی کر کے مدینہ پر حملہ آور ہونا چاہتی ہیں ---- مشرکین مکہ سے صلح اور پھر مُسلمانوں کا دبدبہ اور شان و شوکت کو شام کے عیسائی اپنے لیے خطرہ سمجھنے لگے ---- انھوں نے ارادہ کیا کہ مدینہ کی اٹھنے والی اس طاقت کو یہیں کُچل دیا جائے۔

اپنے سفیر حضرت حارث رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کے بدلہ لینے کے لیے اور شام کی قوت کو جواب دینے کے لیے تین ہزار صحابہ کرم پر مُشتمل ایک لشکر تیار کیا گیا ---- یہ جمادی الاولیٰ ۸ھ کا واقعہ ہے۔

اس لشکر میں بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ موجود تھے ---- امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے چچازاد بھائی ---- نجاشی کے دربار کا ہیرو، سیدنا جعفر بن ابی طالب رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ بھی موجود تھے ---- سیدنا عبداللہ بن رواحہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ جیسے اعلیٰ شخصیت کے حامل موجود تھے ---- سیدنا خالد بن ولید رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ موجود تھے ---- مگر اس عظیم اسلامی لشکر کی سرداری اور کمان کس کے سپرد ہوئی؟ ---- اس کے لیے آپؐ نے اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ کو مُنتخب کر کے مساوات و اخوتِ اسلامی کی اعلیٰ روایت قائم فرمائی۔

آپؐ نے حضرت زیدؓ کو سفید جھنڈا عطا فرمایا اور چند ہدایات بھی دیں۔
سب سے پہلے ان لوگوں کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کرنا ---- اگر انکار کریں تو جزیے کا مطالبہ کرنا ---- اگر اسے بھی نہ مانیں تو اللہ رب العزت سے مدد طلب کرتے ہوئے جنگ کرنا ---- اور جنگ میں بھی کسی بچے، عورت اور عمر رسیدہ بوڑھے کو قتل نہ کرنا ---- گرجوں میں رہنے والے تارک الدنیا کو قتل نہ کرنا ---- کوئی درخت نہ کاٹنا اور کسی عمارت کو نہ گرانا۔

اگر زید بن حارثہ شہید ہوجائیں تو کمان جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دی جائے ---- اگر وہ بھی جامِ شہادت پی لیں تو سرداری اور کمان عبداللہ بن رواحہ کے سپرد کی جائے ---- اور اگر وہ بھی رخصت ہوجائیں تو آپس کے مشورہ سے جسے مناسب سمجھنا اپنا امیر اور قائد منتخب کرلینا۔

زید بن حارثہ کی قیادت میں تین ہزار جانثار صحابہ کا لشکر امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں سے ---- مدینہ سے رخصت ہوا اور چلتے چلتے شام میں ایک آبادی ---- جس کا نام "موتہ" ہے، وہاں پہنچ گیا ---- وہاں جاکر معلوم ہوا کہ تقریباً دو لاکھ رومی فوجی ---- ٹریننگ یافتہ فوجی مقابلے کے لیے تیار ہیں ---- حضرت زید اور پورا لشکر پریشان و حیران ہوگیا ---- ان کے تصور میں بھی نہیں تھا کہ مقابلے میں اتنا بڑا اور مسلح لشکر آجائے گا ---- اب کیا کیا جائے؟ کیا حکمتِ عملی اپنائی جائے؟ کچھ کا خیال بنا مدینے اطلاع دی جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کا انتظار کیا جائے۔ کیونکہ دو لاکھ مسلح فوج سے تین ہزار مجاہدین کا ٹکرانا کچھ عجیب سا معلوم ہوتا ہے۔

ابن رواحہ نے روح پھونک دی

ابھی مسلمانوں کے مابین یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ جو بہادری میں بے مثال، شعر و شاعری میں یکتا

اور فصاحت و بلاغت میں عدیم النظیر تھے ---- انھوں نے پر جوش تقریر کر کے لشکر میں بہادری و شجاعت اور تمناء شہادت کی روح پھونک دی۔

انھوں نے کہا:

ہمیں دشمن کی قلت اور کثرت کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے ---- ہمیں تو اللہ کے راستے میں جہاد کرنا چاہیے۔ دو سعادتوں میں سے ایک سعادت تو ہمیں ضرور ملے گی یا فتح ہوگی یا شہادت کا رتبہ نصیب ہوگا ---- جس رتبہ کی تمنا دل میں لیے ہوئے ہم گھروں سے نکلے ہیں ---- اس لیے اٹھو اور آگے بڑھو۔ (ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۳۷۳)

تمام لشکر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی بات سے متفق ہو گیا ---- اور تین ہزار کی یہ جماعت دشمن کے دو لاکھ کے مسلح لشکر سے ٹکرانے کے لیے پوری طرح تیار ہو گئی ---- حضرت زید بن حارثہؓ نے لشکر کی صف بندی کی ---- اور پھر دنیا نے دیکھا کہ ایمان اور طاقت کا مقابلہ ہوا ---- اور تین ہزار کے معمولی لشکر نے دو لاکھ کے لشکر جرار کا کس دلیری ---- بہادری سے مقابلہ کیا کہ دنیا والوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

حضرت زید بن حارثہؓ شہید ہو گئے تو آگے بڑھ کر اسلام کا علم حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سنبھال لیا ---- ۳۷ سال کے قوی ہیکل جوان تھے ---- دشمن کی فوج میں گھس گئے ---- ہر طرف سے گھر گئے تو گھوڑے سے اتر پڑے ---- وار کرتے بھی تھے اور روکتے بھی تھے ---- پھر ان کا دایاں ہاتھ کٹ گیا ---- ان کا بایاں ہاتھ بھی کٹ گیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میں غزوۂ موتہ میں شریک تھا ---- ہم نے سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی لاش کو تلاش کیا ---- تو دیکھ کر حیران ہو گئے کہ ان کے جسم پر تلوار اور نیزے کے نوے زخم تھے۔ وہ

سب کے سب سامنے کے حصے پر تھے، پُشت کی طرف کوئی زخم نہیں تھا۔

(بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۱۱)

سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کے بعد سیدنا عبداللہ بن رواحہ نے پرچم ہاتھ میں لے لیا ---- گھوڑے پر سوار تھے ---- آگے بڑھے، اپنے آپ کو مقابلہ کے لیے آمادہ کرنے لگے ----- کچھ تردد ہوا ---- پھر فوراً گھوڑے سے اترے اور دشمن کی صفوں میں گھس گئے اور لڑتے لڑتے جامِ شہادت نوش فرمایا۔

علم سیف اللہ کے ہاتھ میں

مُسلمانوں نے فوج کی کمان اور سرداری حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے سپرد کی ---- حضرت خالد بن ولید اپنے لشکر کی تعداد اور اسلحہ کی کمزوری سے بے خبر نہیں تھے ---- مگر وہ فوج کو لڑانے کے ماہر اور جنگی چالیں چلنے میں اپنی مثال آپ تھے ------ آپ نے فوج کو نئے سرے سے ترتیب دیا اور غروبِ آفتاب تک پرزور طریقے سے مقابلہ جاری رکھا۔

رات کے وقت سیدنا خالد نے ایک جنگی چال چلی کہ فوج کی کچھ تعداد کو میدان جنگ سے پیچھے کچھ فاصلے پر چھوڑ دیا ----- صبح کے وقت جب جنگ جاری تھی ---- تو یہ دستہ نعرے لگاتا ہوا میدانِ جنگ میں آکر مُسلمانوں سے مل گیا ---- دشمن نے سمجھا کہ مُسلمانوں کو مدینے سے کمک پہنچ گئی ہے ---- وہ پہلے ہی مُسلمانوں کی دیدہ دلیری، بہادری، شجاعت و مردانگی سے حیران تھے ---- نئی کمک کے خیال آنے سے ان کے دل دہل گئے ---- اور جب دل دہل جائیں تو پھر پاؤں ہلنے میں زیادہ دیر نہیں لگتی۔

ادھر خالد بن ولید کے منظم حملوں نے انھیں پریشان کر رکھا تھا --- غزوہ موتہ میں حضرت خالد کے ہاتھ سے نو تلواریں ٹوٹ گئی تھیں۔ (بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۱۱)

غزوہ موتہ عجیب جنگ تھی

غزوۂ موتہ کا نقشہ مدینے میں

---- درمیان کے پردے ہٹاکر اللہ رب العزت امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو مدینہ منورہ میں جنگ کا پورا نقشہ دکھا رہا تھا---- اور آپؐ صحابہ کرامؓ کو بتا رہے تھے----- کہ جھنڈا زید بن حارثہ کے ہاتھ میں ہے----- انھوں نے کفار سے خوب جنگ کی----- پھر وہ شہید ہوگئے اور جنت میں داخل ہوگئے----- زید کے بعد میرے بھائی جعفرؓ نے علم اٹھایا---- اور خوب جنگ کی---- حتی کہ شہید ہو گیا---- اور جعفر جنت میں فرشتوں کے ساتھ دو بازوؤں کے ساتھ اڑتا پھرتا ہے۔

پھر جھنڈا عبداللہ بن رواحہ نے سنبھالا اور کفار کے خلاف لڑنے کا حق ادا کردیا۔ اور وہ بھی شہید ہوگیا۔ پھر آپؐ نے فرمایا---- ان تینوں کے بعد سَیْفٌ مِنْ سُیُوْفِ اللّٰہِ ---- اللہ کی تلواروں میں سے ایک ایک تلوار نے ---- یعنی خالد بن ولید نے علم سنبھالا----- اور پھر اللہ تعالیٰ نے رومیوں کے مقابلے میں مسلمانوں کو فتح سے ہم کنار کردیا۔ (بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۱۱)

مسند احمد کی روایت میں ہے کہ امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنی دو انگلیوں کو بلند کرکے اللہ کے حضور عرض کیا:

اَللّٰھُمَّ ھُوَ سَیْفٌ مِنْ سُیُوْفِكَ فَانْصُرْہُ (مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۲۹۹)

اے اللہ خالد تیری تلواروں میں سے ایک تلوار ہے اس کی مدد فرما۔

سامعینِ گرامی قدر! امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنے تینوں کمانڈروں کی شہادت کی خبر سناتے ہوئے فرمایا کہ وہ جنت میں داخل ہوگئے ---- اپنے بھائی حضرت جعفر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کے بارے میں فرمایا---- جنت میں فرشتوں کے ساتھ ---- نورانی پروں کے ساتھ اڑ رہا ہے[1] ---- آپؐ کے

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۲۰۹

اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ شہید کی زندگی اور حیات ---- اس دنیا والے جسم کے ساتھ دنیا والی قبر میں نہیں ہوتی بلکہ شہید کی زندگی ---- روحانی اور برزخی ہے جو جنت میں حاصل ہے ---- جس کی طرف اشارہ فرمایا ----- بَلْ اَحْيَآءٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ----- وہ زندہ تو ہیں مگر تمھیں ان کی زندگی کا شعُور نہیں۔

غزوۂ موتہ کے یہ مجاہدین ---- دو لاکھ کے مسلح لشکر کو شکست دے کر اور فتح و کامیابی کے ساتھ واپس مدینہ تشریف لائے تو آپؐ نے مدینہ منورہ میں رہنے والے لوگوں سے فرمایا:

سب کے سب نکلو اور اپنے مجاہد بھائیوں کا استقبال کرو---- مدینے کا کوئی ایک شخص بھی پیچھے نہ رہنے پائے ---- سخت گرمی کے موسم میں مدینے کے مُسلمان ---- کچھ پیدل اور کچھ سواریوں پو سوار ہو کر مدینہ سے باہر مجاہدین کے استقبال کے لیے پہنچے۔ (مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۲۹۹)

الفتح الاعظم یعنی فتح مکّہ

غزوۂ موتہ کی عالم عرب میں پروپیگنڈے کے ذریعہ یہ شہرت ہوئی کہ مُسلمانوں کو کوئی خاطر خاہ فائدہ نہیں ہوا۔ بلکہ کچھ لوگ کہنے لگے کہ مُسلمانوں نے میدان جنگ سے بھاگ کر جان بچائی ہے۔

قُریشِ مکہ جو مُسلمانوں کی طاقت سے مرعوب تھے ---- اور حدیبیہ کی صلح پر راضی ہوئے تھے ----- وہ بھی غزوۂ موتہ کو مسلمانوں کی شکست سے تعبیر کر رہے تھے اور چاہتے تھے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ختم ہوجائے تو ہم مُسلمانوں کی طاقت کو کسی طور پر ختم کر کے رکھ دیں ----- اب تو رُوم کی جنگجو فوج بھی ہمارے ساتھ ہوگی ----

حدیبیہ کے معاہدے کو توڑنا ---- فتح مکہ کا سبب بن گیا۔

معاہدہ حدیبیہ کی خلاف ورزی

میں بیان کرچکا ہوں کہ حدیبیہ کے معاہدے میں یہ طے پایا تھا کہ عرب کے مُختلف قبیلے جو آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہیں ---- مُسلمانوں یا قریش میں سے جس کے طرف دار اور حلیف بننا چاہیں ---- بن سکتے ہیں۔

عرب کا ایک قبیلہ بنو خزاعہ مُسلمانوں کا حلیف بن گیا اور ان کے مخالف قبیلہ بنو بکر نے قریش کا حلیف بننا پسند کیا ---- اس طرح ان دونوں قبیلوں میں جاری جنگ اور خونریزی بھی دب گئی۔

اس معاہدہ کو ابھی دو سال بھی مکمل نہیں ہوئے تھے کہ قریش کے حلیف قبیلے بنی بکر نے مُسلمانوں کے حلیف قبیلے بنو خزاعہ پر شب خون مارا ---- بنو بکر نے اس معاملے میں قریش سے مدد طلب کی تو انھوں نے بھی ہتھیاروں سے اور کچھ نوجوانوں کے ذریعے مدد فراہم کی۔

بنو خزاعہ نے بھاگ کر حرم میں پناہ لی ---- مگر ان کو حرم میں بھی قتل کرنے سے دریغ نہ کیا گیا۔ بنو خزاعہ کے سردار عمرو بن سالم چالیس آدمیوں کا وفد لے کر مدینہ منورہ میں نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں پہنچا اور ظلم و تشدد کی یہ داستان سنائی اور قریش کی بدعہدی کے بارے آپ کو مطلع کیا۔

آپؐ نے ایک قاصد کے ذریعے قریش مکہ کو یہ پیغام بھیجا کہ تین باتوں میں سے ایک بات کو تسلیم کرلو:

1. بنو خزاعہ کے جتنے لوگ مارے گئے ہیں ان کی دیت دے دو۔
2. یا بنو بکر کی حمایت سے الگ ہوجاؤ اور لاتعلقی کا اعلان کردو۔
3. یا معاہدہ حدیبیہ کے ختم کرنے کا اعلان کردو۔

تینوں باتیں انتہائی مناسب اور معتدل تھیں اور مبنی بر انصاف تھیں ---- مگر قریش نے جذبات کی رو میں بہہ کر ---- نتائج پر غور کیے بغیر ----

کہا: ----- ہمیں تیسری بات ---- معاہدہ حدیبیہ کی تنسخ منظور ہے۔

قریش کی پریشانی اور ابوسُفیان کی مدینہ آمد

بعد میں قریش کو احساس ہوا کہ ہم نے نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے قاصد کو غلط جواب دیا ہے ---- چنانچہ انھوں نے فوراً ابوسُفیان کو تیار کیا کہ وہ مدینے جائے اور معاہدہ حدیبیہ کی تجدید کروائے ---- یعنی مُسلمانوں کو اس بات پر رضا مند کرے کہ معاہدہ حدیبیہ اپنے حال پر باقی ہے۔

ابوسُفیان مدینے آئے تو سب سے پہلے اپنی بیٹی ---- ام المومنین رملہ رضی اللّٰہ عنہا جو ام حبیبہ کے لقب سے مشہور ہیں ---- کے گھر گئے ---- بیٹی نے اپنے سردار باپ کو آتے دیکھا تو بجائے اس کے عزت کے لیے بستر بچھائے ---- بچھا ہوا بستر بھی لپیٹ دیا ---- ابوسُفیان نے تعجب سے اس کی وجہ پوچھی ---- تو ام المومنینؓ نے عشق و مستی میں ڈوبا ہوا جواب دیا:

یہ نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا پاک بستر ہے اور جو تُمھاری طرح شرک و کفر کی نجاستوں میں پڑا ہو وہ اس پاک بستر پر بیٹھنے کا حق نہیں رکھتا۔

ابوسُفیان نے بیٹی کی بات سن کر جھلا کر کہا:

واللہ! میرے بعد تم شر میں مُبتلا ہو گئی ہو۔

ام المومنین نے جواب دیا:

بابا! شر میں مُبتلا نہیں ہوئی ---- بلکہ شرک و کفر کے اندھیروں سے نکل کر اسلام کے نور میں داخل ہو گئی ہوں ---- البتہ مُجھے حیرت اور تعجب آپ پر ہے کہ قریش کے سردار ہو کر بے جان مورتیوں کے آگے سر جھکاتے ہو جو نہ سُننے کی صلاحیت رکھتی ہیں اور نہ دیکھنے کی۔

ابوسُفیان بیٹی کے گھر سے مایوس ہو کر مسجد نبوی میں آیا اور امام الانبیاء

آپ ﷺ سے تجدید معاہدہ کے لیے بات کی ---- آپؐ نے کوئی جواب نہیں دیا ---- پھر وہ سیدنا ابوبکرؓ کے پاس گیا ---- سفارش کریں ---- مگر رازدار نبوت نے وہی کرنا تھا جو صاحب نبوت نے کرنا تھا ---- پھر وہ سیدنا عمرؓ کے پاس آیا اور درخواست کی کہ میری سفارش کریں ---- وہاں سے مایوسی ہوئی ---- تو سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو رشتے اور قرابت کے واسطے دے کر سفارش کے لیے تیار کرنے کی کوشش کی ---- حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی منت کی ---- دونوں نے کہا ہم اس سلسلہ میں بارگاہ نبوی میں لب کشائی نہیں کرسکتے ---- تم ایسے کرو کہ مسجد نبوی میں چلے جاؤ اور لوگوں کے سامنے کھڑے ہو کر باآوازِ بلند اعلان کرو کہ: "لوگو میں معاہدہ کی تجدید کا اعلان کرتا ہوں" ---- ابوسفیان نے ایسے ہی کیا اور واپس مکہ پلٹ گیا ---- مکہ کے لوگوں نے پوچھا کیا کر کے آئے ہو؟ اس نے ساری کارروائی سنائی ---- کہ کسی نے کوئی بات نہیں مانی ---- پھر میں نے علیؓ کے کہنے پر تجدید معاہدہ کا اعلان کردیا ---- لوگوں نے کہا ---- کیا محمدؐ نے تیرے اعلان کو منظور کرلیا؟ ابو سفیان نے کہا نہیں ---- لوگوں نے کہا تیری تباہی ہو علیؓ نے تیرے ساتھ مذاق کیا ہے ---- محمدؐ کی اجازت اور رضامندی کے بغیر بھلا معاہدے کی تجدید کیسے ہوسکتی ہے۔

قریش نے ابوسفیان سے کہا: نہ تم صلح کی خبر لائے ہو جس سے ہم مطمئن ہوتے اور نہ جنگ کی خبر لائے ہو کہ ہم تیاری کرتے۔

جنگ کی تیاری اور رازداری

امام الانبیاء ﷺ نے جہاد کی تیاری کا حکم دیا ---- اور اردگرد کے علاقوں میں اعلان کروا دیا کہ جو شخص بھی اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لایا ہے وہ رمضان تک ساز و سامان تیار کرکے مدینے پہنچ جائے ----

آپؐ کی پوری کوشش تھی کہ ہماری تیاری کا حال مشرکین کے کانوں تک نہیں پہنچنا چاہیے ---- کیونکہ آپؐ کی دلی خواہش تھی کہ مکہ میں داخلہ کے وقت کسی قسم کی جنگ برپا نہ ہونے پائے ---- اور قریش کے سر پر ہم پہنچ جائیں اور وہ مرعوب ہو کر ہتھیار پھینک کر ہمارے مطیع ہو جائیں۔

آپؐ دعا بھی فرما رہے تھے کہ مولا جاسوسوں کو اور اس بارہ میں خبروں کو قریش تک پہنچنے سے روک دے۔

سیدنا حاطبؓ کا واقعہ

اس دوران ایک عجیب واقعہ بلکہ حادثہ پیش آگیا ---- کہ اصحاب بدر میں سے ایک صحابی حضرت سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے ایک خط تحریر کر کے ایک عورت کو دیا کہ اسے قریش مکہ تک پہنچا دے ---- اس عورت نے سر کی چوٹی میں وہ خط چھپا لیا اور مدینہ سے مکہ کی طرف روانہ ہو گئی ---- ادھر خط لے کر عورت روانہ ہوئی اور ادھر اللہ رب العزت نے اس کی اطلاع اپنے محبوب پیغمبر کو پہنچا دی ---- آپؐ نے سیدنا علیؓ، سیدنا زبیرؓ اور سیدنا مقداد کو کہا کہ جاؤ ---- اور خاخ کے باغ کے قریب (مدینہ منورہ سے تقریباً اٹھارہ کلو میٹر) ایک شتر سوار ملے گی ---- اس کے پاس ایک خط ہو گا وہ خط اس سے چھین کر لاؤ۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں ---- ہم روانہ ہوئے تو ہمیں خاخ کے باغ کے قریب وہ عورت مل گئی ---- اس نے کسی قسم کے خط کی موجودگی سے انکار کیا ---- ہم نے ہودج کی اور اس عورت کے سامان کی تلاشی لی تب بھی خط نہ ملا ---- پھر ہم نے کہا: کہ دنیا کی ہر بات غلط ہو سکتی ہے مگر ہمارے نبی کی زبان سے نکلی ہوئی بات غلط نہیں ہو سکتی ---- تم خط ہمارے حوالے کر دو ورنہ تمہارے کپڑے اتار کر ہمیں تلاشی لینی پڑی تو ہم دریغ نہیں کریں گے ---- اس نے ہماری یہ پختگی دیکھی تو سر کے بالوں کی چوٹی سے خط نکالا اور ہمارے سپرد کر دیا۔

ہم واپس نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوئے ---- خط پڑھا گیا تو تعجب وحیرت کی انتہا نہ رہی کہ یہ مشہور بدری صحابی، جلیل القدر صحابی ---- سیدنا حاطب کی جانب سے قریش مکہ کو لکھا گیا تھا ---- جس میں نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور مسلمانوں کی مکہ پر چڑھائی کے ارادوں کا ذکر کیا گیا تھا۔

جب سیدنا حاطب سے پوچھا گیا کہ یہ تو نے کیا کر دیا؟

سیدنا حاطب نے کہا ---- یا رسول اللہ! نہ میں مرتد ہوا ہوں اور نہ مجھ میں کوئی تبدیلی آئی ہے ---- بلکہ اصل واقعہ یہ ہے کہ ہر مہاجر کا کوئی نہ کوئی رشتے دار اور عزیز مکہ میں موجود ہے جو ان کے بال بچوں کا خیال رکھتا ہے ---- مگر میرا کوئی عزیز اور رشتے دار مکہ میں نہیں ہے جو میرے اہل وعیال اور اقارب کا مشکل کی گھڑیوں میں خیال رکھے ---- تو میں نے صرف اس یقین پر کہ آپ کو اور دوسرے مسلمانوں کو اس بات سے کوئی نقصان نہیں ہوگا ---- فتح کو جو وعدہ ہوا ہے اس نے تو پورا ہو کر رہنا ہے ---- میں نے سوچا کہ میں اس طرح قریش مکہ پر ایک احسان چڑھا کر ان کی ہمدردیاں حاصل کر لوں گا تاکہ مشکل اوقات میں وہ میرے بال بچوں کو کوئی تکلیف اور نقصان نہ پہنچائیں ---- اس کے علاوہ میری کوئی غرض اور کوئی مقصد نہیں ہے۔

سیدنا حاطب رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کی یہ بات سن کر امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا ---- اِنَّہٗ قَدْ صَدَقَکُمْ ---- حاطب نے تمہارے سامنے سچ سچ بیان کر دیا ہے۔

سیدنا فاروق اعظم رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ ننگی تلوار لیے کھڑے تھے اور حاطب کے سر کو قلم کرنے کی اجازت کے طلب گار تھے ---- آپ نے فرمایا: ---- دیکھو حاطب بدری ہے ---- اور بدر والوں کو اللہ رب العزت نے جھانک کر دیکھا اور فرمایا ---- اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَکُمْ ---- تم جو چاہو کرو اللہ نے

تمہاری مغفرت فرما دی ہے۔

امام الانبیاء ﷺ کی زبان مقدس سے بدریوں کی فضیلت کے بارے یہ الفاظ سن کر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور عرض کرنے لگے: اَللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ ---- اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ (بخاری باب غزوہ الفتح، مسلم باب من فضائل حاطب)

لشکر اسلام --- مکہ کی راہ پر

۱۰ رمضان المبارک ۸ھ مطابق ۲۲ر دسمبر ۶۲۹ء کو دس ہزار کے لشکر کے ساتھ امام الانبیاء ﷺ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے۔

راستے میں آپ کے چچا حضرت عباسؓ مع اہل و عیال مشرف بہ اسلام ہو کر ملے ---- آپ اپنے چچا کے ایمان لانے اور پھر ہجرت کر کے تشریف لانے سے بہت مسرور ہوئے ---- آپ نے فرمایا ---- اپنے اہل و عیال کو مدینے بھیج دیجیے اور خود ہمارے ساتھ آ جائیے۔

ابواء کے مقام پر (جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک آبادی کا نام ہے اور آپ کی والدہ ماجدہ کی قبر بھی یہیں ہے۔) آپ کے چچا زاد بھائی ---- جو رضاعی بھائی بھی ہیں اور بچپن کے گہرے دوست بھی، ابوسفیان بن حارث اور آپ کے پھوپھی زاد بھائی عبداللہ بن امیہ ---- آپ سے ملے ---- یہ دونوں اس سے پہلے اسلام کے اور خاص کر کے آپ کی ذات کے شدید ترین مخالف تھے ---- ان دونوں کو بھی اللہ رب العزت نے دولتِ ایمان سے سرفراز فرمایا ---- یہ بھی لشکر اسلام میں شامل ہو گئے۔

یہ جیش اسلامی ایک ہفتہ کے سفر کے بعد مکہ سے پہلے آخری منزل مرالظہران پہنچ گیا جو مکہ مکرمہ سے تقریباً ۱۵ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے ---- یہاں

آپؐ نے اپنے لشکر کو ایک ایک ہزار کے دستے میں تقسیم فرما کر وادی میں پھیلا دیا اور حکم دیا کہ رات کے وقت عرب کے رواج کے مطابق اپنے اپنے الاؤ روشن کریں ---- جب الاؤ اور چراغ روشن ہوئے تو سارا میدان اور وادی بقعہ نور اور نورِ ہدایت سے وادئ طور بن گئی۔

ابوسُفیان کی آمد

ابو سُفیان اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ معلومات حاصل کرنے کے لیے مکہ سے مرالظہران کی طرف نِکلا ---- آگ کے الاؤ دیکھے ---- عظیم لشکر کو دیکھ کر حیران و ششدر رہ گیا ---- حضرت عباسؓ نے ابوسُفیان کی ساتھیوں کے ساتھ گفتگو سن لی اور انھیں ساتھ لے کر امان لینے کے لیے نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی طرف چل پڑے ---- آپؐ کے خیمے کے قریب پُہنچے تو حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ نے ابوسُفیان کو پہچان لیا ---- وہ بے تاب ہو کر کہنے لگے ---- یا رسول اللہ اجازت ہو تو میں اس دشمن اسلام کا سر قلم کر دوں ---- حضرت عباسؓ نے کہا یا رسول اللہ میں ابوسُفیان کو پناہ دے چکا ہوں ---- آپؐ نے فرمایا: ابوسُفیان کو رات یہیں گزارنے دو اور صبح کے وقت پیش کرو۔

صبح کے وقت ابوسُفیان کو خدمت نبوی میں پیش کیا گیا تو آپؐ نے پوچھا ---- کیوں ابوسُفیان کیا اب بھی تمھیں یقین نہیں آیا کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ---- کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ اور معبُود نہیں ہے ---- ابوسُفیان نے کہا اگر اللہ کے سوا کوئی الٰہ ہوتا تو آج ہمارے کام آتا ---- آپؐ نے پھر پوچھا: کیا اب بھی تمھیں میرے رسُول ہونے میں شک ہے؟ ---- ابوسُفیان کی جرأت دیکھیے ---- کہنے لگا ---- "اس میں تو ابھی کچھ شک باقی ہے"۔ ---- آپؐ نے ابوسُفیان کو کچھ نہیں کہا۔ اور اس یقین پر چھوڑ دیا کہ جو آج توحید کا قائل ہو گیا ہے وہ کل رسالت کا بھی اقراری ہو جائے گا۔

پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے کہنے پر ابوسفیان کو احساس ہوا کہ میں نے صحیح بات نہیں کہی اور کلمۂ شہادت پڑھ لیا۔

(ابوسفیان بعد میں اسلام کی سربلندی کے لیے برابر کوشاں رہے ---- فتح مکہ کے فوراً بعد غزوۂ حنین میں بڑی بہادری اور دلیری سے لڑے اور ایک آنکھ سے محروم ہوگئے ---- اور پھر سیدنا فاروق اعظم کے دورِ خلافت میں جنگ یرموک میں داد شجاعت دیتے ہوئے اپنی دوسری آنکھ بھی اللہ کے راستے میں قربان کردی۔)

مرالظہران سے روانگی

لشکر اسلام مر الظہران سے مکے کی طرف روانہ ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ ابوسفیان کو کسی پہاڑی پر ایسی جگہ کھڑا کردو جہاں سے وہ لشکر اسلام کا جاہ و جلال اپنی آنکھوں سے دیکھ سکے۔

لشکرِ اسلام میں الگ الگ قبیلوں کے دستے تھے اور ان کے الگ الگ جھنڈے تھے ---- یہ دبدبہ، یہ شان و شوکت ---- یہ لشکرِ جرار ---- یہ جاہ و جلال دیکھ کر ابوسفیان نے کہا: عباس تیرے بھتیجے کی سلطنت بڑی عظیم ہوگئی ہے۔

سیدنا عباسؓ نے مسکرا کر جواب دیا: ---- لَيْسَ بِمَلِكٍ اِنَّمَا هٰذِهٖ نُبُوَّةٌ ------ یہ بادشاہت نہیں بلکہ نبوت ہے۔

لشکر اسلام کا ایک ایک دستہ پرجوش نعروں کے ساتھ پہاڑوں میں گونج پیدا کرتے ہوئے گزرتا رہا ---- ان سے ایک دستہ جس کا پرچم حضرت سعد بن عبادہ کے ہاتھ میں تھا جو انصار کے بہت بڑے قبیلے خزرج کے سردار تھے ---- انھوں نے گزرتے ہوئے ابوسفیان کو دیکھا تو جوش میں آکر کہنے لگے:

اَلْيَوْمَ يَوْمُ الْمَلْحَمَةِ ------ آج جنگ اور لڑائی کا دن ہے ------ آج بدلے کا دن ہے ------ اَلْيَوْمَ تَسْتَحِلُّ الْكَعْبَةِ ---- آج سرزمین حرم بھی

خونریزی سے نہیں بچ سکے گی۔

آج ہم بلالؓ کو تپتے ہوئے کوئلوں پر لٹانے کا بدلہ لیں گے---- آج ہم آلِ یاسر پر ہونے والے مظالم کا بدلہ چکائیں گے---- آج زنیرہ کی آنکھیں نکالنے والوں سے انتقام لیا جائے گا---- آج ابوفکیہہ کو مارنے کا بدلہ لیا جائے گا ---- جو جو مظالم اور شدائد---- اور یہ تکلیفیں اور مصائب تم نے کمزور مسلمانوں پر ڈھائے آج ان کے انتقام کا دن ہے۔

ابوسفیان نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے اس پر جوش نعرے کو سنا تو گھبرا گئے ---- مگر کچھ کہہ نہ سکے۔ تمام کے تمام دستے گزر گئے تو سب سے آخر میں فاتحِ مکہ نبی اکرمؐ ایک چھوٹے سے دستے کے ساتھ نمودار ہوئے ---- ابوسفیان نے حضرت سعد بن عبادہ کے جذبات سے بھرے ہوئے نعرے کا ذکر کیا---- آپؐ نے ناگواری کا اظہار فرمایا، اور کہا:

اَلْيَوْمَ يَوْمُ الْمَلْحَمَةِ کی "لام" ------ "را" میں بدل دو اور کہو: اَلْيَوْمَ يَوْمُ الْمَرْحَمَةِ ---- آج تو رحمتوں کا دن ہے کہ رَحْمَةٌ لِّلْعَالَمِيْنَ آئے ہیں ---- اور پھر آپؐ نے جھنڈا حضرت سعد بن معاذ سے واپس لے کر ان کے بیٹے قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا۔

لشکرِ اسلام مکہ میں

امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مکہ مکرمہ میں فاتحانہ داخل ہونے سے پہلے اعلان فرمایا:

حرم میں ہرگز خونریزی نہ ہو---- صرف اس شخص کا مقابلہ کیا جائے جو تلوار سونت کر حملہ آور ہو---- پھر اعلان ہوا----- جو شخص بیت اللہ کے اندر داخل ہو جائے اسے پناہ حاصل ہے---- پھر فرمایا:

مَنْ دَخَلَ دَارَ اَبِيْ سُفْيَانَ فَهُوَ آمِنٌ وَّمَنْ اَغْلَقَ بَابَهٗ فَهُوَ آمِنٌ

"جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اس کو امان ہے، اور

جو اپنے گھر کا دروازہ بند کرلے اسے بھی امان حاصل ہے"۔

(مسلم باب فتح مکہ، نسائی جلد ا صفحہ ۱۵۴)

امام الانبیاء صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے امن اور پناہ کا عام اعلان فرما دیا ---- مگر چند سرکشوں کا نام لے کر جن کی تعداد پندرہ کے قریب تھی، فرمایا: یہ عظیم مجرم ہیں، اگر یہ کعبۃ اللہ کے پردے کو پکڑے ہوئے بھی مل جائیں تو بھی ان کو قتل کردیا جائے: عبداللہ بن سعد عبدالعزی بن حنظل عکرمہ بن ابی جہل مَقِیس بن صبابہ اور وحشی قاتل حمزہؓ

- ان میں سے عبداللہ بن حنظل کو بیت اللہ میں مار دیا گیا
- مَقِیس کو لوگوں نے مکہ کے بازار میں قتل کردیا۔
- عبد اللہ بن سعد کو سیدنا عثمانؓ اپنی پناہ میں لائے انھوں نے ایمان قبول کرلیا۔
- عکرمہ بن ابی جہل کو اسلام دشمنی باپ سے ورثہ میں ملی تھی۔ فتح مکہ کے دن بھاگ کر یمن جانے لگے ---- ان کی بیوی ام حکیم بنت حارث نے مسلمان ہوکر اپنے خاوند عکرمہ کے لیے امان طلب کی ---- جو منظور کرلی گئی اور وہ مسلمان ہوگئے رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُم ---- خلافت صدیق میں ایک جنگ میں جسم پر تیر اور تلوار کے ستر سے زیادہ زخم کھا کر شہید ہوئے۔
- وحشی بن حرب ---- قاتلِ حمزہ کے بارے بھی حکم تھا جہاں ملے قتل کر دیا جائے ---- یہ فتح والے دن بھاگ کر طائف چلا گیا، اور وہاں سے ایک وفد کے ساتھ مدینہ طیبہ میں حاضر خدمت ہوکر دولتِ ایمان سے مالا مال ہوا ---- خلافت صدیق میں جھوٹے مدعی نبوت مسیلمہ کے خلاف لشکر اسلام میں شامل ہوا اور مسیلمہ کذاب کو قتل کرکے سیدنا حمزہؓ کے قتل کا کفارہ ادا کرنے کی کوشش کی۔

✿ ہند بنت عُتبہ ---- ابوسُفیان کی بیوی کے بارے بھی حکم تھا کہ اسے قتل کردیا جائے ---- اس نے اپنے بتوں کو اپنے ہاتھ سے توڑا، اور خدمت نبوی میں آکر اسلام قبول کرلیا۔

مسجدِ حرام میں داخلہ

مکہ فتح ہوچکا تھا ---- آپؐ کے لیے شعب بنی ہاشم میں ایک خیمہ نصب کیا گیا تھا۔ وہاں کچھ دیر ستانے اور رکنے کے بعد بیت اللہ کی طرف جانے لگے ---- آپؐ قصویٰ اونٹنی پر سوار تھے اور اپنے پیچھے اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید رضی اللہ عنہ کے فرزند اُسامہ کو بٹھایا ہوا تھا ---- اردگرد انصار و مہاجرین کے جانثاروں کا ہجوم تھا۔

مکہ کے فاتح کا سر جھکا ہوا ---- اتنا جھکا ہوا کہ ماتھا اونٹنی کی کوہان کے ساتھ جالگا ---- اور زبان پر یہ آیت کریمہ ﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا﴾ تھی۔

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں جب داخل ہوئے تو ایک چھڑی سے بتوں کو گراتے جاتے تھے اور ساتھ پڑھتے جاتے تھے:

جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ

حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی مورتیاں بھی آپؐ نے توڑ دیں ---- بیت اللہ کے اردگرد رکھے ہوئے بت ---- اور مورتیاں آپؐ نے ایک معمولی چھڑی کی ضرب سے توڑ دیں۔ بیت اللہ کے اندر کی مورتیاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ پہلے ہی مٹا چکے تھے۔

جب بیت اللہ ہر لحاظ سے پاک ہوگیا ---- تو آپؐ نے بیت اللہ کے کنجی بردار عثمان بن طلحہ کو بلوایا اور ان سے بیت اللہ کی چابی مانگی۔

ایک پیشین گوئی پوری ہوگئی

مکہ مکرمہ میں مظلومیت کے زمانے میں ہجرت سے پہلے

ایک روز آپ نے عثمان بن طلحہ سے بیت اللہ کی چابی مانگی تھی تو اس نے انکار کیا تھا۔ آپ نے اس کے انکار کرنے پر بڑے حوصلے سے فرمایا تھا ----
عثمان دیکھ لینا ایک دن یہ چابی میرے ہاتھ میں ہوگی اور میں جسے چاہوں گا عطا کروں گا ---- آج اس پیشین گوئی کے پورے ہونے کا وقت آگیا۔

آپ بیت اللہ کا دروازہ کھول کے اندر تشریف لے گئے ---- آج بیت اللہ اپنی قسمت پر ناز کر رہا تھا کہ اس کے اندر اس کا حقیقی وارث اپنے مبارک قدم رکھ رہا ہے۔

بیت اللہ میں نوافل ادا کرنے کے بعد باہر تشریف لائے ----- تو حضرت سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے درخواست کی کہ بیت اللہ کی چابی بنو ہاشم کو عطا کی جائے ---- آپ نے دونوں کی درخواست سن کر فرمایا ---- اَلْیَوْمَ یَوْمُ الْبِرِّ وَالْوَفَاءِ ---- آج ہی کا دن تو ہے جب بروں کے ساتھ نیکی اور بے وفاؤں کے ساتھ وفا کی جائے گی ----
اصحابِ رسول منتظر تھے کہ بیت اللہ کی چابی کس کو ملتی ہے؟ کہ آپ نے فرمایا عثمان بن طلحہ کہاں ہے ---- وہ حاضرِ خدمت ہوئے ---- آپ نے بیت اللہ کی چابی ان کے سپرد کرتے ہوئے فرمایا ---- یہ سنبھالو بیت اللہ کی چابی ----- جو تم سے چھینے گا وہ ظالم ہوگا ---- ممکن ہے یہ حکم صرف عثمان بن طلحہ کے ساتھ خاص ہو، مگر امت نے اس فرمان کا اتنا احترام کیا کہ اس دن سے لے کر آج تک یہ چابی عثمان بن طلحہ کی نسل اور ذریت کے ہاتھ میں ہے۔

عام معافی کا اعلان

بیت اللہ سے آپ باہر تشریف لائے تو مطاف مکہ کے لوگوں سے بھر چکا تھا۔ آپ نے بیت اللہ کے دروازے کی دونوں چوکھٹوں پر ہاتھ رکھ کر ایک عظیم خطبہ ارشاد فرمایا ---- نہ اس میں ماضی کو دہرایا ----- نہ اپنی سابقہ مشکلات کا

تذکرہ کیا ----- نہ مشرکین کی بدعہدیوں اور مظالم کا ذکر کیا ---- نہ کوئی جذباتی خطاب فرمایا --- نہ انتقام کی بات کی ----- بلکہ فرمایا:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ صَدَقَ وَعْدَهٗ وَ نَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ۔

اللہ اکیلے کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک اور ساجھی نہیں اس نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا اور اپنے بندے (محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) کی مدد فرمائی اور تمام جتھوں کو تنہا شکست دی۔

فصاحت و بلاغت سے بھرپور خُطبہ (جو سیرت کی کتابوں میں درج ہے) سے فارغ ہوئے --- تو ایک مرتبہ پھر ہجوم پر نظر ڈالی ---- یہ مجمع ان ہی مجرموں کا تھا جو بیس سال سے اسلام کو مٹانے اور مُسلمانوں کو دبانے اور پیغمبرِ اسلام کو قتل کر دینے کی سازشیں کرتے تھے ---- یہ وہی تھے جنھوں نے آپؐ کو گالیاں بکیں ---- طعنے مارے، پھبتیاں کسیں، مذاق اڑائے، فتوے لگائے، پتھروں کی بارش کی، راستے میں کانٹے بچھائے، گلے میں رسیاں ڈالیں ---- ہاں یہ وہی لوگ تھے جنھوں نے وطن سے بے وطن کیا۔ بدر و احد و خندق میں چڑھائیاں کیں ---- امیر حمزہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کے جسم کے بارہ ٹکڑے کیے ---- لاش کا مثلہ کیا ----- زینب بیٹی کو نیزے مارے ----- اصحابِ رسُولؐ کو مکہ کی گلیوں میں گھسیٹا ---- انگاروں پر لٹایا۔

اب یہ مجرم لوگ قیدی تھے ----- محصُور تھے ----- دس ہزار لشکر کے آگے بے بس تھے ---- شکنجے میں کسے ہوئے تھے ---- خاموش اور سر جھکائے کھڑے تھے۔

رحمتِ کائنات صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی آواز فضا میں گونجی:

یَا مَعْشَرَ قُرَیْشٍ مَا تَرَوْنَ اَنِّیْ فَاعِلٌ بِکُمْ۔

اے قریشیو! تم کو کچھ معلوم ہے آج میں تم سے کیا سلوک کرنے والا ہوں ---- تم کیا سمجھتے ہو کہ آج میرا فیصلہ تمھارے متعلق کیا ہوگا؟۔

قریش سخن شناس بھی تھے اور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے مزاج شناس بھی ---- انھوں نے آپؐ کی شان اور عظمت کے مطابق جواب دیا:

خَيْرًا اَخٌ كَرِيْمٌ وَابْنُ اَخٍ كَرِيْمٌ

ہم آپؐ سے خیر اور بھلائی کی امید رکھتے ہیں کیونکہ آپؐ خود کریم النفس ہیں اور شریف الطبع بھائی کے فرزند ہیں۔

ان کا جواب سنتے ہی رحمت کے بے کنار دریا میں جوش آیا ---- اور فرمایا آج میں تم سے وہی بات کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف نے زیادتی کرنے والے بھائیوں سے کہی تھی:

﴿لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ﴾ ---- آج تم پر کوئی الزام نہیں اللہ تمھیں بخشے۔

اِذْهَبُوْا اَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ ---- جاؤ تم سب آزاد ہو ---- میں نے تم سب کو معاف کر دیا ہے۔

آپ کے اسی عفو و درگزر ---- اور پیار و محبت اور معاف کر دینے کا جذبہ تھا کہ جس کے نتیجے میں مکہ کے تقریباً تمام لوگ اسلام کی دولت سے مالا مال ہوئے۔

اتنے میں ظہر کا وقت ہو گیا اور مکہ کی گلیوں میں گھسیٹا جانے والا بلالؓ بام کعبہ پر چڑھ کر اذان دینے لگا ---- سبحان اللہ! آج مکہ میں ---- عین بیت اللہ کی چھت پر اللہ ہی کی الوہیت ---- اور آمنہ کے لال کی نبوت و رسالت کے اعلان ہو رہے ہیں۔

سیدنا بلالؓ کی کچھ بچوں نے نقل اتاری ---- ان نقل اتارنے والوں میں

ایک سولہ سال کا جوانی کی دہلیز پر قدم رکھنے والا ابومحذورہ بھی تھا---- آپؐ نے فرمایا: ان نقل اتارنے والوں کو پکڑو---- دوسرے بچے بھاگ گئے اور ابومحذورہ قابو آگئے---- یہ خوش آواز بھی تھے اور بلند آواز بھی۔

ابومحذورہ ڈر گئے کہ قتل کے آرڈر ہوں گے---- مگر آپؐ نے بڑی محبت اور شفقت سے فرمایا---- بیٹا اذان کے کلمے دہراؤ---- ابومحذورہ نے بادلِ ناخواستہ اذان کے کلمات دہرائے---- آپؐ نے ابومحذورہ کو ایک تھیلی عطا فرمائی جس میں کچھ درہم تھے---- پھر آپؐ نے رحمتوں والا ہاتھ اس کے سر اور پیشانی اور سینے پر پھیرا---- بس ہاتھ کا پھیرنا تھا کہ اسلام کے خلاف ساری نفرت کافور ہوگئی اور دل نبوت کی محبت سے لبریز ہوگیا---- پھر ابومحذورہ کی درخواست کو قبول کرتے ہوئے آپؐ نے سولہ سالہ نوجوان کو بیت اللہ کا مؤذن مقرر فرمادیا۔

اسی طرح بنوامیہ کے ایک اکیس سالہ ابھرتے جوان کو---- جو آج ہی مسلمان ہوا تھا---- سیدنا عتاب بن اسید انھیں آپؐ نے مکہ مکرمہ کا پہلا اسلامی گورنر مقرر فرمایا---- اب مکہ مکرمہ کا گورنر ایک اموی نوجوان---- ۲۱ سالہ عتاب بن اسید تھا، اور بیت اللہ کا مؤذن ۱۶ سالہ ابومحذورہ تھا۔

اسلامِ ابی قحافہ

امام الانبیاء ﷺ بیت اللہ میں تھے کہ سیدنا صدیق اکبرؓ اپنے بوڑھے والد ابوقحافہ عثمانؓ کو لے کر بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے---- آپؐ نے ان کے بڑھاپے کو دیکھ کر فرمایا: ابوبکرؓ بڑے میاں کو گھر ہی پر رہنے دینا تھا---- میں خود ان کے پاس آجاتا---- پھر آپؐ نے انھیں کلمہ اسلام پڑھایا---- پھر سیدنا ابوبکرؓ کو مبارک باد دی---- حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا---- یا رسول اللہ! اس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو رسول بنا کر بھیجا، آپؐ کے چچا ابوطالب اگر ایمان لے آتے تو مجھے

اس سے زیادہ خوشی ہوتی۔ (سیرتِ حلبیہ جلد ۲ صفحہ ۲۱۲)

حدیبیہ میں قریش کا سفیر سہیل بن عمرو بھی آیا اور اسلام قبول کیا ---- امیہ کا بیٹا صفوان بھی آپؐ کے اخلاقِ کریمانہ کو دیکھ کر دامنِ محمدیؐ سے وابستہ ہو گیا۔

عورتوں کی بیعت

مردوں کی بیعتِ اسلام سے فراغت ہوئی تو آپؐ نے عورتوں سے بیعتِ اسلام لینی شروع فرمائی ---- چند شرائط پر آپؐ عورتوں سے بیعت لے رہے تھے ---- طریقۂ کار یہ تھا کہ پیالے میں پانی کے اندر آپؐ اپنی انگلیاں ڈبو دیتے اور پھر عورتیں اس پانی میں انگلیاں ڈبو دیتیں۔

سب سے نرالی اور دلچسپ بیعت ہند بنت عتبہ ---- جو ابوسفیان کی بیوی ہے ---- ان کی ہوئی ---- وہ قریش کی سردار عورتوں میں سے تھیں ---- نہایت زیرک، عقلمند، خود دار تھیں ---- آپؐ نے ان سے بیعت لیتے ہوئے کہا ---- اقرار کرو کہ شرک نہیں کرو گی ---- ہند نے کہا منظور ہے ---- آپؐ نے فرمایا: چوری بھی نہیں کرو گی ---- ہند نے جواب میں کہا ---- میں اپنے شوہر کے مال میں سے کبھی تھوڑا بہت ان سے پوچھے بغیر لے لیتی ہوں۔ معلوم نہیں یہ بھی چوری میں داخل ہے یا نہیں؟۔

پھر فرمایا: زنا بھی نہیں کرو گی ---- ہند نے کہا: شریف عورتیں ایسا نہیں کرتیں ---- پھر آپؐ نے فرمایا: اولاد کو قتل نہ کرنا ---- ہند نے کہا: ہم نے تو بچے پالے تھے، آپؐ نے جنگوں میں انھیں قتل کر دیا ---- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سراپا رحمت تھے، ہند کی بے باکانہ گفتگو پر ہنس پڑے۔

اسلام لانے کے بعد ہند نے کہا: ---- یا رسول اللہ! اسلام لانے سے پہلے آپ کے چہرے سے زیادہ کوئی چیز مبغوض نہیں تھی ---- اور اب

اسلام لانے کے بعد آپ کے چہرۂ انور سے بڑھ کر محبوب اور کوئی چہرہ نہیں۔

اسلام قبول کرنے کے بعد ہند گھر گئیں اور گھر میں رکھے ہوئے بتوں کو یہ کہتے ہوئے توڑ دیا کہ تم نے آج تک ہمیں دھوکے میں رکھا۔

غزوۂ یرموک میں شریک ہوئیں اور بڑے جوش کے ساتھ مجاہدین کو ہمت دلا رہی تھیں ---- قدرتِ الٰہی دیکھیے یہ وہی ہند ہے جو کل غزوۂ احد میں مسلمانوں کے خلاف مشرکین کو ہمت دلا رہی تھی۔

بے مثال فاتح

سامعینِ گرامی قدر ! آپ نے فتح مکہ کے حالات و واقعات سنیے ---- کیا ایسی مثال اور بے مثال فتح دنیا میں کہیں اور بھی دیکھی یا سنی ہے؟ ---- ایسی فتح جس میں خونریزی سے حتی الوسع پرہیز کیا گیا ہو ---- ایسی فتح جس میں ہر قسم کے دشمنوں کو معاف کر دیا گیا ہو ---- ایسی فتح جس نے مکہ کے ساتھ ساتھ اسی دن ہزاروں دلوں کو بھی فتح کرلیا ہو ---- ایسی فتح جس نے فاتح کو پہلے سے زیادہ منکسر، متواضع اور کریم و رحیم بنا دیا ہو ---- ایسی فتح جس نے قریش کے بڑے بڑے سرداروں کے سر جھکادیے ہوں اور دوسری طرف ایک غلام زادے اُسامہ کو فاتح کے ساتھ اونٹ پر بٹھا کر غلاموں کا درجہ سرداروں سے بلند کردیا ہو ---- ایسی فتح جو فتح مبین کہلاتی ہو ---- ایسی فتح جس نے خائنوں کو امین بنا دیا ہو، ڈاکوؤں کو نگہبان بنا دیا ہو، راہزنوں کو رہبر بنا دیا ہو، چوروں کو محافظ بنا دیا ہو، ظالموں کو عادل، سنگدلوں کو رحیم، وحشیوں کو متمدن، جاہلوں کو معلم، غلاموں کو فرماں روا، بکریوں کے چرواہوں کو حکمران بنا دیا ہو ---- جس نے ذرے کو آفتاب، دشمنوں کو جانثار، قطرے کو دریا اور جہنمیوں کو جنت کا مطلوب بنا دیا ہو۔

عنایت و کرم کی عجیب داستان

پھر لطف کی بات یہ ہے کہ دوستوں پر تو سب ہی

نظرِ عنایت کرتے ہیں ---- اپنوں کو تو سب ہی نوازتے ہیں ----- مگر یہاں فاتحانہ رحم و کرم کس پر ہو رہا ہے؟ ----- ابوسُفیان پر جو قریش کی ہر منفی سرگرمی کا ہیرو اور قائد ہے ----- اور کس پر؟ ---- ہند پر جو ابوسُفیان کی بیوی اور نبوت کی انتہائی ضدی دشمن رہی ہے ---- اور کس پر؟ ابو جہل کے بیٹے عکرمہ پر ---- امیہ کے بیٹے صفوان پر ---- اور کس پر؟ ----- راہ میں کانٹے بچھانے والوں پر ---- گلے میں کپڑے کا پھندا کسنے والوں پر ---- پتھروں سے مار مار کر لہولہان کرنے والوں پر ---- بدزبانی کرنے والوں پر ---- نام بگاڑنے والوں پر ---- بدر و احد اور خندق میں لشکر کشی کرنے والوں پر ---- اللہ اکبر! درگزر، عفو و کرم، مہر و وفا اور عام معافی کا یہ نمونہ رحمۃ للعالمینؐ کے سوا کون پیش کرسکتا ہے؟ -----

کون ایسے خونخوار دشمنوں کو اَنتُمُ الطُّلَقَاء (تم سب آزاد ہو) کا پیغام سنا سکتا ہے؟ ------ صرف رحم ہی نہیں کیا ---- صرف معافی کا اعلان نہیں کیا، بلکہ حد تو یہ ہے کہ جس ابوسُفیان نے گھر سے بے گھر کیا ---- حرم سے محروم کیا ---- آج اسی ابوسُفیان کے گھر کو پناہ گاہ بنایا جا رہا ہے ---- اور جس عُثمان بن طلحہ نے کبھی بیت اللہ کی چابی دینے سے انکار کیا تھا ----- آج اسی عُثمان کو ہمیشہ کے لیے بیت اللہ کی چابی عطا کی جا رہی ہے۔

یہ ماننا پڑے گا کہ ایسی عظیم اور نرالی فتح نہ دنیا نے آج تک دیکھی اور نہ قیامت کی صبح تک دیکھ سکے گی ----- اور یہ بھی تسلیم کرنا ہو گا کہ ایسا عظیم فاتح اور ایسا انوکھا فاتح فضاءِ آسمانی نے نہ آج تک دیکھا، اور نہ روزِ محشر تک دیکھ سکے گا۔

تاریخ و سیرت کی کتابوں نے لکھا ہے کہ امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے پندرہ دن یا انیس دن مکہ مکرمہ میں قیام فرمایا ---- اس دوران مکہ کے

اسلامی ریاست میں داخل ہونے کی بنا پر وہاں کے نظم و نسق کی ترتیب، گورنر کا تقرر ---- اور نئے نئے مسلمان ہونے والے لوگوں کی تعلیم و تربیت میں ان کی راہنمائی کرتے رہے۔

آج پورا مکہ ---- اور مکہ کا ایک ایک گھر بتوں سے پاک ہو گیا ---- پھر آپؐ نے آس پاس اور مکہ مکرمہ کے ارد گرد کے علاقوں کو بتوں سے پاک صاف کرنے اور بتوں کو منہدم کرنے کے لیے فوجی دستے روانہ فرمائے۔

- سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو "عزیٰ" نامی ایک بڑے بت کو تباہ کرنے کے لیے روانہ فرمایا۔
- سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو "سواع" نامی بت کو منہدم کرنے کے لیے بھیجا۔
- "مناۃ" نامی بت کو ڈھانے کے لیے سیدنا سعد بن زید رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا۔

رمضان المبارک کا تقریباً تمام مہینہ بت شکنی میں گزر گیا۔

سامعینِ کرام! فتح مکہ کی مختصر سی تاریخ میں نے آپ حضرات کے سامنے رکھی ---- اس فتح نے لوگوں کو اسلام سے بہت قریب کردیا ---- اس فتح کے بعد پورے جزیرۃ العرب کے سیاسی اور مذہبی افق پر اسلام کا آفتاب چمکنے لگا ---- اس فتح کے بعد دنیوی قیادت بھی مسلمانوں کے ہاتھ میں آگئی ---- اب لوگ اکا دکا نہیں بلکہ وفود اور جماعتوں اور فوجوں کی صورت میں اسلام میں داخل ہونے لگے۔

﴿ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ﴾

پھر آنے والے تقریباً دو سالوں میں اسلام اس تیزی سے پھیلا جو گزشتہ بیس سالوں میں نہ پھیل سکا ---- فتح مکہ کے موقع پر مسلمان

دس ہزار تھے ---- پھر حجۃ الوداع کے موقع پر آپ کے ماننے والوں کی تعداد ایک لاکھ سے تجاوز کرگئی۔

فتح مکہ کے بعد مکہ اور حرم مکہ از سر نو امن و سلامتی کا گہوارہ بن گئے اور وہاں سے توحید کے نور کی کرنیں پھر سے پھوٹنے لگیں ---- عدل و انصاف کا نظام قائم ہوا، اور اس موقع پر فاطمہ نامی عورت کے ہاتھ چوری کے جرم میں کاٹنے کا حکم ہوا ---- اُسامہ کے سفارش کرنے پر ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: "اگر میری بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو میں اس کے بھی ہاتھ کاٹ دیتا"۔

فتح مکہ کے بعد شوال ۸ھ میں آپ ایک اور مہم پر تشریف لے گئے جس کا تذکرہ ان شاء اللہ آئندہ جمعۃ المبارک کے خطبہ میں ہوگا۔

وما علینا الا البلاغ المبین

سیرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ۸

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۝ ﴾

بے شک اللہ رب العزت نے بہت سے میدانوں میں تمھاری مدد کی اور (خاص کر کے) حنین کے دن بھی جب تم اپنی کثرت پر اترا گئے تھے پھر وہ کثرت تمھارے کچھ کام نہ آئی اور زمین باوجود کشادگی کے تم پر تنگ ہو گئی اور (آخر کار ایسا ہوا) کہ تم میدان کو پیٹھ دے کر بھاگنے لگے۔ (سورۃ التوبۃ ۹: ۲۵)

وقال اللہ تعالی فی مقام آخر:

﴿ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾

بلا شبہ اللہ مہربان ہوا نبی پر اور مہاجرین و انصار پر جو نبی کے ساتھ رہے مشکل کی گھڑی میں بعد اس کے کہ قریب تھا کہ دل پھر جائیں بعضوں کے

ان میں سے پھر مہربانی فرمائی ان پر بے شک اللہ ان پر مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ (سورۃ التوبۃ ۹ : ۱۱۷)

سامعین گرامی قدر ! فتح مکہ کے بعد کئی دن تک امام الانبیاء ﷺ اپنے ساتھیوں سمیت مکہ مکرمہ میں تشریف فرما رہے ---- مشرکین عرب کا دبدبہ تقریباً ختم ہو کر رہ گیا ---- اور عرب کے مختلف قبائل جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے ---- یہ سب کچھ دیکھ کر طائف کے دو قبیلے ہوازن اور ثقیف جو بہت معروف تھے ---- ان دونوں قبیلوں کے بڑے بڑے سرداروں کا اجتماع ہوا اور مشورہ میں طے ہوا ----- کہ مسلمان اپنے برادری اور علاقے کو مغلوب کرنے کے بعد ہم پر حملہ آور ہوں گے اور ہمیں تباہ و برباد کر کے رکھ دیں گے ---- چنانچہ قبیلہ ثقیف کے سردار مالک بن عوف کو اپنا قائد تسلیم کر کے انھوں نے مکہ مکرمہ پر حملہ کرنے کا پروگرام بنا لیا ---- انھوں نے مختلف قبائل سے رابطہ کر کے انھیں اپنے ساتھ ملا لیا ---- اور چار ہزار کا لشکر لے کر مکہ مکرمہ کی طرف پیش قدمی شروع کر دی ----- یہ سب جنگجو سپاہی تھے ----- ہر قبیلے نے اپنے بال بچوں کو بھی ساتھ رکھ لیا ----- تاکہ کوئی سپاہی پیٹھ پھیر کر نہ بھاگے ---- یہ لشکر وادی حنین میں خیمہ زن ہو گیا ----- حنین عرفات سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر ایک وادی کا نام ہے ----

دوسری طرف امام الانبیاء ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے مشاورت کے بعد ---- آگے بڑھ کر مدافعت کرنے کا فیصلہ فرمایا ---- سامان کی اور نقدی کی کچھ کمی تھی اس لیے آپؐ نے عبداللہ بن ربیعہ سے تیس ہزار درہم اور صفوان بن امیہ سے تقریباً ایک سو زرہیں بطور قرض لیں۔

آپؐ کے ساتھ دس ہزار صحابہ تو وہ تھے جو مدینہ منورہ سے آپؐ کے

ساتھ آئے تھے ---- اس کے علاوہ تقریباً دو ہزار وہ لوگ تھے جو فتح مکہ کے موقع پر مُسلمان ہوئے تھے اور اسّی (۸۰) وہ مشرکین (طلقاء) تھے جو اسلام قبول نہ کرنے کے باوجود رحمۃ للعالمین کی رحمت کو دیکھ کر خود اپنی خواہش سے لشکرِ اسلام کے ساتھ شامل ہو گئے۔

۱۰ شوال ۸ھ کو مُسلمانوں کا یہ عظیم لشکر آفتابِ نبوت کی قیادت میں ----- حنین جا پہنچا ---- اہلِ عرب نے اتنا بڑا لشکر ---- اور اتنا مسلح لشکر آج تک نہیں دیکھا تھا۔

کثرت پر ناز

مشرکین کی تعداد چار ہزار اور مُسلمانوں کے لشکر کی تعداد بارہ ہزار ----- کچھ مُسلمانوں کے دل میں خیال آیا ---- کل بدر میں ہم صرف ۳۱۳ تھے اور ایک ہزار جنگجو لشکر کا منہ پھیر کر رکھ دیا تھا ---- اور آج تو ہم مخالفین سے تین گنا زیادہ ہیں ---- کچھ جوشیلے ----- جوش میں کہہ اٹھے آج ہم پر کون فتح پا سکتا ہے ---- اور اتنی بڑی فوج کو کون شکست دے سکتا ہے؟۔

اللہ ربُّ العزت کو مُسلمانوں کا تعداد کی کثرت پر اِترانا ---- اور عرش والے کی ذات پر بھروسا کرنے کی بجائے اپنی عددی کثرت پر گھمنڈ کرنا پسند نہ آیا۔

مُسلمانوں نے صبح کی نماز کے بعد حنین کی طرف پیش قدمی شروع کی ---- یہ نشیبی جگہ تھی ---- اردگرد پہاڑ تھے ----- دشمن نے اپنی قلتِ تعداد کی وجہ سے گوریلا جنگ لڑنے کا فیصلہ کیا ---- اور پہاڑوں کی مختلف گھاٹیوں میں گھات لگا کر بیٹھ گئے ------ ثقیف اور ہوازن کے لوگ بلا کے تیر انداز تھے ----- ان کے نشانے بہت کم خطا جاتے۔

سیدنا خالد بن ولید مقدمۃ الجیش کے سالار تھے ----- نوجوان فوجی ان کے ہمراہ تھے ----- چنانچہ ہوازن اور ثقیف کے ہزاروں تیر اندازوں نے

یکبارگی حملہ کر کے تیروں کی بارش شروع کر دی ---- اور مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے ---- ان کے لیے یہ حملہ غیر متوقع تھا ---- جس کا جس طرف منہ آیا اس طرف بھاگ کھڑا ہوا۔

بخاری کی روایت میں ہے ---- براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابتدائی حملہ میں اللہ رب العزت نے ہمیں فتح عطا فرمادی تھی دشمن پیچھے بھاگ گیا تھا ---- پھر ہم لوگ مالِ غنیمت پر ٹوٹ پڑے تو دشمن نے ہمیں تیروں پر دھر لیا اور ہم بھاگ کھڑے ہوئے۔

علامہ آلوسیؒ نے ایک اور وجہ لکھی ہے کہ: "مکہ کے وہ لوگ جو "طلقاء" تھے ---- وہ مسلمانوں کو شکست میں مبتلا کر دینے کی نیت سے بھاگے تو فوج کے دوسرے لوگ بھی بھاگ کھڑے ہوئے"۔ (روح المعانی جلد ۱۰ صفحہ ۶۶)

بہرحال وجہ اور سبب بھاگنے کا کچھ بھی ہو ---- یہ اللہ رب العزت کی طرف سے ہلکا سا تازیانہ تھا کہ تم نے میری ذات پر بھروسا اور توکل چھوڑ کر عددی کثرت اور سامان حرب پر بھروسا کیوں کیا؟

اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ ---- جب تم اپنی کثرت پر اترانے لگے ---- فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا ---- پھر وہ کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ---- اور زمین باوجود کشادگی کے تم پر تنگ ہو گئی ---- ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ (توبہ ۹: ۲۵) ---- پھر تم پیٹھ دے کر بٹ گئے۔

امام الانبیاءؐ کی استقامت

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم بارش کی طرح برسنے والے تیروں میں ڈٹے ہوئے تھے ---- چند ساتھی ---- جانثار ساتھی جن میں ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ بھی شامل ہیں، آپؐ کے ہمراہ ہیں ---- جب شہسوار اپنی سواریوں پر بھاگ رہے تھے اس وقت ایک شہسوار تھا جو اپنے سفید خچر کا رخ تیروں کی جانب

موڑے پہاڑ کی طرح کھڑا تھا ---- آپ بلند آواز سے پڑھ رہے تھے ----

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

اس دلیرانہ رجز میں وہی پیغام ------ اور وہی تبلیغ چھپی ہوئی تھی جس کے لیے آپ کی بعثت ہوئی ----- یعنی چاہے تمام لوگ ہٹ جائیں اور سارے مجاہدین پیٹھ پھیرلیں ----- مگر میں ----- میری رسالت، میرا قرآن اور میرا پیغام سب سچے ہیں ----- چاہے کوئی میرے ساتھ رہے یا نہ رہے۔

آپ کے خچر کی ایک رکاب آپ کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے سنبھال رکھی تھی اور دوسری رکاب آپ کے چچا زاد بھائی ----- فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہونے والے حضرت سفیان بن حارث رضی اللہ عنہ (معروف ابوسفیان نہیں جو حرب کے بیٹے ہیں) نے تھام رکھی تھی۔

پھر آپ نے آواز لگائی :

اَیُّهَا النَّاسُ ! هَلُمَّ اِلَیَّ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ اَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ

لوگو! میری طرف پلٹو! میں ہوں اللہ کا رسول ---- میں ہوں عبد اللہ کا بیٹا محمد!

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ---- میں بلند آواز تھا، اس لیے آپ نے مجھے حکم فرمایا کہ پورے زور سے آواز لگاؤ ----- اَیْنَ اَصْحَابُ السَّمُرَةِ ؟ ----- وہ کیکر کے درخت کے نیچے بیعت کرنے والے کہاں ہو؟۔

یَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ ! ----- اے انصار کا گروہ ---- سیدنا عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : جونہی میں نے اور آپ نے آواز لگائی ----- صحابہ فوراً سنبھلے ---- اور آواز کی طرف لبیک لبیک کہتے ہوئے اس طرح پلٹے جس طرح گائے اپنے بچوں کی طرف پلٹتی ہے ---- دیکھتے ہی دیکھتے مہاجرین و انصار امام الانبیاء کے گرد پروانوں کی طرح جمع ہوگئے ---- اور مجاہدانہ وار آگے بڑھ کر

داد شجاعت دینے لگے ------ ادھر رحمتِ کائنات صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ایک مٹھی خاک اور کنکریوں کی دشمن کی جانب پھینکی ----- جو دشمن کی آنکھوں میں جا پڑی ----- اور ساتھ ہی آپؐ نے خوشخبری سنائی :

اِنْهَزَمُوْا وَ رَبِّ مُحَمَّدٍ ------ محمد (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) کے پالنہار کی قسم وہ شکست کھا گئے۔

پھر دیکھنے والوں نے دیکھا کہ دھواں دار جنگ شروع ہو گئی ----- مہاجرین و انصار نہ رکنے والے سیلاب کی طرح آگے بڑھے ---- تو لڑائی اور جنگ کا رنگ بدل گیا ----- میدان کا نقشہ پلٹ گیا ---- اور بساط ہی الٹ گئی ---- مُسلمانوں کے زبردست حملے کی تاب نہ لا کر کفار میدان سے بھاگنے لگے ---- جو رہ گئے وہ غلام بنا لیے گئے ---- نتیجہ یہ نکلا کہ شروع کی معمولی شکست فتح و نصرت میں بدل گئی ----- دشمنوں کے تقریباً ستر آدمی مارے گئے ----- مشرکین کا علم بردار عُثمان بن عبداللّٰہ بھی قتل ہو گیا۔

مشرکین کا ایک سردار مالک بن عوف تمام جنگ جو فوجیوں کو لے کر طائف کے قلعہ میں گھس گیا اور دوسرا سردار درید بن صمہ کچھ مردوں اور سب عورتوں اور بچوں کو لے کر اوطاس میں پناہ گزین ہو گیا۔

امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فوج کا ایک دستہ حضرت ابوعامر اشعری رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کی سرکردگی میں اوطاس کی طرف بھیجا۔ (اوطاس کی وادی طائف اور حنین کے درمیان ہے۔)

سیدنا ابو عامر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ تو شہید ہو گئے لیکن ان کے چچا زاد بھائی سیدنا ابوموسیٰ اشعری رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ نے آگے بڑھ کر حملہ کیا اور علم بردار کو قتل کر دیا ---- کفار کے جھنڈے کا گرنا تھا کہ پورے لشکر نے راہِ فرار اختیار کر لی۔

چھ ہزار عورتیں اور بچے، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں،

چار ہزار اوقیہ چاندی بطور غنیمت مُسلمانوں کو ملے جو آپؐ کے حکم سے جعرانہ کے مقام پر محفُوظ کر دیے گئے اس حکم کے ساتھ کہ جب تک طائف سے فارغ ہو کر نہ آؤں اس کو تقسیم نہ کیا جائے۔

طائف کا محاصرہ

حنین کی جنگ کے بھگوڑے ------ مالک بن عوف کی قیادت میں طائف کے مقام پر آگئے تھے ---- یہ ایک انتہائی محفُوظ مقام تھا ---- اس کے اندر کئی سالوں تک کے کھانے پینے کا انتظام کر لیا گیا تھا ----- قلعہ کے اوپر چاروں جانب منجنیقیں نصب تھیں اور وہاں تیر انداز دستے بٹھا دیے گئے تھے ----- یہ محاصرہ بیس دن تک جاری رہا ----- مُسلم میں ایک روایت ہے کہ محاصرہ چالیس دن تک جاری رہا ------ مگر قلعہ فتح نہ ہو سکا ------ ادھر سے تیر اندازی اور پتھر زنی کی وجہ سے کئی مجاہدین زخمی ہوئے اور بارہ کے قریب شہید بھی ہوئے ----- چالیس دن کے مسلسل محاصرے کے بعد آپؐ نے اس دعا کے ساتھ محاصرہ ختم کر دیا ---- مولا! ثقیف کو ہدایت دے اور انہیں میرے ہاں لے آ۔
سامعین گرامی! میں بیان کروں گا اور آپ سنیں گے کہ آگے جا کر اس کا ظہور کیسے ہوا۔

مالِ غنیمت کی تقسیم

طائف کے محاصرے سے فارغ ہو کر آپؐ ۵ ذی قعدہ ۸ھ میں جعرانہ تشریف لائے یہاں آپؐ تقریباً دس روز رہے --- مقصد یہ تھا کہ شاید ہوازن کے لوگ آئیں --- تائب ہوں اور اپنا مال لے جائیں --- مگر جب دس دن تک وہ نہ آئے تو آپؐ نے مالِ غنیمت مجاہدین اسلام میں تقسیم فرما دیے --- ہر مجاہد کے حصے میں چار اونٹ اور چالیس بکریاں آئیں۔ پورے مال کا خمس جو آپؐ کے پاس تھا اور جس کی تقسیم بھی آپؐ کی صوابدید پر تھی --- اس میں سے آپؐ قریش

کے سرداروں کو ---- دوسرے قبائل کے رئیسوں کو ---- نئے نئے مُسلمان ہونے والوں کو بطور تالیف القلوب بڑی فراخ دلی سے بہت کچھ عطا فرمایا۔
---- ابوسفیان بن حرب کو سو اونٹ اور تقریباً چھ کلو چاندی عطا فرمائی ---- اور اتنا ہی اس کے بیٹے یزیدؓ کو اور اتنا مال اس کے دوسرے بیٹے معاویہؓ کو بھی عطا فرمایا ---- صفوان بن امیہ کو تین سو اونٹ دیے ---- کسی کو پچاس اونٹ ---- کسی کو چالیس اونٹ دیے۔

وہ مال لے جائیں تم رسُول اللہ کو

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کی غنیمت اس طرح تقسیم فرمائی کہ اس کے خمس ---- پانچویں حصے میں سے ان لوگوں کو بہت دیا جو مکہ مکرمہ کے نئے نئے مُسلمان ہوئے تھے اور چند دن پہلے تک اسلام کے اور مُسلمانوں کے شدید ترین مخالف تھے ---- دشمن تھے اور دینِ حق کو اور داعیٔ اسلام کو مٹانے کی جدو جہد اور کوشش میں مصروف تھے۔

اس تقسیم پر بعض انصار کو اعتراض ہوا ---- بشری تقاضوں کے مطابق یہ بعید بھی نہیں ---- پھر تقسیم میں اتنا فرق کہ ایک کو چار اونٹ اور دوسرے کو سو اونٹ؟ دل میں خیال آنا لازمی تھا۔

کسی انصاری نے کہا --- آپؐ نے قریش کو نوازا اور ہمیں بھول گئے --- کسی کے منھ سے نِکلا --- تلواریں چلانے کے لیے ہم اور غنیمت لینے کے لیے قریش --- ان ہی لوگوں نے مُسلمانوں کو مکہ سے نکالا تھا --- پھر ہم نے مُسلمانوں کو مدینہ میں ٹھہرایا --- پھر ہم نے تلوار چلائی ---- آج غنیمت کی تقسیم کا وقت آیا تو ہمیں تھوڑا سا اور معمولی سا دیا گیا اور قریش کی تجوریاں بھر دی گئیں۔

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی ---- تو انصار کو بلایا اور فرمایا:
اے انصار! تم گمراہ تھے، پھر اللہ نے میرے ذریعے تمھیں ہدایت کی

دولت سے سرفراز فرمایا ---- تم میں پھوٹ تھی اختلافات تھے اور لڑائیاں تھیں، پھر میرے سبب تم کو متحد اور متفق اور مامون کر دیا ---- تم مفلس تھے، میرے ذریعے تمھاری ناداری اور مفلسی کو فراخی اور تونگری میں بدل دیا۔

اے انصار! تم بھی کہہ سکتے ہو کہ جب لوگوں نے آپؐ کی تکذیب کی تو ہم نے تصدیق کی ---- جب لوگوں نے آپ کو مکے سے نکالا تو ہم نے پناہ دی ---- آپؐ بے سرو سامان آئے تھے ہم نے سامان و اسباب فراہم کیا۔

یہ سب باتیں اپنی اپنی جگہ پر پہنچی ہیں ---- مگر اے انصاریو! کیا تم اس بات پر راضی اور خوش نہیں ہو کہ دوسرے لوگ اونٹ اور بکریاں لے کر جائیں اور تم محمدؐ کو اپنے گھر لے جاؤ ---- انصار آپؐ کی اس روح افزاء بات پر بے اختیار چیخ اٹھے اور یک زبان ہو کر بولے ---- ہم کو صرف محمدؐ درکار ہیں ---- رضینا برسول اللہ (ﷺ) ---- اکثر انصاری روتے روتے ہلکان ہو رہے تھے ---- آنسوؤں سے ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں ---- پھر آپؐ نے انصار کو سمجھایا کہ مکہ کے جن نئے نئے مسلمانوں کو میں نے جو کچھ دیا ہے ---- وہ ان کے حق کی بنا پر نہیں دیا بلکہ تالیف قلب اور انھیں اسلام کے ساتھ مانوس کرنے کی غرض سے دیا ہے۔ (بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۲۰)

بنو ہوازنؓ کا وفد خدمتِ نبویؐ میں

غنیمت کی تقسیم کے بعد نو آدمیوں پر مشتمل بنو ہوازن کا وفد آپؐ کی خدمت میں پہنچا ---- اور اپنے چھ ہزار قیدیوں کی رہائی اور آزادی کے لیے رحم کی اپیل کی ---- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی والدہ حلیمہ سعدیہ اسی قبیلہ سے تعلق رکھتی تھیں ---- وفد کے سربراہ نے بڑی رقت سے بہت مؤثر تقریر کی ---- اور کہا یا رسول اللہ! آپؐ نے جن لوگوں کو قیدی بنایا ہے ان میں آپؐ کی مائیں اور بہنیں ہیں ---- آپؐ کی خالائیں

اور پھوپھیاں ہیں ---- آپؐ کے چچا اور ماموں ہیں ---- وہ بھی جنھوں نے آپؐ کو گود میں کھلایا ہے ---- ایسے لوگ آج آپؐ کی مہربانی اور رحم سے کیسے محروم رہ سکتے ہیں۔

آپؐ نے فرمایا ---- میں تو دس دن تک تُمھارا منتظر رہا، مگر تم نے آنے میں دیر کردی ---- اب قیدی، غلام اور لونڈیوں کے طور پر مجاہدین کے درمیان تقسیم ہوچکے ہیں ---- اب تم ایسے کرو کہ میں ظہر کی نماز پڑھا چکوں تو تم لوگ اٹھ کر ---- مجاہدین کو سفارشی بنا کر درخواست پیش کرنا ---- انھوں نے ظہر کی نماز کے بعد ایسے ہی کیا۔

امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان کی درخواست سن کر صحابہ کرام سے فرمایا ---- یہ اہل ہوازن تائب ہو کر آئے ہیں ---- قیدیوں کی آزادی کی اپیل اور درخواست لے کر ---- میں اپنے اور بنو عبدالمطّلب کے حق سے دستبردار ہوتا ہوں ---- اور تُمھارے لیے بھی میری یہی سفارش ہے ---- مہاجرین نے کہا: یارسُول اللّٰہ ہم اپنے حصّے کے قیدیوں کو آزاد کرتے ہیں ---- انصار نے کہا ہم بھی آپؐ کی پیروی کرتے ہوئے اپنے حصّے کے قیدیوں کو آزاد کرتے ہیں۔

کچُھ نئے نئے مُسلمان ہونے والوں نے اپنے حصّے کے قیدی آزاد کرنے میں پس و پیش کی تو آپؐ نے انھیں ہر قیدی کے عوض چھ اونٹ دیے اور اس طرح دیکھتے ہی دیکھتے ---- چھ ہزار قیدی آزادی کا سانس لیتے ہوئے اپنے گھر روانہ ہوگئے ---- رسُولِ رحمت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ہر ہر قیدی کو ایک ایک چادر بھی عطا فرمائی۔

ان قیدیوں میں آپؐ کی دودھ شریک بہن شیما بنت حارث بھی تھی ---- اسے نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں لایا گیا تو اس نے اپنا تعارف کروایا ---- پھر آپؐ نے اسے ایک علامت سے پہچان لیا ---- آپؐ نے

رضاعی بہن ---- حلیمہ سعدیہ کی بیٹی کی بڑی عزت و تکریم کی اپنی چادر بچھا کر اسے
بٹھایا ---- بچپن کی یادوں کے تذکرے ہوئے تو آپؐ کی آنکھوں میں آنسو تیرنے
لگے ---- شیما مسلمان ہوگئیں اور آپؐ نے اسے کچھ اونٹ اور بکریاں ---- تین
غلام اور ایک لونڈی عطا فرمائی اور واپس جانے کی اجازت دے دی۔

(اصابہ جلد ۴ صفحہ ۳۴۴)

میں بیان کر چکا ہوں کہ آپؐ نے طائف کے قلعے کا محاصرہ ختم کرتے ہوئے
دعا فرمائی تھی ---- مولا ثقیف کو ہدایت دے اور انھیں میرے پاس لے آ۔
آپؐ کی یہ دعا قبول ہوئی اور ابھی آپؐ واپس مدینہ منورہ پہنچے ہی تھے
کہ طائف کا رئیس عروہ بن مسعود ثقفی حاضر خدمت ہوا اور مشرف باسلام ہو گیا۔
اس کے بعد ثقیف کا ایک وفد پہنچا اور حلقہ بگوشِ اسلام ہو گیا۔
پھر بنو ہوازن کا سردار اور سپر کمانڈر مالک بن عوف ایک جماعت لے
کر مدینے حاضر ہوا اور دولتِ ایمانی سے مالا مال ہو گیا۔

امام الانبیاء ﷺ غزوۂ حنین اور محاصرہ طائف اور تقسیم غنائم سے
فارغ ہو کر اٹھارہ ذیقعدہ کو جعرانہ سے عمرے کا احرام باندھ کر مکہ مکرمہ روانہ ہوئے
---- عمرے کی ادائیگی کے بعد مکہ کے کچھ انتظامی معاملات نمٹا کر اور سیدنا معاذ بن
جبل رضی اللہ عنہ کو دین اسلام کا معلم بنا کر ---- تقریباً دو ماہ سولہ روز کے بعد ۲۷ ذی
قعدہ ۸ھ کو آپؐ اپنے قدسی صفات صحابہ کے ساتھ مدینہ پہنچے۔

ابراہیم کی پیدائش

ذوالحج ۸ھ میں آپؐ کے ایک بیٹے کی ولادت با سعادت ہوئی جو سیدہ ماریہ قبطیہ
کے بطن سے پیدا ہوئے۔ آپؐ نے بیٹے کا نام اپنے جدِ امجد کے نام پر ابراہیم
رکھا ---- اور اسے دودھ پلانے کے لیے ام بردہ بنت منذر رضی اللہ عنہا کے
حوالے کیا جو ایک لوہار کی اہلیہ تھیں ---- ان کے چھوٹے سے گھر میں بھٹی کا

دھواں بھرا رہتا---- آپؐ بھی اپنے فرزند کو دیکھنے وہاں جاتے تو دھواں آپؐ کو پریشان کیے رکھتا۔

۸ھ ہی میں آپؐ کی بڑی بیٹی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔

۹ھ غزوۂ تبوک یا جیشِ عسرت

فتح مکہ کے ساتھ ہی مشرکین کی تمام تر قوت زیر ہو گئی تھی---- عرب کے دوسرے بڑے قبیلے ثقیف ہوازن ان کی کمر غزوہ حنین کے ساتھ ہی ٹوٹ گئی تھی---- خیبر کے قلعوں پر زوردار حملے یہود کی ناکامیوں کا منہ بولتا ثبوت تھا---- فتح مکہ اور غزوۂ حنین کی کامیابی نے عرب کے لوگوں کے سر اللہ کے سامنے جھکا دیے تھے۔

ایک بہت بڑی طاقت---- عیسائیوں کی روم میں تھی جس کا سربراہ ہرقل تھا---- یہ اپنے آپ کو دنیا کی سپر طاقت سمجھتے تھے۔ (جس طرح آج امریکہ لعین اپنے آپ کو دنیا کی سپر طاقت سمجھ رہا ہے۔) رومی ابھی ابھی کچھ مدت پہلے دنیا کی دوسری سپر طاقت ایران کو شکست دے چکے تھے---- جس کی بنا پر ان کے حوصلے بلند تھے اور وہ چاہتے تھے کہ مدینہ سے سر اٹھانے والی نئی قوت کو (جس نے خیبر والوں سے اور اہلِ عرب سے اپنی طاقت کا لوہا منوا لیا ہے) دبا دیا جائے---- ان کے پاس دولت بھی تھی، طاقت و قوت بھی، اور پیشہ ور فوج بھی---- سامان جنگ بھی وافر تھا---- پھر انھیں عددی قوت پر گھمنڈ بھی تھا---- پھر وہ تازہ تازہ ایرانیوں کو شکست سے دوچار کر چکے تھے۔

۹ھ میں شام کے کچھ تاجر روغن زیتون فروخت کرنے مدینے آئے تو انھوں نے اطلاع دی کہ رومیوں نے ایک بہت بڑا لشکر مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے تیار کیا ہے اور فوجیوں کو سال بھر کی تنخواہیں پیشگی ادا کر دی ہیں---- اس اطلاع سے پہلے بھی خبریں پہنچ رہی تھیں کہ رومی مدینے پر لشکر کشی کی تیاری

اور کسی وقت بھی مدینے پر حملہ ہو سکتا ہے۔
میں مصروف ہیں ----
امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اطلاعات کی تصدیق ہونے پر مسلمانوں کو
بھی تیاری کا حکم صادر فرمایا ---- بجائے اس کے کہ رومی پیش قدمی کرکے مدینہ
پہنچیں ---- کیوں نہ ہم شام کی سرحد پر جاکر رومیوں سے دو دو ہاتھ کرلیں ----
اس طرح لوگوں کے دلوں سے سپر طاقت کا دبدبہ اور خوف نکل جائے گا۔
آپ نے تیاری کا اور رومیوں سے مقابلے کا اور شام کی سرحد کی
طرف نکلنے کا حکم تو صادر فرمایا --- مگر صحابہ کرام کے لیے یہ وقت بڑا کٹھن تھا
---- بہت ہی مشکل اور دشوار تھا --- سرزمین حجاز میں قحط سالی کی کیفیت ہے
---- معاشی حالات نہایت تنگ دستی کے تھے ---- کھجوریں پکی ہوئی تھیں ----
جن پر سارے سال کی معیشت کا دار و مدار تھا ---- سامانِ رسد کی تنگی، موسم
انتہائی گرم ---- اور مسافت بڑی طویل، اور راستہ صحرائی ---- ریت کے
ٹیلے ---- راستے میں پانی کا فقدان ---- غرضیکہ مسلمانوں کے لیے سخت آزمائش
کا وقت تھا ---- گرمیوں کے موسم میں صحرا میں گرم ہوا سے واسطہ ---- مگر
اسلام کے شیدائی اور فدائی دنیا کی ضروریا اور موسم کے مصائب اور مسافت کی
تکالیف اور زادِ راہ اور پانی کا فقدان ضروریات ---- روم جیسی بڑی طاقت سے
مقابلہ ---- ان سب باتوں سے بے پرواہ ہوکر اور بے خوف ہوکر پروانہ وار
---- دین پر قربان اور نثار ہونے کے لیے مدینہ منورہ میں جمع ہونے لگے۔

چندے کی اپیل

اس غزوہ میں حالات انتہائی دگرگوں تھے ---- تنگی اور عسرت بہت زیادہ تھی،
اسی لیے اس غزوے کا ایک نام جیش العسرۃ (تنگی کا لشکر) بھی رکھا گیا ہے۔
آپ نے غالباً پہلی مرتبہ عام چندے کی ---- اور مالی اعانت کی اپیل فرمائی۔
پھر چندہ دینے والوں نے بھی ایثار و قربانی کے ایسے ایسے نمونے

پیش کیے کہ آسمان کے ملائکہ بھی حیران رہ گئے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس غزوہ میں مجاہدین کے لیے ---- پہلے ہی سے کچھ سامان تیار کر رکھا تھا ---- جس میں پالان اور کجاوے سمیت دو سو اونٹ اور تقریباً انیس کلو چاندی تھی ---- حضرت عثمان نے یہ سب کچھ پیش کر دیا ---- آپ نے پھر اپیل فرمائی ---- حضرت عثمان نے پالان اور کجاوے سمیت ایک سو اونٹ پیش کیے ---- پھر اپیل ہوئی تو ایک ہزار دینار تقریباً پانچ کلو سونا لے آئے ---- آپ سونے کے دیناروں کو اپنی جھولی میں اچھالتے اور فرماتے ---- مَا ضَرَّ عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْيَوْمِ ---- آج کے بعد عثمان جو کچھ بھی کریں ان سے کچھ مواخذہ نہیں ہوگا ---- اس کے بعد سیدنا عثمان نے اور مال پیش فرمایا ---- یہاں تک کہ ان کے چندے کی مقدار سونے اور چاندی کے علاوہ نو سو اونٹ مع سامان اور ایک سو گھوڑے تک جا پہنچی۔

(فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۴۴)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے چالیس ہزار درہم حاضر خدمت کیے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ چندے کی اپیل سن کر گھر گئے اور نصف مال خدمتِ نبوی میں پیش کیا ---- اور سوچا آج میں نیکی کے اس کام میں سیدنا صدیق اکبر سے بڑھ جاؤں گا ---- اس لیے کہ گھر کا نصف مال بہت زیادہ ہے ---- پھر سیدنا ابوبکر بھی آئے اور مال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں لا رکھا۔

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے پوچھا ---- گھر والوں کے لیے کیا رکھا ---- انھوں نے عرض کیا آدھا ---- پھر حضرت ابوبکرؓ سے پوچھا کہ تم نے گھر والوں کے لیے کیا رکھا؟ ---- انھوں نے کہا:

اَللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ ---- گھر والوں کے لیے اللہ اور اس کے رسول کی

محبت کو رکھا ہے ---- گھر میں جھاڑو دے کر سب آپؐ کی خدمت میں حاضر کر دیا ہے۔

لوگو! یہی وہ صدیقیت ہے جس کو معلوم کرنے کے بعد عمرؓ نے مقابلے اور مسابقت کا خیال ہمیشہ کے لیے دل سے نکال دیا تھا۔

یہ بڑے بڑے دولت مند اور صاحب ایثار خدمت نبوی میں عطیات کے ڈھیر لگا رہے ہیں ---- مسجد میں کھجوروں کا اور سامان کا ڈھیر لگا رہا ہے ---- صرف ایک صحابی عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ نے نوے وسق یعنی ساڑھے تیرہ ہزار کلو کھجوریں لا کر پیش کی تھیں ---- اتنے میں ایک مسکین اور مزدور صحابی ابو عقیل انصاری حاضر ہوتا ہے ---- اس کے ہاتھ میں دو سیر کھجوروں کی چھوٹی سی تھیلی ہے ---- سامنے ڈھیر کو دیکھ کر اپنی معمولی سی پونجی کو دیکھا ---- آنکھوں میں شرمندگی جھلک رہی ہے ---- امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم مسکینوں کے آقا ---- غریبوں کے ہمدرد نے دیکھا اور کہا ابو عقیل یہ کیا ہے؟

کہنے لگے: یا رسول اللہ! آپؐ نے چندے کی اپیل فرمائی ---- میرے گھر میں کچھ بھی نہیں تھا ---- میں نے رات ایک باغ میں مزدوری کی ---- چار سیر کھجوریں مزدوری میں ملیں ---- دو سیر بھوک سے نڈھال بچوں کو دے دیں اور دو سیر چندے میں دینے کے لیے آیا ہوں۔

رحمت کائنات اپنے جانثار کی بات سن کر اور اخلاص دیکھ کر مسکرائے ---- پھر فرمایا:

ابو عقیل انصاری کی لائی ہوئی دو سیر کھجوریں چندے میں جمع شدہ تمام مال و اسباب پر بکھیر دو۔

اللہ اللہ! اخلاص کی قدر افزائی، مسکینوں کی دلداری، بے کسوں کی دردمندی، اور غریبوں کی دلجوئی کی ایسی مثال میرے نبیؐ کے علاوہ کسی اور کی

سیرت میں مل سکتی ہے؟ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔

ایثار و قربانی ---- جہاد کا جذبہ اور شہادت کی تمنا ---- یہ تمام نمونے دیکھنے کے باوجود بھی بیاسی (تقریبًا) افراد ایسے تھے جو جھوٹے سچے عذر پیش کر کے ---- امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ جانے سے رہ گئے۔

ان میں حضرت ابوخیثمہ بھی تھے ---- گھر آئے تو بیویوں نے درخت کے نیچے چھڑکاؤ کر کے جگہ تیار کی تھی ---- کھانا تیار تھا ---- ابو خیثمہ نے یہ اہتمام دیکھا تو فرمایا ---- اللّٰہ کے پیارے نبی تو سورج کی تپش اور گرم لو کے تھپیڑوں میں ہوں اور ابوخیثمہ اپنی بیویوں کے درمیان طرح طرح کے کھانوں میں مصروف ہو ---- اللّٰہ کی قسم ایسا نہیں ہو سکتا ---- پھر نکلے اور نبی اکرمؐ کو جا ملے۔

سیدنا ابوذر غفاری رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کا اونٹ لاغر اور کمزور تھا ---- پھر اونٹ چلنے کے قابل ہی نہ رہا ---- ابوذرؓ نا امید ہوئے تو اپنا سامان پشت پر لادا اور پیدل تبوک کی طرف روانہ ہو گئے۔

نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ابوذرؓ کو تن تنہا آتے ہوئے دیکھا تو فرمایا:

"اللّٰہ ابوذرؓ پر رحم فرمائے۔ اکیلا چلا آرہا ہے،
اکیلا مرے گا اور اکیلا ہی اٹھایا جائے گا"۔

پھر ایسے ہی ہوا۔ خلافت عثمانی میں ربذہ کے مقام پر تنہا وفات پائی ---- تجہیز و تکفین کرنے والا کوئی نہیں تھا ---- اتفاق سے سیدنا عبداللّٰہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کوفہ سے واپس آرہے تھے، انھیں پتا چلا کہ اس ویرانے میں ابوذرؓ کا انتقال ہوا ہے ---- تو انھوں نے تجہیز و تکفین کی اور نماز جنازہ پڑھائی۔ (زرقانی جلد ۳ صفحہ ۷۱)

ان کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی اپنی غفلت اور سستی کی بنا پر غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے جن کی توبہ قبول ہوئی ---- اس کا تذکرہ آخر میں کروں گا۔

ان شاء اللّٰہ

تبوک روانگی

تبوک روانگی سے پہلے آپ نے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو اپنے اہل و عیال کی نگرانی کے لیے مدینہ منورہ چھوڑا اور تیس ہزار کا لشکر لے کر تبوک کی طرف روانہ ہو گئے۔ تبوک مدینے اور دمشق کے درمیان ایک مقام کا نام ہے ---- لشکر اسلام کی یہ روانگی رجب ۹ھ میں ہوئی ---- باوجود اتنے چندے کے پھر بھی سواریوں کی انتہائی کمی تھی ---- اٹھارہ اٹھارہ آدمیوں کے لیے ایک اونٹ تھا۔ جس پر وہ باری باری سوار ہوتے ----- کھانے پینے کی انتہائی قلت تھی ---- بسا اوقات درختوں کے پتے کھانے پڑتے۔ جس سے صحابہ کے ہونٹ متورم ہو گئے ---- مگر اتنی تنگی کے باوجود بھی جہاد اور شہادت کے جذبے نے گرمی، بھوک، پیاس کا خطرہ ان کے دلوں سے محو کر دیا تھا۔

راستے کے کچھ واقعات

تبوک کے راستے میں ---- صحراؤں میں پانی کا فقدان تھا ---- اور پانی کے نہ ملنے سے قدم اٹھانے دشوار ہو رہے تھے ---- صحابہؓ نے آپ کی خدمتِ اقدس میں پانی کے نہ ہونے کی شکایت کی ---- آپ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے ---- پھر دیکھتے ہی دیکھتے بادلوں کا ایک ٹکڑا آسمان کی بلندیوں پر نمودار ہوا اور موسلا دھار برس کر گزر گیا ---- پورے لشکر نے پیٹ بھر کر پانی پیا اور راستے کے لیے مشکیں اور دوسرے برتن بھی بھر لیے۔

تبوک پہنچنے سے ایک دن قبل امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا: "کل ہم تبوک کے چشمے پر پہنچ جائیں گے ----- تم میں سے کوئی شخص میرے پہنچنے سے پہلے اس چشمے سے پانی نہ لے ---- حضرت معاذ بن جبل کہتے ہیں کہ آپ چشمہ پر پہنچے تو اس میں سے تھوڑا تھوڑا پانی آ رہا تھا ---- پھر آپ نے وہ پانی ایک برتن میں جمع فرمایا ---- آپ نے اس میں اپنا منہ دھویا۔

پھر وہ پانی اس چشمے میں ڈال دیا ---- پانی ڈالنے کی دیر تھی کہ اس چشمہ سے پانی بہت تیزی سے بہنے لگا ---- جس سے تمام لشکر سیراب ہو گیا ---- پھر آپؐ نے معاذ بن جبل کو فرمایا: ---- اے معاذ! اگر تم زندہ رہے تو اس جگہ کو باغات سے سرسبز و شاداب دیکھو گے۔ (مُسلم جلد ۲ صفحہ ۲۴۶)

کہتے ہیں کہ آج تک وہ چشمہ فوارے کی طرح جاری ہے ---- دور سے اس کی آواز سنائی دیتی ہے اور اردگرد کا علاقہ باغات سے سرسبز و شاداب ہے۔ (خصائص کبریٰ جلد ۱ صفحہ ۲۷۳)

ایک عجیب شہادت

غزوہ تبوک کے سفر میں ایک عجیب اور اہم واقعہ عبداللہ ذوالبجادین کی شہادت ہے ---- ذوالبجادین کا لقب ان کو رحمتِ کائناتؐ نے عطا فرمایا تھا ---- "ذوالبجادین" کا معنی ہے: "دو کپڑوں والا"۔

اس کا نام عبدالعزیٰ تھا اور یہ مدینہ کے قریب کسی گاؤں میں مُقیم تھا ---- بچپن میں والد نے انتقال کیا اور چچا نے پالا پوسا ---- وہی اس کا سرپرست اور ولی بھی تھا ---- عبدالعزیٰ کے کانوں میں اسلام کی آواز پہنچی ---- اسلام قبول کرنے کا شوق اور دیدارِ نبیؐ کا ذوق مچلنے لگا ---- ڈرتے ڈرتے چچا سے ذکر کیا ---- اس نے انکار کیا ---- اس نے اصرار کیا ---- چچا نے خوب مارا ---- ریوڑ چھین لیا اور جسم کے کپڑے تک اتار کر گھر سے نکال دیا۔

یہ اسی حالت میں ماں کے ہاں پُہنچا ---- ماں نے ایک چادر دی جس کے دو ٹکڑے کر کے ایک باندھ لیا اور دوسرا اوڑھ لیا ---- اور اسی حالت میں سفر کر کے مدینے پُہنچا ---- امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے سینے سے لگایا ---- بیعتِ اسلام فرمائی ---- نام بدل کر عبدالعزیٰ سے عبداللہ رکھا اور دو کپڑے استعمال کرنے کی روئیداد سن کر "ذوالبجارین" (دو کپڑوں والا) کے لقب سے

نوازا ---- اور اصحاب صفہ میں داخل کر دیا گیا۔
(سامعینِ گرامی قدر ! یہاں ایک لمحہ کے لیے ٹھہر کر ---- ایک بات کی طرف توجہ فرمائیے ---- مشرکین اپنے بچوں کے نام اپنے بتوں اور معبودوں کے نام پر رکھا کرتے تھے ---- عبدالعزیٰ (عزیٰ دیوی کا بندہ) عبدمناف (مناف کا بندہ) عبدالشمس (سورج کا بندہ) جس طرح ہمارے زمانے کے کچھ نادان اور قرآن و سنت سے ناواقف لوگ اپنے بیٹوں کے نام رکھتے ہوئے غیراللہ کی طرف نسبت کرتے ہیں ---- پیراں دتہ ---- علی بخش ---- حسین بخش ---- امام بخش ---- عطاء محمد ---- عبدالرسول، عبدالنبی وغیرہ ----- امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم شرکیہ نام کو بدل دیا کرتے تھے۔ اسلامی نام عبداللہ یا عبدالرحمٰن رکھتے تھے ---- آپ نے کسی بچے کا نام عبدالنبی، عبدالرسول نہیں رکھا۔)

یہ ذوالبجادین غزوۂ تبوک میں شریک تھے ---- راستے میں نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں درخواست کرنے لگے کہ میرے لیے دعا کیجیے اللہ رب العزت مجھے اس غزوہ میں شہادت کی موت عطا فرمائے۔

آپ نے دعا کرتے ہوئے فرمایا: مولا ! میں ذوالبجادین کا خون کافروں پر حرام کرتا ہوں ---- یہ کہنے لگا:

یا رسول اللہ ! میں شہادت کی دعا کے لیے کہہ رہا تھا اور آپ نے یہ کیا دعا کر دی؟

آپ نے فرمایا: "اگر کوئی شخص جہاد کے سفر میں طبعی طور پر بھی وفات پا جائے تو اللہ کے ہاں وہ بھی شہید ہوتا ہے"۔

تبوک کے راستے میں عبداللہ کو تیز بخار ہوا اور اس حالت میں روح جسم سے پرواز کر گئی کہ اس کے سرہانے سرتاجِ کائنات تشریف فرما تھا اور عبداللہ کی نظریں جمالِ اقدس پر جمی ہوئی تھیں۔

بعض روایات میں ہے کہ عبداللہ کی تکفین کے لیے رحمت عالمؐ نے اپنی چادر عنایت فرمائی۔ اس لیے کہ اللہ اور رسولؐ کی راہ میں عبداللہ نے برہنہ ہو کر گھر سے نکلنا گوارا کیا تھا۔ آج اس کا کفن نبوت کی چادر کو بننا چاہیے تھا۔

عبداللہ ذوالبجارین رضی اللہ عنہ کی تدفین بھی بڑے عجیب اہتمام سے اور نرالی شان سے ہوئی۔ جلیل القدر صحابہ نے قبر کھودی ---- قبر تیار ہوجانے کے بعد امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم خود قبر میں اترے اور تھوڑی دیر کے لیے لیٹ گئے ----- پھر اٹھے اور فرمایا ---- اپنے بھائی کی میت کو قریب لاؤ ---- حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے اس مبارک اور سراپا ناز لاشے کو سہارا دے کر اتارا ----- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ----- أَدَبًا اِلَی آخِیکُمَا ----- عبداللہ میرا ذوالبجادین عام مرنے والوں جیسا نہیں ہے ---- اسے دھیرے دھیرے ادب سے اتارو ---- رات کے وقت تدفین ہو رہی تھی ---- بلالؓ کے ہاتھ میں لالٹین تھی ----- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عاشق زار اور فداکار کے جسم کو اپنی گود میں لے کر قبر میں اتارا ----- ماتھے کو چوما اور آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر فرمایا ---- مولا! اس وقت تک میں اس مرنے والے سے راضی رہا ہوں تو بھی اس سے راضی رہنا۔

سیدنا عمرؓ اور سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ ----- قبر کے اوپر کھڑے رشک کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ اے کاش اس قبر میں ہم دفن ہوتے ---- ایک عمر اور ایک ابن مسعودؓ پر کیا موقوف ہے؟ دیکھنے والے تو الگ رہے ----- سُننے والوں میں کون مُسلمان ہے جو ایسی موت پر اور ایسی تدفین پر ہزار زندگیوں کو قربان کرنے کی تمنا نہ رکھتا ہو۔ ؎

منم و ہمیں تمنا کہ بوقتِ جاں سپردن
برخِ تو دیدہ باشم تو درونِ دیدہ باشی

تبوک پہنچ گئے

مُسلمانوں کا تیس ہزار افراد پر مشتمل لشکر تبوک پہنچ گیا --- راستے کی تکالیف بھوک اور پیاس، ریتلے علاقے میں پیدل سفر ---- یہ سب صعوبتیں برداشت کرتا ہوا۔

ہرقل کو جاسوسوں نے اطلاع دی ---- کہ تیس ہزار کی تعداد میں مُسلمان شام کی سرحد پر خیمہ زن ہیں ---- وہ اپنے آپ کو دنیا کی سپر پاور سمجھتا تھا --- لشکرِ اسلام کے اس طرح بے باکانہ انداز میں چڑھائی پر دنگ رہ گیا اور دہشت زدہ ہو گیا ---- وہ بڑے کر و فر سے تیاریوں میں مصروف تھا، اور اب ہوش و حواس کھو بیٹھا اور مرعوب ہو گیا اور مقابلے میں آنے کی سکت ہی نہ رہی۔

آپ کی تبوک کی طرف پیش قدمی کے بہت اچھے اثرات پڑے ---- ایک تو مُسلمانوں کی فوجی ساکھ قائم ہو گی ---- پوری دنیا میں مُسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی ---- دوسرے ارد گرد کے کچھ علاقوں کے حکمران جو رومیوں کے حاشیہ بردار تھے ---- انھیں امن کا پروانہ دے کر اپنا مطیع کر لیا۔

تبوک میں نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا قیام بیس دن رہا --- آنے جانے اور وہاں کے قیام میں تقریباً دو مہینے صرف ہوئے۔

مدینہ اور ارد گرد کے منافقین کو یقین تھا، اب کوئی مُسلمان واپس نہیں آئے گا، اس لیے کہ اس دفعہ مُسلمانوں کا مقابلہ اس قوم سے تھا جو نصف دنیا پر حکمرانی کر رہی تھی ---- اور جو ابھی ابھی ایران جیسی بڑی قوت کو شکست سے دو چار کر چکی تھی ---- منافقین کے اس زہریلے پروپیگنڈے سے مدینہ میں رہنے والے مُسلمان بھی پریشان تھے ---- پھر ایک روز مدینہ منورہ میں خوشی کی یہ خبر آئی کہ مُسلمان صحیح سلامت ---- مالِ غنیمت سے مالا مال ---- فتح و کامرانی کا

تاج پہن کر واپس پہنچنے والے ہیں ----- تو یہ خبر سن کر جتنی حسرت و ندامت --- اور جتنی ذہنی کوفت منافقین کو ہوئی ----- اتنی ہی خوشی و مسرت اور فرحت مُسلمانوں کو ہوئی ---- مدینہ میں تشریف آوری پر آپؐ کا اور لشکرِ اسلام کا زبردست استقبال کیا گیا اور اس طرح کی خوشی منائی گئی جیسی آپؐ کے ہجرت کر کے مدینہ آمد پر اہلِ مدینہ نے منائی تھی۔

مسجدِ ضرار

مدینے کا ایک شخص ابو عامر راہب انصاری عیسائی ہو کر شام کی طرف نکل گیا تھا --- مدینے کے منافقین کو کہہ گیا تھا کہ میں رومیوں کا زبردست لشکر لے کر مدینے پر حملہ آور ہوں گا اور اسلام کو اور مُسلمانوں کو اس پورے علاقے سے ختم کروں گا ---- تم ایک بیٹھک مسجد کے مقدس نام پر بنالو ---- جس میں تُمھاری میٹنگیں ہوسکیں اور میرے قاصد تم تک میرا پیغام پُہنچا سکیں --- منافقین نے مسجد قبا کے قریب ایک مسجد بنالی اور بہانہ یہ کیا کہ بوڑھے، بیمار اور کمزور لوگ مسجد قبا تک نہیں جاسکتے، وہ اس مسجد میں نماز پڑھ لیا کریں گے۔

منافقین نے اپنی مکروہ اور خبیث سازش پر پردہ ڈالنے کے لیے ---- اور مُسلمانوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے امام الانبیاء ﷺ سے درخواست کی کہ برکت کے لیے آپؐ ہماری مسجد میں تشریف لائیں اور ایک نماز پڑھ لیں۔

آپؐ نے فرمایا ---- اب تو میں تبوک جا رہا ہوں ---- ان شاء اللہ واپسی پر تُمھاری مسجد میں نماز کے لیے آؤں گا۔

واپسی پر اللہ رب العزت نے قرآن نازل فرما کر مسجد بنانے والے منافقین کی قلعی کھول دی:

﴿ وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّ کُفْرًا وَّ تَفْرِیْقًا بَیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ اِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَ لَیَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰی ؕ وَ اللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴾

" جن لوگوں نے اِسلام کو نُقصان پہنچانے کے لیے اور کفر کی تائید کے لیے اور مسلمانوں کے درمیان پھوٹ ڈالنے کے لیے اور اللہ و رسُول کے پرانے دشمن کے لیے اڈا بنانے کے لیے ایک مسجد بنائی۔ وہ قسمیں کھائیں گے کہ ہمارا ارادہ تو بھلائی ہی کا تھا اور اللہ گواہ ہے کہ وہ منافق جھوٹے ہیں۔ (سورۃ التوبۃ ۹ : ۱۰۷)

آگے فرمایا :

﴿ وَلَا تَقُمْ فِیْهِ اَبَدًا ﴾

"اس میں آپؐ نماز کے لیے کھڑے نہ ہوں"۔

آپؐ نے حضرت مالک بن خشم اور معن بن عدی کو بھیجا کہ اس مکان کو (جس کا نام انھوں نے مُسلمانوں کو دھوکا دینے کے لیے مسجد رکھا ہے) مُنہدم کردو اور آگ لگا دو۔

ایک اہم مسئلہ کی وضاحت

مسجد ضرار کا یہ سارا واقعہ آپ حضرات نے سن لیا---

انصاف سے بتلائیے ! اگر امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو ان منافقین کے برے عزائم اور ناپاک ارادوں کا علم ہوتا---- تو آپؐ تبوک جاتے ہوئے ان سے یہ وعدہ فرماتے کہ تبوک سے واپسی پر تُمھاری مسجد میں آؤں گا---- ہرگز ہرگز یہ وعدہ نہ فرماتے ---- تو پھر ماننا پڑے گا کہ امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم عالم الغیب اور حاضر و ناظر نہیں ----- عالم الغیب اور حاضر و ناظر صرف اور صرف اللہ ربُّ العزت ہے۔

پیچھے رہ جانے والے مُخلِص مؤمنین

غزوۂ تبوک جسے تنگی اور عسرت کا غزوہ کہا جاتا ہے ----- اس سے پیچھے رہ جانے والے تین قسم کے لوگ تھے۔
❶ ایک منافقین ❷ دوسرے واقعی معذورین ---- اپنی مالی اور جسمانی کمزوریوں کی وجہ سے شریک نہ ہوسکے ❸ تیسرے کچھ مُخلِص مُسلمان جو بغیر کسی عذر کے شریک نہ ہوسکے۔

تبوک سے نبی اکرم ﷺ کی واپسی پر منافقین نے جھوٹے عذر اور بہانے پیش کرنے شروع کردیے اور قسمیں کھاکھا کر اپنے بہانوں کو سچا ثابت کرنے لگے ---- آپؐ نے ان کے عذروں کو قبول کرتے ہوئے ان کو معاف کردیا ---- مُخلِص مومنوں میں سے کچھ ایسے تھے جنھوں نے نبی اکرم ﷺ کی مدینے آمد سے پہلے ہی اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں سے باندھ دیا اور قسم کھائی کہ جب تک معافی قبول کرکے نبی کریمؐ ہمیں اپنے مبارک ہاتھوں سے نہیں کھولیں گے ہم اسی طرح بندھے رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی اور نبی کریمؐ نے انھیں اپنے ہاتھ سے کھولا اور قبولیت توبہ پر مبارک باد دی۔

تبوک سے پیچھے رہ جانے والوں میں تین مُخلِص مومن ایسے تھے جنھوں نے اپنے آپ کو ستونوں سے نہیں باندھا اور آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر سچ سچ کہہ دیا ---- کہ کوئی عذر نہیں تھا ---- کوئی مجبوری اور کوئی رکاوٹ نہیں تھی ---- صرف سستی، غفلت اور کاہلی کی بنا پر پیچھے رہ گئے ---- یہ کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع تھے ---- یہ تینوں حضرات اِسلام کے فدائی، دین کے شیدائی، اخلاص کے پیکر، توحید کے پرستار، نبوت کے مُحِب اور عاشقانِ رسُول تھے۔

امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان تینوں کی بات سن کے فیصلے کو وحی الٰہی پر چھوڑ دیا ---- اور انھیں کہا گیا: منتظر رہو اللہ تمھارے بارے میں کیا فیصلہ فرماتا ہے؟۔

اور دوسرے مُسلمانوں کو حکم دیا کہ ان تینوں سے ہر قسم کا بائیکاٹ اور قطع تعلقی کرلو ---- چالیس دن گزرنے کے بعد حکم ہوا کہ ان تینوں کی بیویاں بھی ان سے الگ ہوجائیں ---- حضرت کعب بن مالک رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کہتے ہیں ہم سخت آزمائش میں تھے کہ ایک اور شدید ترین آزمائش نے مجھے گھیرلیا کہ ایک دن ایک عیسائی شخص نے مجھے غسان کے بادشاہ کا ایک خط لاکر چپکے سے میرے حوالے کردیا --- خط میں تحریر تھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تُمھارا آقا (مُحمدؐ) تم سے ناراض ہوگیا ہے۔ اگر تم انھیں چھوڑکر میرے پاس چلے آؤ تو تُمھارے ساتھ بہترین سلوک کروں گا ---- سرکاری عہدے پر فائز کردوں گا۔

حضرت کعب رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ نے بادشاہ کا خط قریب جلتے ہوئے تندور میں ڈال دیا اور کہا اپنے بادشاہ سے کہنا ---- کہ میرے آقا کی ناراضی بھی تیری عنایات سے لاکھ درجے بہتر ہے۔

پچاس دن اس مُصیبت میں گزر گئے ---- تنگی اور دکھ اور مُصیبت اتنی کہ زمین باوجود کشادہ ہونے کے تنگ ہوگئی ----

﴿ حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ﴾ (سورۃ التوبۃ ۹ : ۱۲۸)

"اور ان کی جانیں ان پر تنگ ہوگئیں اور وہ سمجھ گئے کہ اللہ کے سوا کہیں پناہ نہیں ہے"۔

پچاس دنوں کے بعد (تبوک کے سفر میں بھی پچاس دن لگے تھے) صبح کی نماز کے بعد میں اپنے مکان کی چھت پر بیٹھا ہوا تھا کہ قریبی پہاڑی سے

ایک شخص نے زور سے آواز لگائی ..... کعب بن مالک مبارک ہو اور خوشخبری ہو تمھاری توبہ قبول ہو گئی ہے۔

میں تیزی سے مسجدِ نبوی کی طرف بھاگا ..... دیکھا کہ امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اپنے صحابہؓ ساتھ تشریف فرما ہیں اور آپؐ کا چہرۂ پُر انوار خوشی سے چمک رہا ہے ..... آپؐ نے آگے بڑھ کر مجھ سے مصافحہ کیا اور فرمایا: ..... کعب! بشارت ہو، آج کا دن تمھاری زندگی کا سب سے بہترین دن ہے۔ ..... مجھے بھی بڑی خوشی ہوئی تھی ..... میں نے عرض کیا: یا رسُول اللہ! میں چاہتا ہوں کہ اپنا کل مال اللہ کی راہ میں خیرات کردوں ..... آپؐ نے فرمایا: نہیں ..... میں نے عرض کیا: آدھا مال خیرات کردوں ..... فرمایا: نہیں ..... میں نے کہا: تیسرا حصہ خیرات کردوں ..... آپؐ نے اسے منظُور کرلیا۔

(وصیت بھی مال اور جائیداد کے تیسرے حصے ہی میں کی جاسکتی ہے۔)

رئیس المنافقین کی موت

غزوۂ تبوک کی فتح ..... اسلام کی دنیا پر بیٹھنے والی دھاک اور منافقین کے نفاق کی نقاب کشائی، مسجد ضرار کے منصوبے کی ناکامی ..... یہ اتنے زیادہ صدمے تھے جس کی تاب رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نہ لاسکا، اور زندگی کی بازی ہار گیا۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ رئیس المنافقین کا بیٹا عبداللہ مخلص مومن اور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا جانثار صحابی ہے۔ اس نے آپؐ کی خدمت میں گزارش کی کہ اپنا کرتا مبارک عنایت فرمائیں، تاکہ میں اسے اپنے باپ کا کفن بنا دوں ..... اور اپنی لعاب مبارک عنایت فرمادیں، تاکہ میں اس کے مُنہ میں ڈال دوں ..... پھر اس نے گزارش کی کہ میرے باپ کا جنازہ بھی پڑھادیں .....

آپؐ نے عبداللہ صحابیؓ کی تمام درخواستیں منظور فرمالیں ---- کہ کسی طرح اس کا باپ بخشا جائے۔

مگر اللہ رب العزت نے فرمایا:

﴿ اِسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ اَوۡ لَا تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ ؕ اِنۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ سَبۡعِيۡنَ مَرَّةً فَلَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَهُمۡ ﴾ (سورۃ التوبۃ ۹ : ۸۰)

"میرے نبی آپؐ ان (منافقین) کے لیے بخشش مانگیں یا نہ مانگیں (کوئی فرق نہیں پڑتا) آپ اگر ستر بار بھی ان کے لیے بخشش مانگیں تو اللہ انھیں نہیں بخشے گا"۔ (بخاری کتاب التفسیر)

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ امام الانبیاء ﷺ مختارِ کل نہیں ---- اگر آپؐ مختارِ کل ہوتے تو اللہ رب العزت یہ کبھی نہ فرماتے کہ آپؐ ستر بار بھی مغفرت طلب فرمائیں تو میں اس کو معاف نہیں کروں گا۔

امام الانبیاء ﷺ کا کرتا مبارکہ اس کا کفن بنا ---- لعاب مبارک اس کے منھ میں ڈالا ---- مگر وہ بخشش کا باعث نہ بن سکا ---- بخشش کفن اور تبرکات کی بنیاد پر نہیں ہو سکتی ---- بخشش عقیدے اور اعمالِ صالحہ کی بنیاد پر ہوگی۔

ابوبکرؓ امیر الحج

۹ھ میں حج باقاعدہ فرض ہوا ---- اور اسلام کے اصول کے مطابق پہلا حج اسی سال ادا کیا گیا ---- امام الانبیاء ﷺ نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو امیر الحج مقرر فرمایا ---- تین سو صحابہ حج کرنے کے لیے ساتھ روانہ ہوئے ---- حجاج کے روانہ ہونے کے بعد سورۃ التوبہ کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں جن میں مشرکین سے کیے گئے عہد و پیمان کو برابری کی بنیاد پر ختم کرنے کا حکم دیا گیا تھا ---- اس حکم کے اعلان کے لیے آپؐ نے سیدنا علیؓ کو سیدنا ابوبکرؓ کے پیچھے روانہ فرمایا ----

عرب کا دستور تھا کہ عہد و پیمان کا اعلان اس شخص کی زبانی ہو جو عہد و پیمان کرنے والے کا قریبی رشتے دار ہو۔

اس سفر میں ہر موقع اور ہر جگہ پر سیدنا صدیق اکبرؓ نے امامت کے فرائض سرانجام دیئے --- مناسکِ سکھائے اور عرفات میں خُطبۂ حج ارشاد فرمایا :

وفود کی آمد

فتح مکہ، فتح حنین و طائف، غزوۂ تبوک کی کامیابی اور حج کے موقع پر مشرکین سے اعلان برارت کے بعد مُختَلِف علاقوں سے وفود کی آمد شروع ہو گئی ---- اس کثرت سے وفد آئے کہ اس سال کا نام عام الوفود ---- وفود کا سال رکھا گیا --- ہوازن قبیلے کا وفد آیا ---- بنو ثقیف کا وفد عروہ بن مسعود ثقفی کی قیادت میں حاضر ہوا ------- عبدالقیس ایک بہت بڑا قبیلہ تھا، ان کا وفد پُہنچا ---- بنو حنیفہ کا وفد حاضر ہوا ---- ہمدان یمن کا ایک بہت بڑا قبیلہ تھا، ان کا وفد حاضر ہوا ---- نجران (یمن کا بڑا شہر ہے) کا وفد ساٹھ آدمیوں پر مُشتمل مدینے پُہنچا ---- طی قبیلے کا وفد ---- بنی اسد کا وفد ---- بنی مرہ کا وفد ---- غسان کا وفد ---- گویا کہ ---

﴿ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ﴾ ---- اب لوگ اکا دکا نہیں فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے لگے۔

اسی سال آپؐ گھوڑے سے گر پڑے۔ جس کی وجہ سے دائیں پہلو اور پنڈلی پر زخم اور چوٹ آئی ---- اس چوٹ کی وجہ سے مسجد میں تشریف لانے سے قاصر تھے ---- بالا خانے پر قیام فرمایا ---- اسی دوران ایلاء کا واقعہ بھی پیش آیا۔

اسی سال شعبان ۹ھ میں آپؐ کی بیٹی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا (زوجہ سیدنا عُثمان ذوالنورینؓ) کا انتقال ہوا۔

اسی سال حبشہ کے بادشاہ نجاشی کا انتقال ہوا ---- نجاشی نے انتہائی

مُشکل وقت میں مُسلمانوں کو اپنے ملک میں بڑی عزت کے ساتھ پناہ دی تھی۔

۹ ؁ھ تک کے اہم واقعات و حالات ---- اور امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی سُنہری اور دل نشین اور خُوبصُورت سیرت و حیاتِ طیبہ کے شب و روز ---- مَیں نے آپ حضرات کے سامنے بیان کیے ہیں-----

۱۰ ؁ھ میں پیش آنے والے واقعات و حالات کا تذکرہ اور آپؐ کے اسوۂ حسنہ اور سیرت مبارکہ کا بیان ---- ان شاء اللہ آئندہ جمعۃ المبارک کے خطبے میں کروں گا۔

وما علینا الا البلاغ المبین
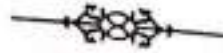
سیرت خاتم الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ۔۹

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾

آج کے دن میں نے تمھارا دین تمھارے لیے مکمل فرما دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کردی اور میں نے تمھارے لیے اسلام کو بطور دین پسند فرمایا۔

(سورۃ المائدۃ ۵ : ۳)

سامعین گرامی قدر! آپ سن چکے ہیں اور میں بیان کرچکا ہوں کہ اسلام کا چوتھا رکن حج ۹ھ میں فرض ہوا تھا ---- اور امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اس سال سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو امیر الحج بنا کر روانہ فرمایا تھا۔

۱۰ھ کو امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے حج کرنے کا ارادہ فرمایا ---- مدینے اور اردگرد کی مختلف جگہوں پر یہ خبر بجلی کی طرح پھیل گئی ---- صحراؤں میں رہنے والے بادیہ نشین، پہاڑوں کی گھاٹیوں میں بسنے والے لوگ ---- دیہاتوں اور شہروں کے باسی ---- غرضیکہ دور و نزدیک سے ---- ہر طرف سے لوگ مدینے کی طرف بڑھنے اور پہنچنے لگے ----

کہتے ہیں کہ مدینہ سے باہر خیموں کا ایک شہر آباد ہو گیا ---- ذرا سوچیے تو سہی! کون سا شخص ہو گا جسے امام الانبیاءؐ کی امامت و اقتداء میں حج ادا کرنے کی تمنا بے چین نہ کر رہی ہو ---- کس کو ایک بار کعبۂ حقیقت کے ساتھ طواف کرنے کی حسرت نہ ہو گی تقریباً ایک لاکھ کے قریب مُسلمان مدینہ منورہ میں جمع ہو گئے ---- جو آپؐ کی معیت و قیادت و امارت میں یہ فریضہ ادا کرنا چاہتے تھے۔

روانگی

۲۶ ر ذی قعدہ ۱۰ھ بروز ہفتہ ظہر کی نماز کی ادائیگی کے بعد مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے ---- تمام مہاجرین و انصار ---- اصحابِ بدر و حدیبیہ آپؐ کے ہمراہ ہیں ---- تمام ازواجِ مطہرات بھی ساتھ ہیں ---- روانگی سے پہلے آپ نے غسل فرمایا ---- بالوں میں کنگھی کی ---- تیل لگایا ---- اور مدینے سے تقریباً ۱۰ کلومیٹر کے فاصلے پر ذوالحلیفہ میقاتِ مدینہ پہنچ گئے۔ رات کو وہیں قیام فرمایا۔

دوسرے دن آپؐ نے صحابہ کرام کو سکھانے اور تعلیم دینے کے لیے اونٹنی پر سوار ہو کر احرام باندھا اور لبیک کی آواز بلند کی۔

ایک لاکھ سے زائد جانثار آپؐ کے ہمراہ ہیں ---- سب احرام کی دو سفید چادروں میں ملبُوس ---- یوں معلوم ہوتا تھا کہ آسمان کی نوری مخلوق زمین پر اتر آئی ہے ---- ہر ایک شخص اخلاص سے مالا مال ---- اللہ کے گھر کی زیارت کا جذبہ دل میں سموئے ہوئے اور اپنا سفر جاری رکھے ہوئے تھا۔

موحدین کا یہ قافلہ ---- توحید پرستوں کا یہ کارواں ---- اللہ والوں کا یہ گروہ جب بلندی و پستی کے مقامات سے گزرتے ہوئے یک زبان ہو کر تلبیہ کہتا ---- تو ان کی آواز سے دشت و صحراء گونج اٹھتے۔

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ

اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكُ لَا شَرِيْكَ لَكَ

یہ سفر---- یہ مبارک اور خوبصورت سفر---- یہ رشک ملکوت سفر تقریباً ایک ہفتہ جاری رہا اور ۴رذی الحجہ ۱۰ھ صبح کے وقت مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے---- خاندان بنو ہاشم کے کئی بچے خوشی و مسرت کے اظہار کے لیے گھروں سے باہر نکل آئے---- جن میں سے کئی ایک کو نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنے آگے پیچھے بٹھالیا۔

سیدھے بیت اللہ میں پہنچے اور بیت اللہ کو دیکھتے ہی فرمایا---- مولا اپنے گھر کو اور زیادہ معزز اور مکرم بنا دے---- پھر طواف کیا اور پھر مقام ابراہیم پر پہنچ کر دو رکعت نماز نفل ادا فرمائے اور کہا----

﴿ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰھٖمَ مُصَلًّی ﴾ (۲ : ۱۲۵) ---- پھر صفا پر تشریف لائے اور پڑھا----

﴿ اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَۃَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰہِ ﴾ (۲ : ۱۵۸) ---- صفا پر کھڑے ہو کر بیت اللہ پر نظر پڑی تو ترانہ تحمید و تہلیل بلند فرمایا---- یعنی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ یُحْیِیْ وَ یُمِیْتُ وَ ھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ○ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ اَنْجَزَ وَعْدَہٗ وَ نَصَرَ عَبْدَہٗ وَ ھَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَہٗ۔ (مسلم)

۸رذی الحجہ کو آپ مکہ مکرمہ سے منیٰ تشریف لے گئے اور ظہر، عصر مغرب عشا اور نو ذی الحجہ کی نماز فجر آپ نے منیٰ میں ادا فرمائیں---- پھر سورج نکلنے تک منیٰ میں ٹھہرے اور طلوع آفتاب کے بعد اپنی قصویٰ نامی اونٹنی پر سوار ہو کر عرفات کی جانب روانہ ہوگئے---- صحابہ کرام آپ کے دائیں، بائیں، آگے پیچھے چل رہے تھے اور امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ایک ایک ادا کو دیکھ بھی رہے تھے اور دل و دماغ میں محفوظ بھی کر رہے تھے۔

عرفات کے میدان میں پہنچ کر آپ نے وادی نمرہ میں قیام فرمایا----

زوال کے بعد قصویٰ پر سوار ہو کر میدان عرفات میں تشریف لائے ---- اس وقت آپؐ کے گرد و پیش ایک لاکھ چوبیس ہزار اور دوسری روایت کے مطابق ایک لاکھ چوالیس ہزار جانثاروں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا ----- اور ان کی زبانوں پر تلبیہ جاری تھا ----- میدان کے وسط میں پہنچ کر آپؐ نے اپنی ناقہ پر بیٹھ کر ایک خُطبہ ارشاد فرمایا ---- تاریخی اور بے مثال خُطبہ ---- لاجواب اور عدیم النظیر خُطبہ ---- خُطبہ کیا تھا ----- انسانی حقوق کا سب سے پہلا چارٹر ہے ----- انسانی حقوق کے تحفظ پر اس سے زیادہ مؤثر خُطبہ نہ آج تک کسی نے دیا اور نہ قیامت کی صبح تک کوئی ایسے حقوق بیان کر سکتا ہے۔

خُطبہ کیا ہے؟ موتیوں کی ایک لڑی ہے ---- میرے نبیؐ بول رہے تھے کہ موتی رول رہے تھے --- آپؐ کی زبان مقدس سے نِکلا ہوا ایک ایک جُملہ خُوبصُورت رنگ اور خوشبودار پھول کی طرح فضا میں چمک رہا تھا۔

آپؐ نے فرمایا:

مُجھ سے عبادت کے طریقے سیکھ لو۔ کیونکہ میں نہیں جانتا شاید کہ میں اس حج کے بعد آئندہ حج کر سکوں۔

(مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۳۱۸، ابوداؤد کتاب المناسک)

آپؐ نے یہ بھی فرمایا:

مُجھ سے احکام سیکھ لو ---- لَعَلِّی لَا اَرَاکُمْ بَعْدَ عَامِیْ ھٰذَا

شاید میں آئندہ تمھیں نہ دیکھ سکوں۔

سامعین گرامی قدر! یہاں ایک لمحہ کے لیے ٹھہریے اور آپؐ کے ارشاد پر غور فرمائیے کہ شاید اس سال کے بعد میں تمھیں نہیں دیکھ سکوں گا ----- امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے اس ارشاد کو بھی دیکھیے اور دوسری طرف ان حضرات کو بھی دیکھیے جو کہتے ہیں کہ امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں

---- ہر ہر چیز کو آپؐ دیکھ رہے ہیں ---- زمین و آسمان کی کوئی چیز آپؐ سے پوشیدہ نہیں ہے۔

کچھ اور مہربان بھی ہیں جن کا خیال یہ ہے کہ امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہر جگہ حاضر و ناظر تو نہیں ---- مگر قبر منور پر حاضر ہونے والے شخص کو آپؐ دیکھتے ہیں ---- سلام دینے والے کا سلام سُنتے ہیں ---- اور جواب بھی دیتے ہیں ---- کچھ مہربان لوگوں کو تلقین کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ داڑھی منڈا شخص روضۂ رسُول پر حاضر ہو کر سلام عرض کرے تو آپؐ اس کے سلام کا جواب نہیں دیتے ---- یہ سب باتیں اور یہ سب نظریات قرآن و سنت سے مُتصادم ہیں ---- اس قسم کے نظریات رکھنے والوں کے پاس کوئی پختہ اور مُستند دلیل نہیں ہے ---- اب ایک مرتبہ پھر امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ارشاد کو سنیے اور اپنے عقیدے کی اصلاح کریجیے ---- فرمایا:

لَعَلِّی لَا اَرَاکُمْ بَعْدَ عَامِیْ هٰذَا

"اس سال کے بعد میں تمھیں نہیں دیکھ سکوں گا"۔

دُوسری بات

دُوسری بات آپؐ نے ارشاد فرمائی:

اِنَّ دِمَآءَکُمْ وَ اَمْوَالَکُمْ وَ اَعْرَاضَکُمْ حَرَامٌ عَلَیْکُمْ کَحُرْمَةِ یَوْمِکُمْ هٰذَا فِیْ بَلَدِکُمْ هٰذَا فِیْ شَهْرِکُمْ هٰذَا۔

اے لوگو! تمھارا خون ---- تم سب لوگوں کا مال اور تم سب کی عزت و حرمت ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح آج کے دن (۹ ذی الحجہ یوم عرفہ) کی عزت کو پامال کرنا حرام ہے تمھارے اس شہر مکہ کی عزت کو پامال کرنا حرام ہے اور اس مہینے (ذی الحجہ) کی حرمت کو برباد کرنا حرام ہے۔ (بخاری کتاب العلم، بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۳۱، مُسلم کتاب الحج)

خون کی معافی

پھر فرمایا ------ اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مِنْ اَمْرِ الْجَاهِلِیَّةِ تَحْتَ قَدَمِیْ مَوْضُوْعٌ ----- لوگو! سنو جاہلیت کے زمانے اور دور کا ہر چلن میرے قدموں کے نیچے روند دیا گیا ہے ---- جاہلیت کے زمانے کے تمام خون معاف اور ختم ہیں ---- جس کی ابتداء میں اپنے گھرے کر رہا ہوں ---- میں ربیعہ بن حارثہ کے بیٹے کا خون جو ہزیل کے ذمے ہے معاف کرتا ہوں۔ (یہ بچہ بنو سعد میں پرورش پا رہا تھا کہ اسے ہزیل قبیلے کے لوگوں نے قتل کر دیا تھا۔)

جاہلیت کے دور اور زمانے کے تمام سود میں ختم کرتا ہوں ---- اصل مال تمہارا ہے ---- صرف اصل لے سکتے ہوں ---- میں سود کو ختم کرنے کا آغاز اپنے خاندان سے کر رہا ہوں۔ چنانچہ میرے چچا عباس بن عبدالمطلب کا سود جن لوگوں کے ذمے ہے وہ تمام کا تمام ختم ہے۔ (مسلم کتاب الحج)

خواتین سے سلوک

پھر فرمایا: -------- فَاتَّقُوا اللّٰهَ فِی النِّسَآءِ ----- عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو ----- فَاِنَّكُمْ اَخَذْتُمُوْهُنَّ بِاَمَانِ اللّٰهِ ----- ان کو بیوی بناتے وقت اور اپنے لیے حلال کرتے وقت تم نے اللہ رب العزت کو ضامن بنایا ہے ----- عورتوں کی ضروریات ----- کھانا، پینا اور لباس تمہارے ذمہ ہے ----- اور عورتوں کے ذمے تمہارا یہ حق ہے کہ وہ تمہارے بستر کی عصمت کی حفاظت کریں اور پاکدامن اور تمہاری مطیع بن کر رہیں۔

لوگو! سب ماتحت لوگوں کے (زیر دستوں کے) حقوق ادا کرتے رہو ---- جو خود کھاتے ہو وہی ان کو کھلاؤ اور جو خود پہنتے ہوں وہی ان کو پہناؤ۔

سامعین گرامی قدر! عورتوں اور ملازموں کے حقوق کی سب سے بڑھ کر پاسداری اور حفاظت اور تاکید اگر کسی دین نے کی ہے تو وہ دین اسلام ہے

---- آج غریبوں اور مزدوروں کے حقوق کا دعوئی کرنے والے لوگ --- خود ائرکنڈیشنڈ کمروں میں آرام کرتے اور قیمتی گاڑیوں میں سفر کرتے ہیں ----- مگر اسلام کے بانی نے خندق کی کھدائی میں اور مسجد نبوی کی تعمیر میں عملی طور پر خود حصّہ لے کر مزدور کا سر فخر سے اونچا کر دیا۔

آج عورتوں کے حقوق کی حفاظت کا نعرہ لگانے والے لوگ ---- حوا کی بیٹی کو گھر کی چار دیواری سے نکال کر اور نیم برہنہ لباس پہنا کر----- مردوں کے شانہ بہ شانہ لاکر ------ ہوس پرست مردوں کی سیکرٹری بنا کر ---- اشتہاروں کی زینت ٹھہرا کر---- کلبوں میں نچوا کر---- انھیں آزادی اور حقوق کا پروانہ دینا چاہتے ہیں ---- بے چاری عورت کو بسوں میں کنڈیکٹر بنا کے رکھ دیا ----- دکانوں پر سیلز مین کی حیثیت سے کھڑا کر دیا۔

یاد رکھیے ! حوا کی بیٹی اور عائشہ و فاطمہ کی نام لیوا شمع محفل نہیں چراغِ خانہ ہے ---- اس کی عزت کے معاملے میں اللہ رب العزت بہت غیرت مند ہے اور امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ہر موقع پر اس کے حقوق کو بیان فرمایا ہے۔

رنگ و نسل

پھر فرمایا: ---- یَا اَیُّهَا النَّاسُ ------ اے لوگو! اَلَا اِنَّ رَبَّکُمْ وَاحِدٌ --- غور سے سنو! تمھارا رب ایک ہے ----- وَ اِنَّ اَبَاکُمْ وَاحِدٌ ---- اور تمھارا باپ بھی ایک ہے لَا فَضْلَ لِعَرَبِیٍّ عَلٰی اَعْجَمِیٍّ ------- کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں ہے ----- وَ لَا لِعَجَمِیٍّ عَلٰی عَرَبِیٍّ ----- اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فوقیت نہیں ہے ---- وَ لَا لِاَحْمَرَ عَلٰی اَسْوَدَ وَ لَا اَسْوَدَ عَلٰی اَحْمَرَ اِلَّا بِالتَّقْوٰی۔ اور نہ کسی گورے کو کالے پر کوئی فضیلت ہے اور نہ کسی کالے کو گورے پر کوئی برتری ہے ---- ہاں فضیلت و عظمت اور برتری کا معیار صرف تقویٰ ہے۔

(مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۴۱۱)

امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے کتنے خوبصورت اور واضح الفاظ میں رنگ و نسل، قومیت اور وطنیت کے بت کو پاش پاش کر کے رکھ دیا---- آج کلمہ گو صوبائی تعصب میں گرفتار ہیں---- آج مسلمان کہلانے والے لسانی تعصب کا شکار ہیں---- آج کلمہ پڑھنے والوں کی اکثریت برادری اور خاندانی تعصب کی مریض ہے---- میں پنجابی ہوں، سندھی ہوں، بلوچی ہوں، پختون ہوں، سید ہوں، اعوان ہوں، نون ہوں، ٹوانہ ہوں، چیمہ ہوں، چٹھہ ہوں---- وغیرہ وغیرہ----

امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: ------ رنگ اور نسل اور قوم اور وطن عظمت اور برتری کا معیار نہیں ہے---- برتری اور اللہ کے قرب کا معیار ہے تو صرف اور صرف تقویٰ ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ:

جس کا چہرہ آگ کی طرح سرخ تھا---- ہاشمی خاندان کا فرد تھا---- مکے جیسے وطن کا باسی تھا---- اس کے متعلق کہا: تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ

دوسری طرف دیکھو! ---- رنگ کا کالا ہے---- حبشہ کا رہنے والا ہے---- برادری اور خاندان بھی نہیں ہے---- مگر دل میں تقویٰ ہے---- تو اس کے قدموں کی آواز جنت میں سنائی دیتی ہے۔

فرائض کی ادائیگی

پھر فرمایا---- يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا اللّٰهَ ---- اے لوگو! اللہ سے ڈرو ---- وہی اللہ تمھارا پروردگار اور پالنہار ہے---- اپنے پروردگار ہی کی عبادت کرو---- پانچ وقت کی نمازیں ادا کرو---- رمضان کے روزے رکھو---- خوش دلی اور رغبت سے اپنے مالوں کی زکوٰۃ ادا کرو---- اپنے رب کے گھر کا حج کرو---- اپنے حکمرانوں کی اطاعت کرو---- یہ سب کام کرو تاکہ اپنے رب کی جنت میں داخل ہو سکو۔ (ترمذی، مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۲۵۱)

ساتھ ہی فرمایا---- لوگو! اگر تم پر کوئی ایسا حکمران مقرر کر دیا جائے جو

غلام ہو اور اس کی ناک کٹی ہوئی ہو ---- اس کا رنگ کالا ہو ---- وہ تمھیں اللہ کی کتاب کے مطابق احکامات دیتا ہو تو اس کے احکامات کو سنو اور اطاعت کرو۔ (مسلم کتاب الامارۃ)

اَللّٰھُمَّ اَشْھَدْ

پھر فرمایا ---- وَ اَنْتُمْ تُسْاَءَ لُوْنَ عَنِّیْ فَمَا اَنْتُمْ قَآئِلُوْنَ ---- تم سے قیامت کے دن، میرے بارے پوچھا جائے گا ---- تو تم کیا جواب دو گے؟

صحابہ کرام کہنے لگے :

نَشْھَدُ اَنَّکَ قَدْ بَلَغْتَ وَ اَدَّیْتَ وَ نَعَمْتَ

ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا ---- رسالت کے فریضہ سے عہدہ برآ ہوئے اور انسانیت کی خیر خواہی کا حق ادا کر دیا۔

آپ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی گواہی اور شہادت کو سنا تو شہادت کی انگلی کو آسمان کی طرف اٹھایا اور کہا :

اَللّٰھُمَّ اَشْھَدْ ---- اَللّٰھُمَّ اَشْھَدْ ---- اَللّٰھُمَّ اَشْھَدْ ----

اے اللہ ! گواہ رہنا ---- اے اللہ ! گواہ رہنا ---- اے اللہ ! گواہ رہنا ----

ایک اور روایت میں ہے کہ امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنا ہاتھ عوام کی طرف پھیلایا اور لوگوں سے پوچھا :

اَلَا ھَلْ بَلَّغْتَ اَلَا ھَلْ بَلَّغْتَ

کیا میں نے رب کا پیغام پہنچا دیا، کیا میں نے رب کا پیغام پہنچا دیا۔

صحابہ کرامؓ نے جواب میں کہا :

آپ نے پیغام پہنچانے کا حق ادا کر دیا۔

(بخاری کتاب الاضاحی، مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۴۹)

پھر فرمایا:

فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ ----- جو شخص یہاں موجود ہے اسے چاہیے کہ یہ پیغام ہر اس شخص تک پہنچا دے جو یہاں موجود نہیں۔

(بخاری کتاب العلم)

سامعین گرامی قدر! امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ دین کی دعوت اور حق کی تبلیغ کا فریضہ اب امت کی ذمہ داری ہے --- اور یہی بات اس امت کی افضیلت و برتری کی وجہ ہے۔

پھر اصحاب رسول نے اپنے پیارے نبی کے اس حکم کی کماحقہ تعمیل کی --- اور دعوت اسلام اور تبلیغ دین کا حق ادا کر دیا --- انھوں نے وطن، گھربار، اولاد، کاروبار کسی بھی چیز کی پرواہ نہیں کی اور افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں اور یورپ کے کلیساؤں تک محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو پہنچایا----

علامہ محمد اقبال مرحوم نے انہی کے بارے فرمایا ہے:

دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں
اور کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں

❁

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحر ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے

کتاب و سنت پر قائم رہو

آپ نے عرفات کے میدان میں اپنے تاریخی خطبہ کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

تَرَكْتُ فِيْكُمْ اَمْرَيْنِ --- "میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں --- اگر تم ان کو مضبوطی سے پکڑے رکھو گے تو دنیا کی کوئی طاقت تم کو گمراہ نہیں کر سکے گی"۔

كِتَابُ اللهِ ----- ایک اللہ کتاب قرآن چھوڑ کر جا رہا ہوں

وَ سُنَّتِيْ ---- اور دوسری اپنی سنت اور زندگی کا نمونہ اور اسوہ ----- چھوڑ کر جا رہا ہوں۔

سامعینِ گرامی قدر! امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی حیاتِ طیبہ ---- سیرتِ مبارکہ اور پاکیزہ زندگی ---- ایسی زندگی ہے جس کا ایک ایک لحظہ ----- اور جس کا ایک ایک لمحہ تاریخ و سیرت اور حدیث کی کتابوں میں محفوظ ہے۔

بچپن کے حالات محفوظ ہیں ---- سب سے پہلے کس عورت نے کتنے دن دودھ پلایا محفوظ ہے ---- بکریوں کا چرانا اور تجارت کے لیے سفرِ شام محفوظ ہے ---- خدیجۃ الکبریٰ ؓ سے شادی اور ان کے بطن سے آپ کی اولاد کا ہونا محفوظ ہے ---- نبوت و رسالت کے عطا ہو جانے کے بعد آپ کے ارشادات محفوظ ہیں ---- اقوال و افعال اور اعمال محفوظ ہیں ----- آپ کا گھر میں آنا اور گھر سے نکلنا محفوظ ---- آپ کی شادی اور غمی کے لمحات محفوظ ہیں ----- سفر و حضر کے حالات محفوظ ہیں ----- صلح اور جنگ کے اوقات محفوظ ہیں ----- کھانے اور پینے ---- سونے اور جاگنے ---- چلنے اور ٹھہرنے ----- اٹھنے اور بیٹھنے کے حالات ---- وضو اور نماز، روزہ سحری اور افطاری ---- حج کے طریقے ----- کفن دفن کے طریقے ---- قبر بنانے، میت کو لٹانے کے طریقے ----- تعزیت کا طریقہ ---- تھوکنے کے طریقے ---- بال کٹوانے کے طریقے ----- ناخن اتارنے کے طریقے ---- غسل کرنے کے طریقے ---- حتی کہ پیشاب کرنے کے طریقے ---- آپ نے اپنی امت کو بتائے اور عمل کر کے دکھایا ---- اور وہ طریقے آج سیرت و تاریخ اور حدیث کی کتب میں محفوظ ہیں اور امت کے لیے

نمونہ ہیں ---- قرآن میں اِرشاد ہوتا ہے :

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾

یقیناً تمہارے لیے اللہ کے رسول ﷺ (کی زندگی) میں بہترین نمونہ موجود ہے۔ (سورۃ الاحزاب ۳۳ : ۲۱)

امتِ محمدیہ خوش قسمت امت ہے کہ ان کو ملنے والی کتاب قرآن بھی محفوظ ہے اور ان کے نبی ﷺ کی سیرت وحیاتِ طیبہ بھی احادیث اور سیرت کی کتابوں میں محفوظ ہے۔

اسی لیے فرمایا: میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، جب تک ان پر عمل پیرا رہو گے کبھی گمراہ نہیں ہو گے ---- کتاب اللہ و سنتی ---- ایک اللہ کی کتاب، دوسری اپنی سنت اور زندگی کے طور طریقے۔

حوضِ کوثر اور بدعتی

پھر فرمایا ---- میں حوضِ کوثر پر موجود ہوں گا ---- تمہیں دیکھ رہا ہوں گا ---- میری امت کے لوگوں کے وضو والے اعضا چمک رہے ہوں گے جس کی وجہ سے میں ان کو پہچان لوں گا ---- میں باقی امتوں کی نسبت اپنی امت کی کثرت پر فخر کروں گا ---- میری امت کے لوگ میرے حوضِ کوثر پر آئیں گے اور کوثر کے جام پییں گے ---- کچھ لوگوں کو جن کی صورتیں بڑی اچھی ہوں گی ان کو میرے حوضِ کوثر سے روک دیا جائے گا۔

میں کہوں گا: ان کو آنے دو یہ تو میرے لگتے ہیں۔

اللہ رب العزت جواب میں فرمائے گا:

"اِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ"۔

"آپ کو معلوم نہیں، ان لوگوں نے آپ کے بعد کیا کیا بدعات ایجاد کر لی تھیں"۔

اور ایک روایت میں آیا ---- کہ میرے بلانے پر کہا جائے گا:

"هَلْ تَدْرِیْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَكَ".

"کیا آپ جانتے ہیں کہ ان لوگوں نے آپ کے بعد دین میں کیا کیا باتیں گھڑلی تھیں"۔

"اِنَّهُمْ قَدْ بَدَّلُوْا بَعْدَكَ"۔

انھوں نے آپ کے بعد آپ کے دین کو (بدعات ایجاد کر کے) بدل کے رکھ دیا تھا۔

یہ سن کر میں کہوں گا:

"سُحْقًا سُحْقًا"۔ ------- "دور ہو جاؤ دفع ہو جاؤ"۔

اور میں ایسے بدعتی لوگوں کو اپنے حوض سے اس طرح ہٹا دوں گا جس طرح کوئی شخص اپنے حوض سے دوسرے لوگوں کے اونٹوں کو ہٹا دیتا ہے۔

(حوالے کے لیے دیکھیے ابن ماجہ کتاب المناسک، مسلم کتاب الطہارۃ)

سامعینِ گرامی قدر! یاد رکھیے ---- اور غور سے سنیے ----- دین میں کوئی نیا کام جس کا ثبوت امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اور آپ کے صحابہ کرام سے نہ ہو ---- ایسا کام ثواب سمجھ کر کرنا بدعت کہلاتا ہے ---- امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حجۃ الوداع کے خُطبہ میں امت کو بدعات سے خبردار کر رہے ہیں، تاکہ وہ اپنے دامن کو بدعات کے کانٹوں سے بچائیں۔

دوسری بات جس کی طرف میں آپ حضرات کی توجہ دلانا چاہتا ہوں ---- وہ بہت توجہ چاہتی ہے ----- امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جب کہیں گے کہ یہ میرے ساتھی معلوم ہوتے ہیں ----- ان کو میرے پاس لاؤ تاکہ میں انھیں حوضِ کوثر سے جام پلاؤں ---- تو جواب میں کہا جائے گا: اِنَّكَ لَا تَدْرِیْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَكَ ---- آپ کو علم نہیں کہ ان لوگوں نے آپ کے بعد آپ کے

مکمل شدہ دین میں کون کون سے نئے کام جاری کردیے تھے۔۔۔۔

عرضِ اعمال کا عقیدہ

آج ہمارے ہاں کچھ حضرات کا خیال ہے کہ امت کے اعمال امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر پیش ہوتے ہیں۔۔۔۔ اور آپ امت کے اچھے برے اعمال سے آگاہ رہتے ہیں۔۔۔۔ یہ خیال اور یہ عقیدہ صحیح نہیں ہے۔۔۔۔۔ اگر یہ عقیدہ صحیح ہوتا۔۔۔۔ اور واقعی امت کے اعمال آپ پر پیش ہوتے۔۔۔۔ اور آپ امت کے اعمال سے آگاہ ہوتے۔۔۔۔ تو قیامت کے دن یہ نہ کہا جاتا۔۔۔۔ آپ نہیں جانتے کہ آپ کے بعد ان لوگوں نے دین میں کیا کیا نئے کام کیے تھے۔

ستر صحابہؓ۔۔۔۔ دھوکے سے شہید کردیے گئے۔۔۔۔ آپ کو کئی دن تک اِس المناک اور دردناک واقعہ کا علم نہ ہوسکا۔۔۔۔ اگر امت کے اعمال پیش ہوتے تو آپ پہلی نماز کے بعد فرماتے کہ میرے ستر ساتھیوں کی نماز کا عمل اور ان کا درود مجھ تک نہیں پہنچا۔۔۔۔ اللہ خیر کرے۔۔۔۔ اور وہ خیریت سے ہوں۔

سیدنا عثمان رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ سفیرِ رسول بن کر مکہ مکرمہ میں گئے۔۔۔۔ مشرکین نے ان کو حراست میں لے لیا اور افواہ اڑادی کہ عثمانؓ شہید کردیے گئے ہیں۔

آپ نے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر چودہ سو صحابہ سے عثمان کے خون کا بدلہ لینے کے لیے بَیعت لی۔۔۔۔ اگر امت کے اعمال آپ پر پیش ہوتے ہیں۔۔۔۔ تو کیا عثمانؓ مکہ میں نماز نہیں پڑھتے ہوں گے؟۔۔۔۔ ذکر واذکار اور وظیفہ درود نہیں کرتے ہوں گے۔۔۔۔۔ یقیناً کرتے ہوں گے۔۔۔۔ تو پھر امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو پتا چل جانا چاہیے تھا کہ میرا عثمان زندہ ہے۔۔۔۔ آپ صحابہ سے فرماتے عثمان کی قتل کی افواہ جھوٹی ہے۔۔۔۔ ابھی ابھی عثمانؓ کی نماز پڑھنے والا عمل اور درود بھیجنے والا عمل مجھ تک پہنچا ہے۔

یاد رکھیے ----- لوگوں کے اعمال نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے سامنے پیش نہیں ہوتے ----- بلکہ اس اللہ رب العزت کے آگے پیش ہوتے ہیں جس کی خوشنودی کے لیے عمل کیے جاتے ہیں ---- وَ اِلَیْہِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ ----- اسی اللہ کی طرف چڑھتے ہیں پاکیزہ کلمے۔

تکمیلِ دین

آپ اس تاریخی اور جامع خطبے سے فارغ ہوئے تو اپنی اونٹنی سے اتر کر زمین پر فروکش ہوئے --- سیدنا بلال رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ نے اذان دی ---- آپ نے ظہر اور عصر کی دونوں نمازیں ایک ہی وقت مین ادا فرمائیں ---- پھر آپ اللہ کی حمد و ثنا میں اور دعا و اسْتِغْفَار میں مُنہمک ہوگئے ---- عرفات کے میدان میں جو دعائیں آپ نے مانگیں ---- انھیں پڑھ کر آج بھی دل اور سینہ لرز اٹھتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ کَالَّذِیْ نَقُوْلُ وَ خَیْرًا مِّمَّا نَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ لَکَ صَلٰوتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ وَ اِلَیْکَ مَاٰلِیْ۔

اے میرے مولا! حمدیں اور ثنائیں تیرے لیے ہیں جس طرح ہم کر رہے ہیں، بلکہ ہمارے کرنے اور کہنے سے بھی بہتر حمدیں اور تعریفیں تیرے لیے ہیں۔

اے میرے مولا! میری نماز، میری قربانی، میرا زندہ رہنا، اور میرا مرنا تیرے لیے ہے اور میرا لوٹ کر جانا بھی تیری طرف ہے۔

عرفات کے میدان میں میرے آقا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی مانگی ہوئی ایک دعا:

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ تَسْمَعُ کَلَامِیْ وَ تَرٰی مَکَانِیْ وَ تَعْلَمُ سِرِّیْ وَ عَلَانِیَتِیْ لَا یَخْفٰی عَلَیْکَ شَیْءٌ مِّنْ اَمْرِیْ اَنَا الْبَآئِسُ الْفَقِیْرُ الْمُسْتَغِیْثُ الْمُسْتَجِیْرُ الْوَجِلُ الْمُشْفِقُ الْمُقِرُّ الْمُعْتَرِفُ بِذَنْبِہٖ اَسْئَلُکَ مَسْئَلَۃَ الْمِسْکِیْنِ۔

میرے مولا! یقیناً تو میرے کلام کو سنتا ہے اور تو میرے ٹھہرنے کی

جگہ کو جانتا ہے ---- یقیناً تو میرے ظاہر اور باطن کو جانتا ہے میرا کوئی عمل تجھ سے پوشیدہ نہیں ہے ---- میں غم زدہ ہوں ---- سوالی، فریاد کرنے والا، پناہ مانگنے والا، ڈرنے والا، خوف زدہ اپنے قصوروں کا اعتراف کرنے والا ---- مولا! میرا سوال ایک مسکین کے سوال کی طرح ہے۔

آپؐ گڑگڑا کے عاجزی و زاری کے ساتھ ہاتھ بلند کرکے اور آگے سے آگے ہاتھ پھیلا کر دعا بھی مانگ رہے تھے اور آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی بھی لگی ہوئی تھی۔ اسی موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (مائدہ: ۳)

آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کردیا، اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی اور تمھارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کیا۔

آج بڑی خوشی و شادمانی ---- اور بڑی مسرت و شادمانی کا دن تھا ---- دین کی تکمیل کا اعلان ہو رہا تھا ---- اصحابِ رسولؐ کے چہرے خوشی سے دمک رہے تھے ---- مسکراہٹ ان کے لبوں پر مچل رہی تھی ---- مگر آج ایک شخص افسردہ تھا ---- اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار تھے ---- آنکھوں میں آنسو تھے ---- یہ تھے رازدارِ نبوت اور محبِ صادق سیدنا صدیق اکبرؓ ---- صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رونے کی وجہ دریافت کی تو فرمایا:

یہ آیت خبر دے رہی ہے کہ اب نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ زیادہ دیر دنیا میں زندہ نہیں رہیں گے ---- ہمیں جدائی اور فراق کا صدمہ دے کر اپنے مالک حقیقی کے حضور حاضر ہوں گے ---- کیونکہ آپؐ کی تشریف آوری کا جو مقصد تھا وہ مکمل ہو گیا ---- آج دین کی تکمیل کا اعلان ہو گیا ---- اللہ نے واضح کردیا کہ میرے نبی کی دنیا میں آمد کا مقصد پورا ہو گیا ہے۔

ایک یہودی سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا ----- آپ کے قرآن میں تکمیل دین والی آیت اگر ہم یہودیوں پر اترتی تو ہم اس دن کو عید قرار دے دیتے ---- (جشن مناتے، جھنڈیوں سے بازار سجاتے، جلوس نکالتے۔)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہودی کو جواب دیتے ہوئے فرمایا ---- ہمیں معلوم ہے کہ یہ آیت کس دن اتری ----- اور یہ بھی معلوم ہے کس مقام پر اتری ---- ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عرفات کے میدان میں تھے اور جمعہ کا دن تھا ---- (بخاری کتاب الایمان باب زیادۃ الایمان)

یعنی جگہ بھی مبارک تھی اور دن بھی مبارک اور مقدس تھا۔

پھر آپ نے عرفات میں مغرب تک وقوف فرمایا ---- غروب آفتاب کے بعد آپ اپنی اونٹنی قصوا پر بیٹھے اور ایک غلام زادے سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو اپنے پیچھے بٹھالیا اور مزدلفہ کے لیے روانہ ہوگئے ---- مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک اذان اور اقامۃ سے اکٹھی ادا فرمائیں ----- پھر کچھ وقت آرام فرمایا ---- فجر کی نماز اندھیرے میں ادا کر کے مشعر حرام تشریف لائے اور قبلہ رخ ہو کر اللہ کی حمد و ثنا ---- تکبیر و تہلیل میں مشغول ہوگئے ---- پھر خوب اجالا ہونے تک ہاتھ بلند کر کے اللہ کے حضور عاجزی و زاری سے دعا میں مصروف رہے۔

پھر سورج کے طلوع ہونے سے پہلے منیٰ کی جانب روانہ ہوئے ---- اس موقع پر آپ نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے بیٹے فضل رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ سوار کرلیا ---- اور جمرہ اولیٰ تشریف لاکر اسے سات کنکریاں ماریں ---- پھر قربان گاہ تشریف لے گئے اور اپنی عمر کے بقدر تریسٹھ اونٹ خود اپنے ہاتھ سے ذبح فرمائے اور سینتیس اونٹ آپ کی طرف سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے قربان کیے۔ یوں ایک سو اونٹ کی تعداد پوری ہوگئی۔

پھر آپؐ نے اپنا سر مبارک منڈوایا اور اپنے بال صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں تقسیم فرمائے۔

بعد ازاں آپؐ اونٹنی پر سوار ہو کر مکہ مکرمہ تشریف لائے اور طواف زیارت کیا اور پھر واپس منیٰ تشریف لے گئے۔

منیٰ میں بھی آپؐ نے خُطبہ ارشاد فرمایا جس کی تفصیل حدیث اور سیرت کی کتابوں میں موجود ہے۔ (دیکھیے بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۳۴) اس کے بعد ایام تشریق ۱۱۔۱۲۔۱۳ رذی الحجہ میں منیٰ ہی میں قیام فرمایا ---- جمرات کو کنکریاں بھی ماریں ---- صحابہ کرام کو شریعت کے احکام بھی سکھائے ---- اللہ رب العزت کے ذکر و اذکار میں بھی مصروف رہے ----- لوگوں کے سوالوں کے جواب بھی دیتے رہے۔

حجۃ الوداع

چونکہ یہ حج آپؐ کا آخری حج تھا --- اور آپؐ نے عرفات کے خطبے میں کہہ بھی دیا تھا کہ: شاید اس کے بعد تم سے ملنا نہ ہو ---- شاید آئندہ میں تمھیں نہ دیکھ سکوں، اس وجہ سے اس حج کو حجۃ الوداع کہتے ہیں کہ آپؐ اپنی امت سے رخصت ہو رہے تھے اور اپنی امت کو الوداع کہہ رہے تھے۔

- اس حج کا ایک نام حجۃ البلاغ بھی ہے ---- آپؐ صحابہ کرام سے پوچھ رہے تھے: هَلْ بَلَّغْتُ؟ کیا میں نے اللہ کے احکام تم تک پہنچا دیے ہیں؟ ---- اور وہ جواب میں کہہ رہے تھے کہ آپؐ نے تبلیغِ دین کا حق ادا کر دیا ہے؟
- اس حج کا ایک نام حجۃ التمام بھی ہے ---- کیونکہ اس حج کے موقع پر دین کی تکمیل ہوئی --- اور اللہ کی نعمت پوری ہوئی ---- وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي۔

✿ اس حج کا ایک نام حجۃ الاسلام بھی ہے ---- کیونکہ اس حج کے موقع پر امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے عرفات اور منیٰ میں جو خطبے ارشاد فرمائے ان میں دین اسلام کا نچوڑ اور خلاصہ بیان فرمایا۔

ایک اہم بات

سامعینِ گرامی قدر! ایک ضروری بات اس سلسلہ میں بیان کرنے سے رہ گئی ---- اسے ذرا توجہ سے سنیے!

جب آپؐ ۱۰ ذی الحجۃ کی صبح مزدلفہ سے منیٰ کی طرف آ رہے تھے ---- صحابہ کرام آپؐ کے اردگرد پروانہ وار چل رہے تھے ---- وہ مختلف سوال پوچھتے، آپؐ جواب عنایت فرماتے اور بلند آواز سے مناسکِ حج کی تعلیم دیتے جاتے تھے اور ساتھ یہ بھی فرماتے:

"لِتَأْخُذُوا مَنَاسِكَكُمْ فَإِنِّي لَا أَدْرِي لَعَلِّي لَا أَحُجُّ بَعْدَ حَجَّتِي هٰذِهٖ"۔

(مسلم، ابوداؤد)

مجھ سے حج کے مسائل سیکھ لو، میں نہیں جانتا شاید اس حج کے بعد میں دوبارہ حج نہ کرسکوں اور ساتھ ہی ارشاد فرماتے:

اِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ فِي الدِّيْنِ فَاِنَّمَا اَهْلَكَ الْغُلُوُّ فِي الدِّيْنِ۔

(ابن ماجہ، نسائی)

دین میں غلو اور مبالغہ آرائی سے بچو، کیونکہ تم سے پہلی قومیں اسی غلو فی الدین کی وجہ سے ہلاک اور برباد ہوئیں۔

قرآن مجید میں یہود و نصاریٰ کو دین میں مبالغہ آرائی سے روکا گیا ---- جو اپنے انبیاء کو اللہ کا بیٹا اور اللہ کا جز قرار دیتے۔

بدقسمتی سے آج کا کلمہ گو بھی ---- محبتِ رسول اور عشقِ اولیاء اللہ اور حب اہل بیت کے دھوکے میں غلو کا شکار ہو گیا ہے ---- امام الانبیاء

صلی اللہ علیہ وسلم کو نُورٌ مِن نُورِ اللّٰہ کہنا غلو ہے --- ائمہ کا مرتبہ انبیاء کے برابر سمجھنا غلو ہے --- یہ کہنا غلو فی الدین ہے کہ:

وہی جو مستوی تھا عرش پر خدا بن کر
اتر پڑا مدینے میں مصطفٰے بن کر

چاچڑ وانگ مدینہ دسے تے کوٹ مٹھن بیت اللہ
ظاہر دے وچ پیر فریدن تے باطن دے وچ اللہ

یہ کہنا غلو فی الدین ہے کہ:

"احد اور احمد میں ایک میم کا پردہ ہی تو ہے"۔

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی غلو کے خطرے کے پیش نظر فرمایا تھا:

لَا تَرْفَعُوْنِیْ فَوْقَ مَنْزِلَتِیَ الَّتِیْ اَنْزَلَنِیْهَا اللّٰهُ تَعَالٰی۔

مجھے اس درجے سے اوپر نہ لے جانا جس درجے پر اللہ تعالیٰ نے مجھے فائز فرمایا ہے --- میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔

ایک اور موقع پر فرمایا:

لَا تُطْرُوْنِیْ كَمَا اَطْرَتِ النَّصَارٰی عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ

جس طرح عیسائیوں نے غلو کرتے ہوئے عیسیٰ بیٹے مریم کو بڑھا کر اللہ کا شریک بنا دیا --- اللہ کا بیٹا اور جز بنا دیا --- مجھے اس طرح نہ بڑھانا، میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں اللہ رب العزت ہمیں دین و عقیدے کے معاملے میں اعتدال پر قائم رکھے اور انبیاء و اولیاء سے ایسی محبت اور عقیدت بخشے جو قرآن و سنت کے مطابق ہو اور غلو سے مبرا اور پاک ہو۔

غدیرِ خم پر خطبہ

حج کے تمام ارکان اور افعال سے فراغت کے بعد آپ نے مہاجرین و انصار اور دیگر صحابہ کے ہمراہ مدینہ منورہ واپسی کا قصد فرمایا---- مدینے کے راستے میں ایک جگہ ہے جس کا نام "خم" ہے---- یہاں ایک تالاب تھا---- تالاب کو عربی میں "غدیر" کہتے ہیں---- اسی لیے اس جگہ کا نام عام روایتوں میں غدیرِ خم آتا ہے۔

غدیرِ خم پر امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہرے ہوئے تھے کہ ایک صحابی حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی کسی بات کی شکایت کی۔ (یہ شکایت کس معاملے میں تھی؟---- کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یمن میں غنیمت کے مال کے تقسیم کے بارے میں تھی---- ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۱۳ پر سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے جس شکایت کا تذکرہ ہے وہ اور ہے۔)

ترمذی کی روایت میں ہے کہ بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین شکایت کرنے میں حضرت بریدہ اسلمیؓ کے ہم نوا تھے۔

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر فرمایا:

مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۱۳)

"جس کا میں مولیٰ ہوں علیؓ بھی اس کا مولا ہے"۔

سامعین گرامی قدر! کچھ لوگوں نے سینہ زوری کرتے ہوئے اس حدیث سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلا فصل ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے---- وہ لوگ اپنی تقریر و تحریر میں---- اور میدانِ مناظرہ میں بڑے دھڑلے سے اس حدیث کو حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی بلا فصل خلافت پر بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔

لیکن انھوں نے اس حقیقت پر کبھی غور نہیں کیا کہ---- مولیٰ کا معنی اور مفہوم کیا ہے؟ مولیٰ کے تو بہت سے معنی ہیں---- مولیٰ بمعنی کارساز

---- مولیٰ بمعنی دوست ---- مولیٰ بمعنی محبوب ---- مولیٰ بمعنی مالک اور مولیٰ بمعنی غلام اور مولیٰ بمعنی مددگار جس جگہ پر مولیٰ کا لفظ آئے گا ---- اس جگہ کے مناسب معنی کریں گے ---- اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ---- والی آیت میں معنی کریں گے ---- "تو ہمارا کارساز اور مددگار ہے"۔

اور یہاں لوگوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شکایت کی تھی ---- اس کے جواب میں آپؐ نے فرمایا:

مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ ---- جس کا میں حاکم اس کا علی حاکم۔ یعنی جو مجھے حاکم مانتا ہے وہ علی کو بھی حاکم تسلیم کرے۔ (کیونکہ حضرت علیؓ میرے حکم ہی سے یمن گئے تھے ---- میں نے ہی ان کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تھا ---- اس لیے جو فیصلہ ان کا تھا وہی فیصلہ میرا ہے۔)

یا معنی ہوگا جس کا میں دوست، اس کا علیؓ بھی دوست ہے ---- یا معنی ہوگا جس شخص کو میں محبوب ہوں علیؓ بھی اس شخص کو محبوب ہونا چاہیے۔

(سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس شرف و عظمت پر اور اس مرتبے اور عزت پر سیدنا علیؓ کو مبارک باد دی اور شکایت کرنے والے حضرت بریدہ اسلمی اس کے بعد تمام زندگی حضرت علیؓ کے ساتھ رہے اور جنگِ جمل میں شہادت کے مرتبے پر فائز ہوئے۔)

مولیٰ بمعنی خلیفہ

جن لوگوں نے سینہ زوری سے مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ ---- سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلا فصل پر استدلال کیا ہے ---- میں ان سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ مولیٰ کا معنی خلیفہ کہاں لکھا ہوا ہے ---- عربی لغت کی جتنی کتابیں ہیں انھیں اٹھا لیجیے ---- امام راغب کی مفردات ہے ---- منظور افریقی کی لسان العرب ہے ---- قاموس اور تاج العروس ہے ---- ان میں سے کس نے مولیٰ کا معنی خلیفہ کیا ہے

---- میں کہتا ہوں خلافت و امامت مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ کے الفاظ سے ثابت نہیں ہوتی ---- آ میں تجھ کو بتاؤں کہ خلافت و امامت کیسے ثابت ہوتی ہے ---- امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم بیمار ہیں ---- وفات سے چار دن پہلے جمعرات کا دن ہے ---- اور عشاء کی نماز کا وقت ہے ---- صحابہ کرام مسجد نبوی میں جمع ہیں ---- مگر آپؐ مسجد میں نماز پڑھانے کے لیے تشریف لانے کی سکت اور طاقت نہیں رکھتے ---- باربار کوشش کے باوجود جب ہمت نہ ہوئی تو فرمایا لوگوں کو کہو میرا انتظار نہ کریں ---- مُرُوْا اَبَابَکْرٍ فَلْیُصَلِّ بِالنَّاسِ ---- ابوبکر کو کہو میر مُصلّے پر کھڑے ہو کر لوگوں کو نماز پڑھائے۔

میں پوچھتا ہوں جس وقت آپؐ یہ حکم صادر فرما رہے تھے اس وقت حضرت علیؓ کہاں تھے ---- یقیناً مدینہ منورہ میں تھے ---- آپؐ کے چچا سیدنا عباسؓ کہاں تھے؟ ---- آپؐ کے چچازاد عبداللہ بن عباس، فضل بن عباس کہاں تھے؟ آپؐ کے نواسے حضرت حسینؓ اور حضرت حسنؓ کہاں تھے؟ (رضوان اللّٰہ علیہم اجمعین) یہ سب مدینہ منورہ میں تھے۔ ---- مسجد نبوی میں تھے ---- آپؐ کے قرب و جوار میں تھے ---- مگر میرے نبی نے فرمایا ---- آج میرے خاندان کے لوگ پیچھے ہوں گے اور ابوبکر آگے ہوگا۔

سترہ نمازیں سیدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ نے آپؐ کی زندگی مبارک میں ---- اور آپؐ کی حیات طیبہ میں مسجد نبوی میں ---- محراب نبوی میں ---- اور نبی کے مُصلّے پر کھڑے ہو کر پڑھائیں۔

خلافتیں اس طرح ثابت نہیں ہوتیں جس طرح بودے اور لاتعلق دلائل سے تو ثابت کرتا پھرتا ہے ---- بلکہ خلافت و امامت اس طرح ثابت ہوتی ہے جس طرح امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے روشن اور واضح فرمان اور حکم سے میں نے ثابت کی ہے۔

مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ کا مفہوم اور صحیح معنی میں نے بیان کر دیا ہے ---- علاوہ ازیں اس حدیث پر جرح بھی موجود ہے۔ اس حدیث کا ایک راوی میمون ابوعبداللہ ہے ---- جس کے متعلق امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ اس کی روایات منکر ہوتی ہیں ---- امام یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ یہ شخص لاشی ہے جس کی کوئی حیثیت نہیں ---- بعض حضرات کا دعویٰ ہے کہ یہ شخص ایک رذیل انسان تھا۔

واپسی بسوئے مدینہ

مناسکِ حج کے مکمل ہوجانے کے بعد امام الانبیاء ﷺ اپنے جاں نثار ساتھیوں کے ہمراہ مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے اور ذی الحجہ کے آخر میں مدینہ منورہ پہنچ گئے۔

لشکرِ اُسامہؓ

امام الانبیاء ﷺ اور مسلمانوں کو اب جزیرۂ عرب کے کسی علاقے سے کوئی خطرہ نہیں تھا ---- مگر عرب کے اردگرد کے ممالک ---- روم، ایران، شام اور مصر کی طرف سے سازشیں اور ریشہ دوانیوں کے خطرات کو فراستِ نبوی محسوس کر رہی تھی۔

رومی اس وقت اپنے آپ کو دنیا کی سپر طاقت سمجھتے تھے ---- اور دوسری مملکتوں کے لحاظ سے وہ یقیناً سپر طاقت تھے ---- رومی مسلمانوں کی روز بروز بڑھتی ہوئی قوت و طاقت اور مسلسل فتوحات اور کامیابیوں سے خائف تھے اور اسلام کو اپنے لیے برابر خطرہ سمجھ رہے تھے۔

امام الانبیاء ﷺ بھی رومیوں کی کارروائیوں ---- اور عزائم سے باخبر رہتے تھے ---- اور خطرہ محسوس فرماتے تھے کہ وہ کسی وقت چھوٹی سی اسلامی ریاست کے خلاف اقدام کر کے مدینہ پر حملہ آور ہو سکتے ہیں ---- چنانچہ آپ چاہتے تھے کہ رومیوں کو پیغام دیا جائے کہ ہمیں معمولی قوت نہ سمجھا جائے۔

حجۃ الوداع سے واپسی پر آپؐ نے ارادہ فرمایا کہ شام پر چڑھائی کی جائے ---- اس کے لیے آپؐ نے زیادہ سے زیادہ فوج جمع فرمانے اور آلاتِ جنگ کی تیاری کا حکم صادر فرمایا۔

آپؐ نے ۲۶ر صفر ۱۱ھ کو رومیوں کے مقابلے میں ایک عظیم لشکر کو روانہ فرمانے کا حکم جاری فرمایا ---- اس لشکر نے اسی مقام پر جانا تھا جہاں غزوۂ موتہ ہوا تھا ---- جس میں سیدنا زید بن حارثہ، سیدنا عبداللہ بن رواحہ اور سیدنا جعفر طیار (رضوان اللہ علیہم اجمعین) جیسے سپہ سالار اور جرنیل شہید ہوئے تھے۔

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے نسلی تفاخر ---- اور حسب و نسب کے بت کو توڑتے ہوئے اس عظیم لشکر (جس میں سیدنا صدیق اکبرؓ، سیدنا فاروق اعظمؓ سمیت بڑے بڑے عظیم المرتبت ---- السابقون الاولون ---- بدر و احد اور حدیبیہ کے شرکاء شامل تھے۔) کا سالار سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا جن کی عمر صرف بیس سال تھی اور انھیں یہ شرف حاصل ہے کہ وہ تمام عمر امام الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت و پرورش میں رہے ---- اسی لیے ان میں تمام اعلیٰ اوصاف اور محاسن اور خوبیاں اور کمالات بدرجۂ اتم موجود تھے۔

کچھ روایات میں آتا ہے کہ کچھ لوگوں نے سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کی قیادت و سالاری پر اعتراض کیا کہ اسامہ بیس سال کا نوجوان ہے ---- ناتجربہ کار ہے اور بڑے بڑے نامور لوگ اس کی ماتحتی میں ہیں۔

آپؐ نے ان لوگوں کے اعتراض کے جواب میں فرمایا۔

اگر تم لوگ اسامہ کی امارت اور سپہ سالاری پر اعتراض، طعنہ زنی اور تنقید کر رہے ہو تو اس سے پہلے تم اسامہ کے والد زید بن حارثہ کی امارت و سپہ سالاری پر بھی اعتراض کر چکے ہو حالانکہ زید بن حارثہ امارت اور سپہ سالاری کے اہل تھا اور وہ میرے محبوب ترین لوگوں میں سے تھے اور اس کے بعد

اس کا بیٹا اسامہ بھی مجھے سب لوگوں سے پیارا ہے۔ (بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۱۲)

امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے سیدنا اسامہ بن زید کو لشکر کا سپہ سالار بنا کر اپنی بیماری سے ایک دو دن پہلے روانہ فرمایا---- اسامہ بن زید نے لشکر اسلام کو مدینہ منورہ سے تقریباً تین میل دور جرف کے مقام پر ٹھہرنے کا حکم دیا ---- لشکر کی روانگی کے بعد امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بیماری نے زور پکڑ لیا ---- نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے چچا سیدنا عباس رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اور سیدنا علی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ آپؐ کی تیمار داری کے لیے مدینہ منورہ واپس آگئے ---- سیدنا ابوبکر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اور سیدنا عمر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ آپؐ کو دیکھنے کے لیے آتے جاتے رہتے تھے ---- آپؐ کی بیماری نے جمعرات کے روز شدت پکڑی ---- اور عشاء کی نماز پڑھانے کے لیے آپؐ مسجد میں تشریف نہ لاسکے ---- یہ صورتِ حال دیکھ کر سیدنا اسامہ بن زید رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ نے روانگی میں تاخیر کردی۔

پیر کے دن صبح کے وقت آپ کی طبیعت پہلے کی نسبت بہتر ہوئی --- قدرے سکون محسوس ہوا ---- صحابہ کرام سمجھے کہ اب آپؐ کی طبیعت ٹھیک ہے ---- اسامہ بن زید تک خوشی کی یہ خبر پہنچی تو انھوں نے لشکر کی روانگی کا ارادہ فرمالیا ---- ابھی وہ اسی تیاری میں تھے کہ ان کی والدہ محترمہ سیدہ ام ایمن رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہا نے پیغام بھجوایا کہ نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی طبیعت اچانک اِنتہائی خراب ہوگئی ہے۔

اس تشویش ناک خبر نے سیدنا اسامہ کو پھر رکنے پر مجبور کردیا ---- اور پھر کچھ دیر بعد ہی یہ المناک اور دردناک خبر پہنچی کہ امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم عالم دنیا سے دار بقا کی طرف کوچ فرما گئے ہیں۔

جتنے لشکر نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مختلف اطراف میں بھیجے تھے، لشکر اسامہ ان میں آخری لشکر تھا --- مگر اس لشکر کے بارے میں اللہ ربّ العزت کا

فیصلہ یہ تھا کہ یہ لشکر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کا پہلا لشکر بنے۔

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات کی خبر سن کر لشکر اسامہ واپس مدینہ منورہ آگیا۔

آپ کے انتقال کے بعد ---- اصحاب رسول نے متفقہ طور پر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو خلیفۃ الرسول اور اپنا امیر مقرر کرلیا۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خلافت و امامت کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے بعد سب سے پہلا کام لشکرِ اسامہ کو روانہ کرنے کا کیا ---- اور مدینہ منورہ سے باہر تین میل تک مقام جرف تک پیدل اسامہؓ کی سواری کے ساتھ ساتھ چلتے رہے اور اس دوران اسامہ کو نصیحتیں کرتے رہے۔

چالیس دن کے بعد لشکرِ اسامہ کامیابی کے ساتھ واپس لوٹا ---- تو مدینہ سے برہر نکل کر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے لشکر کا استقبال کیا ---- اور جب مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو مسجد نبوی میں شکرانے کے نفل ادا فرمائے۔

سامعین گرامی قدر! امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارکہ اور حیاتِ طیبہ کے اہم حالات و واقعات کئی خطبوں میں ---- میں نے بیان کیے ---- آپ کی سیرت و حیات کی پوری تفصیل بیان کرنا بہت مشکل ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ڈیوٹی سر انجام دے کر ---- اور اپنا کام مکمل فرما کر ---- اپنی حسین، بے مثال، عدیم النظیر، لاجواب، قابلِ رشک، خوبصورت، معصوم، محفوظ اور دلربا زندگی کی ترسٹھ بہاریں گزار کر ---- دنیائے فانی سے رفیقِ اعلیٰ کی طرف ---- عالمِ فانی سے فردوسِ بریں کی جانب روانہ ہوئے ---- مشہور روایت کی بنا پر یہ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ پیر کا دن تھا اور دوپہر سے پہلے کا وقت تھا۔

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر اصحابِ رسول کی پریشانی اور غم

---- ان کا افسردہ ہونا فطری امر تھا ---- سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا وا اَبتاہُ وا اَبتاہُ کے ساتھ اپنے غم کا اظہار کر رہی تھیں ---- سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرطِ غم سے نڈھال ہوگئے --- سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اتنے متاثر ہوئے کہ زبان بند ہوگئی ---- سیدنا علی رضی اللہ عنہ انتہائی غمگین ہیں۔

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حسرتِ آیات کی مکمل تفصیل ---- آپ کو غسل دینا، تجہیز و تکفین، جنازہ، قبر منور میں اتارا جانا ---- یہ سب واقعات خُطبات بندیالوی جلد دوم میں شامل ایک تقریر میں ملاحظہ فرمائیں ---- جس تقریر کا عنوان اور موضوع "وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم" ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین